خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

APPRIL
2015

ماڈل: عشا نور
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ردا ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

عظمیٰ محمود جعفری،

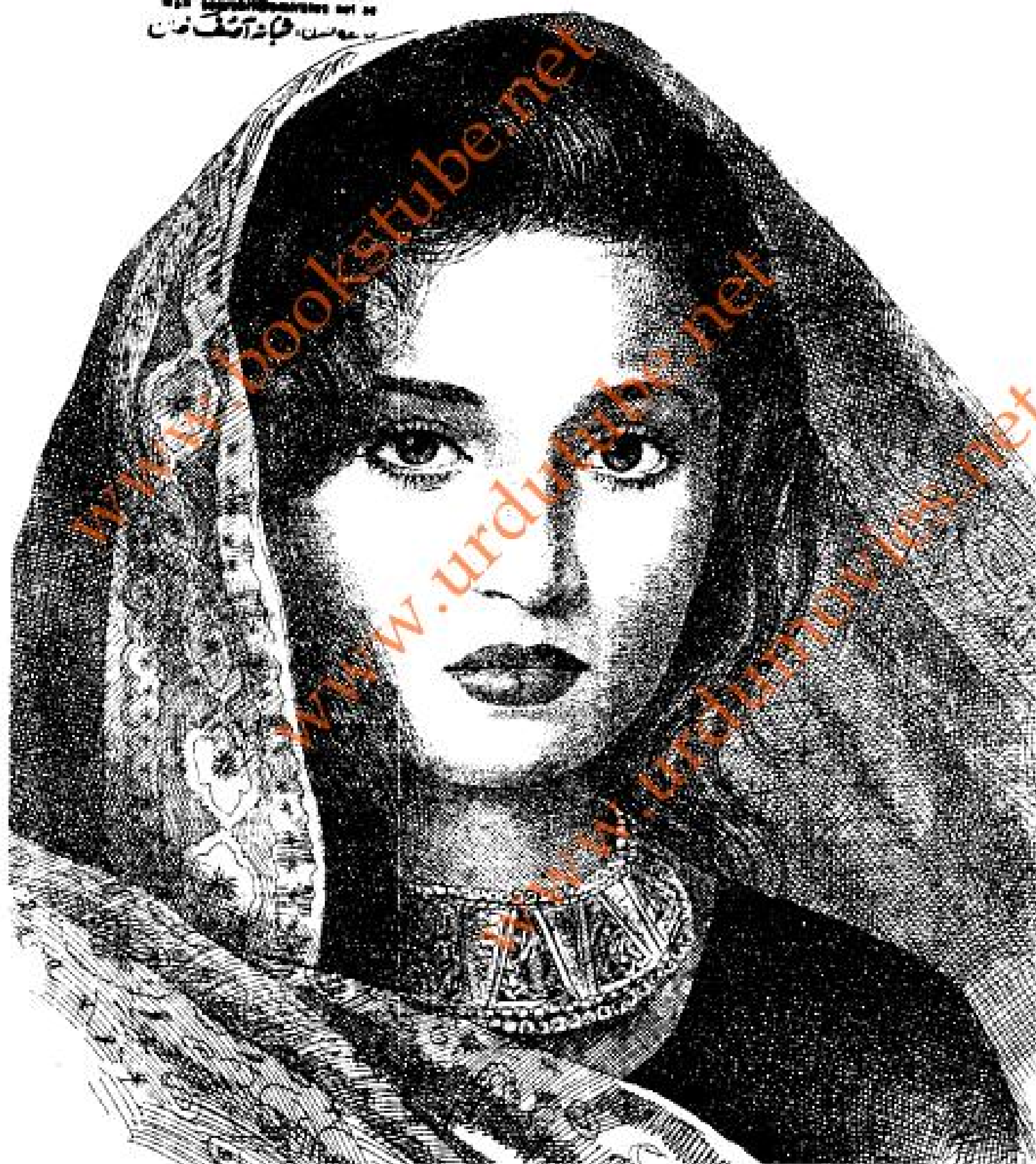
نائب مدیر، فراز جعفری

E-Mail [illegible]

نائب [illegible] : [illegible] جعفری

Mail [illegible]

[illegible] شازیہ آصف [illegible]



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

اپریل 2015ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 4

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے



34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





مارچ کا اختتام ہوا اور موسم بہار آ گیا۔ زندگی کے رنگ ڈھنگ وہی سرد موسموں کے بعد خوش گوار موسم کی آمد۔ کہتے ہیں کہ تبدیلی آپ کی طرح ہوتی ہے۔ انسان تو کیا گل و بوٹے سب کھل اٹھتے ہیں۔ تر و تازہ کونپلیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ پرندوں کی چہچہاہٹ بڑھ جاتی ہے۔ نظام قدرت سب کچھ بدل دیتا ہے۔ حالات و زندگی بھی اسی طرح بدل جاتے ہیں۔ غم و مایوسی ختم ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا نہ رنگ نہ موسم نہ انسان نہ ہی غم و اداسی کی بساط کیا ہے بس ٹھہرا ٹھہرا شہر کا موسم ہے اگر کچھ ہے تو میڈیا میں وہی سنسنی خیز غیر قانونی بیانات جو پرنٹ میڈیا میں آرہے ہیں آپ ہرگز یقین نہ کریں۔ غیر قانونی بیانات سے اجتناب کیا جائے۔ اس سے پاکستان کا امیج خراب ہوتا ہے آزاد ملک اپنا ہو یا غیر ممالک، سچ اور جھوٹ کے اس دور میں سب کو شعور ہے۔ شعور و آگہی کے دور میں منفی سوچ کو پھیلانا ظلم کو ابھارتا ہے اور پھر یہی منفی سوچ ہمیں فرقہ واریت کی طرف لے جاتی ہے اور پھر یہی فرقہ وارانہ سوچ گروہوں کو جنم دیتی ہے۔ جو پاکستان کے مفاد میں بہتر نہیں ہے جہاں جہاں کسی بھی خطے میں آباد مسلمان ہیں۔ ان کا اللہ ایک ہے ایک رسول ہے ہماری سوچ یہ ہونی چاہیے۔ انسان کو بحیثیت ایک مسلمان نبیﷺ کے آخری خطبے پر متفق ہو جانا چاہیے۔

''کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

سندھی، مہاجر، پنجابی، پختون کیا مسلمان نہیں؟ یا آپس میں بھائی بھائی نہیں غلط سوچ کو جنم نہ دیا جائے۔ اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ قلم ہو یا الیکٹرونک میڈیا اس بات پر فوکس رکھیں کہ فرقہ واریت نہ پیدا ہو۔ یہ تاثر نہ جائے کہ وہ پنجابی، سندھی، بلوچی اور مہاجر ہے۔ بنیادی طور پر فرد واحد پر ذمے داری ہے پاکستان کے کسی خطے میں رہنے والا صرف مسلمان اور پاکستانی ہے اور کچھ نہیں۔ ہر لکھنے والے پر یہ ذمے داری ہے کہ نظریہ پاکستان کو زندہ رکھنے کے لیے نئے دور پاکستان کو دیکھنے کے لیے موجودہ جاہل سوچ کو بدلنے کے لیے ہر قلم کو یہ ذمے داری سونپتی ہے۔ وقت اور حالات کے تحت یہ آپ کے قلم کی ذمہ داری ہے۔

شازیہ مصطفیٰ اور فرروش کی اس بار قسط شامل اشاعت نہیں تاخیر سے موصول ہونے کی وجہ سے۔

آپی

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسین نیوز ایجنسی کے بھائی کی اہلیہ رخسانہ اکبر رضائے الٰہی سے اچانک انتقال کر گئیں۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ رحمت خداوندی میں وہ رہیں۔ اکبر بھائی اور ان کے اہل خانہ کو خدا صبر عطا کرے۔ ادارہ ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ردائے بشر

صالحہ محمود

ایمان اور اس کے مسائل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان وہ آدمی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ آدمی ہے جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ ہوں۔“ (ترمذی، نسائی، عن ابی ہریرہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس آدمی میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جو وعدے کا خیال نہیں کرتا اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔“ (بیہقی، عن انسؓ)

کبیرہ گناہوں اور نفاق کی علامات کا بیان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی آدمی زنا کرتا ہے تو اس (کے جسم) سے اس کا ایمان نکل کر اس کے سر پر سائے کی مثل رہتا ہے اور جب وہ اس فعل سے رک جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف واپس لوٹ آتا ہے۔“ (ترمذی، عن ابی ہریرہؓ)

ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں تو اس کے ساتھی نے اس سے کہا کہ انہیں نبی نہ کہو۔ اگر اس نے تم سے یہ الفاظ سن لیے تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے) چنانچہ وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح احکامات کے بارے میں سوال کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو۔ جس جان کو اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو۔ کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لیے (اس پر غلط الزام لگا کر) حاکم کے پاس نہ لے جاؤ۔ جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ۔ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ۔ میدان جنگ سے نہ بھاگو اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص حکم یہ ہے کہ ہفتہ کے دن (حکم الٰہی سے تجاوز نہ کرو۔“ (یہ سن کر) ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوما اور اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر تمہیں میری پیروی سے کون سی چیز روک رہی ہے؟“ انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت کا سلسلہ ہمیشہ انہی کی اولاد میں چلتا رہے۔ لہٰذا ہمیں خطرہ ہے اگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔ (ترمذی، نسائی، عن صفوان بن عسالؓ)

(وضاحت: یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ موجود تھا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا اس طرح یقین تھا جس طرح کسی کو اس کی اولاد اپنی ہونے کا یقین ہوتا ہے مگر حسد اور بغض کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔ داؤد علیہ السلام کی دعا یہودیوں کی اپنی گھڑی ہوئی بات تھی انہوں نے ایسی دعا نہیں کی تھی اس لیے کہ انہوں نے خود تورات اور زبور میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا پڑھ رکھا تھا۔)

وسوسہ کا بیان

ایک صحابیؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے دل میں ایسے خیالات پاتا ہوں کہ زبان سے ان کے اظہار کے بجائے جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے ان خیالوں کو وسوسوں تک محدود رکھا۔'' (اور انہیں یقین و عمل کا حصہ نہیں بننے دیا)۔ (ابوداؤد۔ عن ابن عباسؓ)

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

(وضاحت: تقدیر کے معنی مقدار مقرر کرنا ہے۔ اصطلاح شریعت میں افعال مخلوق (مخلوق کے اچھے یا برے کاموں) کے بارے میں مالک ارض وسما نے جو کچھ لکھا ہے وہ تقدیر کہلاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تقدیر اللہ رب العزت کا علم مستقبل ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ تقدیر کے بارے میں پائی جانے والی الجھنوں کا سبب اس کے صحیح مفہوم سے عدم واقفیت ہے۔ صحیح مفہوم سمجھ لینے کے بعد اس کی بابت کوئی اشکال باقی نہیں رہتا یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ انسان اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر کسی چیز کے بارے میں کوئی رائے قائم کر لیتا ہے اور اس کے انتہائی محدود علم کے باوجود بعض اوقات اس کی رائے اور اندازہ سو فیصد درست ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر وسیع اور نہ ختم ہونے والا ہے کہ اس کے لیے ماضی، حال اور مستقبل غائب اور حاضر، دن اور رات، روشنی اور تاریکی جیسی اصطلاحات بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے سامنے ہر چیز کھلی کتاب کی طرح ہے اس وسیع اور لامحدود علم کی بدولت مخلوق کے بارے میں اس کی لکھی ہوئی تقدیر کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اپنے اسی وسیع علم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے عمل کرنے سے پہلے ہی اس کے حساب (کھاتے) میں لکھ دیا ہے کہ یہ انسان اچھے یا برے اور کیا کیا کام کرے گا اور اس کی جزا یا سزا کیا ہو گی۔ ہادی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایک آدمی مسلسل نیک کام کرتا ہے یہاں تک کہ بالکل جنت کے قریب پہنچ جاتا ہے پھر اچانک وہی آدمی تقدیر کے مطابق برے کام کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے اسی طرح ایک آدمی برے کام کرتا ہے اور دوزخ کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے پھر وہ اچانک تقدیر کے مطابق اچھے کام کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری کتاب القدر)۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتے ہیں کہ کون کب اور کیا عمل کرے گا وہ اپنے وسیع علم کی بدولت یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ گناہ گار انسان آخر کار توبہ کر لے گا اور نیک عمل کرنے لگے گا اور اسی (اچھے عمل) پر اس کا خاتمہ ہو گا یا یہ نیکی کرنے والا بالآخر نیکی کا دامن چھوڑ کر گناہوں کی طرف راغب ہو جائے گا اور اسی برائی کی حالت میں اس کا خاتمہ ہو گا۔

تقدیر کے بارے میں یہ تاثر انتہائی گمراہ کن ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے اور وہ اپنی مرضی اور اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا حالانکہ نیکی اور برائی کی راہ اختیار کرنا انسان کا اپنا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی جبر نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک استاد امتحان سے پہلے اپنے شاگردوں کے بارے میں اندازہ لگاتا ہے کہ فلاں پاس ہو گا فلاں فیل ہو گا اور اگر استاد کا اندازہ درست ثابت ہو جائے تو یہ ہرگز نہیں کہا جا سکے گا کہ یہ استاد کے اندازے کی وجہ سے پاس یا فیل ہوئے ہیں۔ پاس یا فیل ہونا اس کے اپنے عمل کی وجہ سے ہے۔ جس طرح استاد کا اندازہ لگانا شاگردوں کو پاس یا فیل ہونے پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے بارے میں اپنے علم مستقبل کی وجہ سے تقدیر لکھنا انسانوں کو کسی کام پر ہرگز مجبور نہیں کرتا ہے۔ ☆

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 27

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

مدھم ہوتے بیک گراؤنڈ میوزک کے ساتھ اس کے کھلکھلانے کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"مسٹر زبیر پریشان ہو اُٹھے تھے کہ اتنی دھماکے دار خبر وہ بھی ہارون کے پروگرام میں۔'' وہ کھلکھلاہٹوں



کے درمیان بولی تھی۔

''وہ پریشان نہیں ہیں' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آج کون سی دھماکے دار گیسٹ میرے پروگرام میں تہلکہ مچانے آئی ہیں۔'' ہارون کے مسکراتے لہجے پر وہ مزید ہنسی تھی۔

''خرمن ہمارے لسنرز کی بہت خواہش تھی کہ ہم دونوں ایک ساتھ کوئی شو ہوسٹ کریں' مجھے اس سے زیادہ اچھا موقع نہیں مل سکتا تھا' اپنے سننے والوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے مگر کالز اور میسیجز سے اندازہ ہو رہا ہے آپ کی طویل رخصت پر سب ہی افسردہ ہیں' اب جانے سے پہلے آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا کہ واپس آ کر آپ سب سے پہلا شو جو ہوسٹ کریں گی وہ میرے ساتھ ہوگا۔'' مدھم بیک گراؤنڈ میوزک کو ہارون کی گھمبیر آواز نے دبا دیا تھا۔

''میں بالکل آپ سے یہ آن ایئر وعدہ کر رہی ہوں مجھے بھی افسوس ہے کچھ پرسنل میٹرز کی وجہ سے میرا رابطہ اپنے لسنرز سے ٹوٹ رہا ہے لیکن یہ بس کچھ وقت کے لیے ہے اپنے لسنرز اس مائیک اور ہاٹ سیٹ کو



میں بھی بہت مس کروں گی۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی تھی۔

"خزمن! سب سے پہلے تو آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے شو میں آنے کے لیے وقت نکالا' ہماری دعائیں اور نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں اور ہم سب نے آج سے ہی آپ کی دوبارہ واپسی کا انتظار شروع کر دیا ہے' باتیں بہت ہیں مگر دامن وقت تنگ ہو رہا ہے' ہمیں آپ کو الوداع کہنا پڑے گا' جاتے جاتے آپ سننے والوں سے کیا کہنا چاہیں گی؟"

"میں پہلے آپ کا شکریہ ادا کروں گی کہ اس ہاٹ سیٹ کا حق ادا کرنا میں نے آپ سے ہی سیکھا ہے' تقریباً تمام ہی لسنرز کو ایسا لگتا ہے کہ میں آپ کی طرح بولتی ہوں' میرا لب و لہجہ آپ جیسا ہے اس میں کہاں تک سچائی ہے میں نہیں جانتی مگر میرے لیے یہ فخر کا باعث ہے کہ مجھے آپ سے کمپیئر کیا جاتا ہے لسنرز سے بس میں یہی کہنا چاہوں گی کہ مجھے یاد رکھیں' ویک اینڈ شو میں میرے بارے میں پوچھ پوچھ کر عثمان کے سر میں درد کریں اور میرا انتظار کرتے رہیں۔"

"بالکل' اچھا جاتے جاتے ایک میسج کا جواب دیتی جائیں' میں نے ابھی اسے دیکھا ہے' آپ سے سوال کیا جا رہا ہے کیا آپ میرڈ ہیں اگر نہیں تو اپنے شو کا آخری سونگ کس پرسن کو ڈیڈیکیٹ کرتی ہیں؟" ہارون نے ہنستے ہوئے ہی سوال پڑھا تھا جوابا بلند ہوتے میوزک کے ساتھ خزمن کی نہ رکنے والی ہنسی بھی شروع ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ہارون نے الوداعی کلمات کے ساتھ ہی سائن آؤٹ کر دیا تھا۔

☆......☆

بیک کراؤن سے پشت لگائے نیم دراز وہ اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف تھا ایک بار پھر سیل فون کی آواز نے اسے متوجہ کیا تھا۔ ایک نظر اس نے ایک کو دیکھا تھا جو ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کے بیڈ پر ہی سو گیا تھا۔

"تم اب تک جاگ رہی ہو؟" ہارون کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

"کیا میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے؟"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"آپ نے کل بھی میری کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی اور آج بھی دو بار کال ریسیو کیے بغیر ہی ڈسکنیکٹ کر دی۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکایت کر گئی تھی۔

"سوری مجھے تمہاری کال ڈسکنیکٹ اس لیے کرنی پڑ گئی تھی کہ ایک میرے ہی روم میں تھا' وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے۔"

"کسی کے سامنے اگر مجھ سے بات کرنا آپ کے لیے اتنی ہی شرمندگی کا باعث ہے' تو آپ مجھے ایک میسج ہی بھیج دیتے میں اب بھی آپ کو کال نہیں کرتی۔" وہ بجھے لہجے میں بولی تھی۔

"اگر آپ مجھ سے ناراض ہیں تو صاف صاف اس کی وجہ کیوں نہیں بتا دیتے؟" ہارون کی خاموشی پر اسے بولنا ہی پڑا تھا۔

"منیزہ! تم مجھے اندر تک جان چکی ہو' میں چاہ کر بھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتا' ہاں یہ سچ ہے کہ عثمان کا تم سے بے تکلف ہونا مجھے اچھا نہیں لگا اور یہ بات تم بھی اس وقت سمجھ چکی تھیں۔" وہ لہجے کی ناگواری نہیں چھپا سکا تھا۔

"میں بالکل آپ کی فیلنگز کو سمجھتی ہوں مگر آپ تو عثمان کی نیچر کو جانتے ہیں وہ بالکل خزمن کی طرح ہی مجھے

ٹریٹ کرتا ہے عارش کو ایسے ہی تھوڑی اس پر اندھا اعتماد ہے۔''

''میں جانتا ہوں وہ بہت اچھا انسان ہے آئینے کی طرح شفاف ہے مگر پھر بھی تمہارے قریب اس کا موجود ہونا مجھے بُرا لگا ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ تمہارا یونیورسٹی فیلو رہا ہے مجھ سے پہلے سے تم اسے جانتی ہو مجھے کوئی حق نہیں اعتراض اُٹھانے کا' میں معذرت چاہتا ہوں اگر میری باتوں سے تمہیں ٹھیس پہنچی ہے۔'' یکدم رُک کر وہ شرمندگی سے بولا تھا۔

''آپ کو حق ہے اعتراض کرنے کا مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ اس بات پر بھی یقین رکھیں کہ میری طرف سے اب آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی اس دن عثمان نے آپ کے سامنے جان بوجھ کر کچھ بے تکلفی کا مظاہرہ کیا تھا' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ.....'' وہ بات مکمل نہیں کرسکی تھی۔

''بات مکمل کرو وہ کیا جانتا ہے؟''

''وہی جو آپ نے ابھی تک مجھے نہیں بتایا۔''

''مجھے کیا بتانا تھا؟''

''اپنے دل سے پوچھیں۔''

''مگر اپنے دل سے کیا پوچھوں؟''

''میرے خدا آپ کا تو وہ حال ہے جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔'' اس کے جھلائے لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

☆......☆

لاؤنج میں چکر لگاتی وہ بار بار وال کلاک کی سمت دیکھ رہی تھی کہ ایک سے پہلے عارش نہ آ جائے' ورنہ اس کا سارا سرپرائز دھرا کا دھرا رہ جاتا' آج عارش کا برتھ ڈے تھا' وہ تو بے خبر ہی رہتی اگر کل رات 2 بجے اچانک عثمان اسے وش کرنے نہ آتا' وہ اس وقت سو چکا تھا مگر عثمان اسے زبردستی نیند سے جگا کے باہر لے گیا تھا' رات گئے تک عارش کی واپسی ہوئی تھی تو گھر میں نیند سے بے حال اس کے انتظار میں تھی' حالانکہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ عارش کو وش کرے گی مگر گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا کہ کم از کم خرمن اب تو اس کی برتھ ڈے یاد رکھ سکتی ہے' غصے میں وہ کچھ بھی کہے بغیر منہ سر لپیٹ کر سوگئی تھی اسے پورا یقین تھا کہ عثمان نے عارش کے کان خوب اچھی طرح بھرے ہیں' ورنہ اسے معلوم تھا کہ اچانک عارش کو اس سے شکایت نہیں ہوسکتی تھی' صبح آفس کے لیے بھی گھر سے نکلتے ہوئے عارش نے اس کے موڈ کو بھانپ کر بات کرنی چاہی تھی مگر اس نے توجہ نہیں دی' نتیجتاً وہ بھی کوئی اچھے موڈ میں گھر سے نہیں نکلا تھا۔ خرمن کو کوئی افسوس نہیں تھا اسے دوست کی باتوں میں آ کر بیوی کو طعنہ دینے کی کچھ تو سزا ملنی چاہیے تھی لیکن وہ اس کا اہم دن خراب بھی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے خفیہ طور پر اس نے ایک سے رابطہ کرلیا تھا' عارش آفس سے سیدھا انسٹی ٹیوٹ چلا گیا تھا اس لیے تھوڑا بہت اہتمام کرکے وہ اسے سرپرائز دے سکتی تھی' کال بیل کی آواز کے ساتھ ہی وہ تیزی سے گیٹ تک پہنچی تھی۔

''اتنے سارے پھول یہ تو میں نے تم سے لانے کو نہیں کہا تھا۔'' کیک کا شاپر اس کے ہاتھ سے لیتی وہ مُسکرائی تھی۔

''جی آپ نے نہیں کہا تھا مگر پھولوں کے ساتھ آپ عارش کو برتھ ڈے وش کریں گی تو ان کو اچھا لگے گا۔''

اس کے سمجھانے والے انداز پر خزمن مسکراتی ہوئی لاؤنج تک آئی تھی۔
''تمہارا بہت شکریہ تم نے میرے کتنا کام آسانی سے کر کے دے دیے۔'' خزمن نے کہا تھا۔
''ایک آخری کام باقی ہے' میں اس ٹیبل پر کیک سجاؤں گا اور فلاورز بھی مجھے کینڈلز بھی چاہییں۔'' اس کی عجلت پر خزمن کینڈلز لینے کچن تک چلی گئی تھی۔
''ایک تم یہ کام کر کے مجھے آواز دے دینا میں ذرا اپنا حلیہ درست کرلوں۔'' اسے مخاطب کرتی وہ بیڈروم کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ ایبک تیزی سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا۔
پیچ کلر کے دیدہ زیب لباس میں اس کی گندمی رنگت دمک رہی تھی۔ عجلت میں وہ اپنے بالوں کو ہیر ڈرائیر سے خشک کر رہی تھی جب ایبک کی تیز آواز پر وہ بیڈ پر پڑا اسکارف جلدی سے اُٹھا کر شانے پر ڈالتی جلدی سے باہر آ گئی تھی۔
''دیکھیں اچھا لگا آپ کو؟'' ایبک نے خوش ہو کر اسے دیکھا تھا۔
''یہ تو بہت زبردست لگ رہا ہے۔'' خوشگوار حیرت سے ٹیبل کا جائزہ لیتی ہوئی وہ توصیفی لہجے میں بولی تھی۔ گلاب کی پتیوں اور فلاورز سے سجی ٹیبل کے درمیان خوبصورت سا کیک سجا تھا' جس کے اردگرد کینڈلز سجی تھیں۔
''کتنا اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے تم نے' بہت ہنرمند بندے ہو تم۔'' ساکت نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتا وہ دم بخود تھا مگر اس کی کیفیت سے بے خبر خزمن پھولوں کا جائزہ لیتی اس کی تعریف کر رہی تھی بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھتا وہ الٹے قدموں پیچھے ہوا تھا۔
''ایبک! تم کہاں جا رہے ہو۔'' خزمن نے حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔
''مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے۔'' پلٹ کر دیکھے بغیر بولتا وہ تقریباً بھاگتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تھا۔

☆......☆

اس وقت وہ کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا حیران نظروں سے ہارون اسے دیکھ رہا تھا جس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔
''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس کے زرد چہرے نے ہارون کو پریشان کیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ دنگ رہ گیا تھا' جب ایبک خشک پتے کی طرح لرزتا ہوا اس کے سینے سے لگ گیا تھا۔
''مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟ کانپ رہے ہو تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اگر کسی سے جھگڑا ہوا ہے تو بھی مجھ سے نہیں چھپاؤ'' اس کی حالت پر پریشان ہونے کے باوجود وہ اس کی پشت سہلاتے ہوئے نرم لہجے میں ہی وجہ پوچھ رہا تھا مگر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا' ایبک واقعی کچھ بولنے کی کنڈیشن میں نہیں تھا' اس کے سینے میں سر چھپائے وہ گھٹی گھٹی آواز میں روتا لرز رہا تھا۔

☆......☆

گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس نے حیرت سے خزمن کے سجے سنورے سراپے اور کھلے کھلے چہرے پر روشن مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔
''کیا آج ہمیں کہیں باہر جانا تھا؟'' حیران نظروں سے اس کا جائزہ لیتے وہ اس کی مسکراہٹ غائب کر گیا تھا۔

''کیوں کیا میں گھر میں اس طرح نہیں رہ سکتی؟'' خرمن کے تیور چڑھے تھے۔

''رہ سکتی ہو مگر رہتی نہیں ہو اس لیے حیران ہوں۔'' وہ مسکراہٹ چھپائے بولا تھا۔

''زیادہ مت بولو اب تمہیں آنکھیں بند کر کے لاؤنج تک جانا ہے۔'' بولتے بولتے خرمن نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا مگر وہ حیرانی سے اسے روک گیا تھا۔

''مگر کیوں؟''

''سوال مت کرو چپ چاپ چلو۔'' گھر کتے ہوئے خرمن نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھایا تھا۔

''کوئی فائدہ ہی نہیں مجھے سب دکھائی دے رہا ہے۔'' عارش کی اطلاع پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

پھولوں سے مہکتے لاؤنج میں ٹیبل کے قریب رُک کر خرمن نے اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تھا۔ حیران نظروں سے روشن کینڈلز کے درمیان رکھے کیک کو دیکھنے کے بعد اس نے خرمن کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تم نے یہ سب میرے لیے کیا ہے؟'' جگمگاتی نظروں سے اس نے خرمن کو دیکھا تھا۔

''اور میں یہ شکایت کر رہا تھا کہ اس دن کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے میں کتنا احمق ہوں۔''

''اب باتیں چھوڑو پہلے کیک کاٹو مجھے یہ کھانا ہے کب سے تمہارے انتظار میں صبر کر کے بیٹھی ہوں۔'' عجلت میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے ساتھ بٹھایا تھا اس کے نرم ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے کیک کاٹتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو ہی دیکھتا رہا تھا ہزاروں پھولوں کے رنگ بھی اس کے چہرے پر بکھرے رنگوں کے سامنے ماند پڑ رہے تھے۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ ہنستے ہوئے گنگنائی تھی عارش کا دل سینے میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا۔ محبت سے لبریز نگاہوں سے وہ اسے دیکھتا رہا تھا جو کینڈلز کو پھونک مار کر بجھاتی ہوئی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''ایک کینڈل تم بھی بجھادو' تمہاری برتھ ڈے ہے۔'' اس کے خشمگیں لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔ کیک اسے کھلا کر خرمن نے بقیہ پیس خود کھایا تھا' انگلی پر لگی کریم کو چاٹتے ہوئے وہ رک کر عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی اس کی حسرت بھری نظروں پر خرمن کی ابرو چڑھ گئی تھی۔

''اسی طرح بیٹھے رہنا ہلنا بھی نہیں تمہارا گفٹ لے کر آتی ہوں۔'' کڑی نظروں سے اس کے چہرے پر پھیلی خفت کو دیکھتی وہ بمشکل مسکراہٹ چھپاتی کمرے تک گئی تھی۔

نئے چمچماتے ہوئے لیپ ٹاپ کا جائزہ لیتا وہ حیران نظروں سے خرمن کے مسکراتے چہرے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''خرمن! اس کی کیا ضرورت تھی یہ کیوں لیا تم نے میرے لیے؟''

''تم ایسا لیپ ٹاپ لینا چاہتے تھے یا نہیں؟''

''ہاں لینا چاہتا تھا مگر تم نے میرے لیے اتنی بڑی رقم کیوں خرچ کر دی؟ ریڈیو سے ملنے والے سارے چیک کیا تم اسی دن کے لیے سنبھال کر رکھ رہی تھیں؟ وہ رقم تمہاری تھی۔'' عارش شدید تاسف سے بولا تھا۔

''ہمارے درمیان میرا تمہارا کب سے ہونے لگا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تم بھی مجھ سے حساب لو جو آج تک تم مجھ پر خرچ کرتے رہے ہو۔'' وہ شدید ناراضی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''میرا کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے خرمن!

''تو پھر کیا مطلب ہے؟ میں تو اُمید رکھتی تھی کہ تم اپنا من پسند لیپ ٹاپ دیکھ کر خوش ہو گے۔''
''میں خوش ہوں اور بہت زیادہ خوش ہوا ہوں تھینک یو سو مچ مائی ڈیئر وائف! مگر مجھے یہ بتاؤ کہ آخر تم نے یہ گفٹ کب خریدا میرے لیے؟''
''سب کچھ آج ہی ہوا ہے اور اس سب میں ایک نے میری مدد کی ہے' بلکہ وہ تو خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے پھول اور کیک وغیرہ سجا کر گیا ہے۔'' خرمن نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔
''تم نے اسے جانے کیوں دیا؟ میرے آنے تک روکنا تھا۔''
''میں نے روکا تھا مگر اسے اچانک کوئی کام یاد آ گیا تھا۔''
''وہ عقلمند ہے میں تو ویسے بھی اس وقت کسی تیسرے بندے کو برداشت نہیں کروں گا۔'' گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا وہ مسکرایا تھا مگر اگلے ہی پل کال بیل کی آواز نے اس کی مسکراہٹ غائب کر دی تھی۔ اس کے بگڑے تاثرات پر خرمن کھلکھلاتی ہوئی اٹھ رہی تھی' جب عارش نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔
''کس کس کو دعوت دی ہے تم نے؟'' وہ جھلایا تھا۔
''منیزہ اور بیلا کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟''
''مگر کیوں؟'' وہ زچ ہوا تھا۔
''گفٹ لے کر آئی ہیں تمہارے لیے' برتھ ڈے کا کیک نہیں کھلاؤ گے انہیں۔ چپ کر کے بیٹھو۔'' اسے گھرکتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکل گئی۔

☆......☆

انسٹی ٹیوٹ پہنچتے ہی عثمان نے جو اسے اطلاع دی تھی وہ اس کے لیے قطعی غیر متوقع اور دنگ کر دینے والی تھی۔
''ہمارے گھروں کے سب سے زیادہ قریب گھر اسد کا ہی ہے' اس نے آج ہی مجھے یہ کال کر کے بتایا ہے کہ کوئی شخص احمد انکل کے بارے میں معلوم کرتا میرے گھر تک پہنچا تھا اور یہ کل رات کی ہی بات ہے اسد نے اسے کچھ زیادہ بتانے سے گریز کیا تھا' اس شخص کے حلیے کے بارے میں اسد نے مجھے جو کچھ بتایا مجھے تو یہی لگتا ہے کہ وہ سو فیصد ہارون ہی تھے۔''
''میرے پاس اسد کا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے تم ابھی میری اس سے میری بات کروا سکتے ہو؟'' عارش نے کہا تھا۔
''ہاں تم اپنی تسلی کے لیے خود تفصیل سے بات کرو۔'' عثمان نے فوراً ہی سیل فون نکالا تھا۔

☆......☆

''کیا واقعی یہ معجزہ رونما ہو رہا ہے کیا اتنا وقت گزرنے کے بعد زندگی کے تنگ راستے کشادہ ہو سکتے ہیں جو کچھ کھو چکا ہے کیا اب سود سمیت واپس مل سکتا تھا' میں مایوس نہیں تھا مگر میری دعاؤں میں اتنی تاثیر نہیں ہو سکتی تھی اگر یہ سچ ہے تو میں اسے سنبھال نہیں پاؤں گا ہارون! یہ بالکل میرے لیے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے جیسا ہے۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے جو مجھے کوئی خواب سے بیدار کر دے۔ میرا دل اس سچ کو قبول نہیں کر پائے گا۔'' زلزلوں کی زد میں اسے دیکھ رہے تھے جو دو زانوں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔
''آپ کو اس کے سچ ہونے کی دعا پھر بھی کرنی ہوگی۔ میں اب اس اُمید کو گم نہیں ہونے دے سکتا۔ ورنہ میں اپنے آپ کو کھو دوں گا۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ یہی حقیقت ہو میرا صبر ختم ہو رہا ہے میں اب مزید آپ

کو یا ماما کو روز مرتے روز جیتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں وہ سب آپ کو لوٹانا چاہتا ہوں جسے میں نے چھینا تھا مجھے نجات چاہیے۔ آپ اللہ سے دعا کریں۔'' لرزتے لہجے میں شدید کرب سے بولتا وہ سران کے گھٹنوں پر رکھ چکا تھا اس کے آنسوؤں کی نمی وہ محسوس کر سکتے تھے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ کچھ کہنے کی کوشش بھی نہیں کر سکے تھے لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا سرخ ہوتی آنکھوں سے انہوں نے کچھ فاصلے پر سوئے ہوئے ایبک کے انتہائی زرد اور کمزور ہو جانے والے چہرے کو دیکھا تھا اس نے بہت گہرا اثر لیا تھا۔ وہ بہت خاموش تھا مگر ہشام قزلباش جانتے تھے جو آتش فشاں ان کے دل میں اُبل رہا ہے وہی ایبک اور ہارون کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں۔ رہ گئیں صبیحہ تو ان کو ابھی بے خبر ہی رہنا تھا۔ فی الحال بے خبر رہنا ہی ان کے حق میں بہتر تھا۔

☆......☆

''میرے بڑے ماموں اب پہلے سے بہتر ہیں وہ مجھ سے اور خرمن سے ملنے کے لیے بہت زیادہ بے چین ہیں۔'' صبیحہ کو وہ بتا رہا تھا۔

''ان کے لیے فی الحال یہاں آنا ناممکن ہے اس لیے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ خرمن کے ساتھ میں وہاں چلا جاؤں خرمن اس لیے بھی وہاں جانے کے لیے بے چین ہے کہ وہ وہاں ماموں جان اور مامی سے ملنے کی ان سے دور رہتے ہوئے اسے کئی دن گزر چکے ہیں ان دونوں کے بغیر وہ کبھی اتنا عرصہ نہیں رہی ہے۔''

''عارش! یقیناً خرمن اپنے ماں باپ سے ملنے کے پاس جانے کے لیے بے چین ہو گی مگر میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم اسے ساتھ مت لے جاؤ۔'' صبیحہ کچھ ایسی تشویش سے بولی تھیں کہ وہ حیران نظروں سے ان کو دیکھتا اُلجھا بھی تھا۔

''ابھی فی الحال تم چلے جاؤ' خرمن کو تم بعد میں بھی لے جا سکتے ہو ابھی اس کے لیے اتنا طویل سفر کرنا نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔'' ان کے سمجھانے والے انداز پر وہ کچھ چونکتے ہوئے ان سے نظر بھی نہیں ملا سکا تھا۔

''خرمن کے ماں باپ اسے اپنے پاس بلا رہے ہیں؟'' اسے سوچتا دیکھ کر وہ پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں ان کو معلوم بھی نہیں ہے کہ میں اور خرمن وہاں جانے کا پروگرام بنا چکے ہیں ہم اچانک جا کر ان سب کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔''

''تو پھر بھول جاؤ اس سرپرائز کو ورنہ چاہو تو خرمن کی ماں سے پہلے اجازت لو اور مجھے معلوم ہے کہ وہ نہیں چاہیں گی کہ ایسے وقت میں خرمن سفر کی صعوبتیں اُٹھائے۔'' ان کے ناراض لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''تمہیں اپنے ماموں کے پاس یقیناً جلد از جلد جانا چاہیے ان کی صحت پر اور اچھا اثر پڑے گا یہاں تم خرمن کی فکر مت کرنا تم اس کے لیے مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔''

''آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی آپ میرے لیے بالکل مامی کی طرح ہیں۔'' وہ شرمندہ ہوا تھا۔

''پھر خاموش کیوں ہو میں تمہیں مجبور نہیں کر رہی تمہیں جیسا ٹھیک لگتا ہے ویسا ہی کرو تم دونوں سمجھدار ہو بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔''

''میرا خیال ہے خرمن سے زیادہ میں ناسمجھ ہوں ورنہ یہ رسک لینے کا نہ سوچتا۔'' وہ شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''دراصل میں اب خزمن کے لیے فکر مند ہوں وہ جانے کے لیے بہت زیادہ پُر جوش ہے تیاریوں میں مصروف ہے۔ اب اگر میں اسے ساتھ نہ لے جانے کی بات کروں گا تو وہ یقیناً بہت ناراض ہونے والی ہے۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں گا؟'' اس کے پریشان انداز پر صبیحہ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل مسکرائی تھیں۔

''پہلے مجھے یہ سمجھاؤ کہ تم اسے منع کرنے سے ڈر رہے ہو یا اس کی ناراضی کا خیال تمہیں خوف میں مبتلا کر رہا ہے؟''

''آپ کی دونوں ہی باتیں درست ہیں اور اس کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی شرم بھی محسوس نہیں ہو رہی میں پناہ مانگتا ہوں اس کی ناراضی سے۔'' اس کے فوراً ہی کہنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھیں۔

''میرے اچانک روکنے پر اور اور تنہا جانے کے فیصلے پر کچھ بعید نہیں کہ جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔''

''نہیں مجھے تم سے یہ بالکل اُمید نہیں کہ تم کبھی خزمن سے جھگڑے بھی کر سکتے ہو گے۔'' صبیحہ حیرت سے بولیں تھیں۔

''میں آپ کو اتنا معصوم لگتا ہوں؟'' اس کے سوال پر وہ مسکرائی تھیں۔

''ویسے عموماً ابتداء خزمن کی طرف سے ہی ہوتی ہے میں تو بس جھگڑے کو انجام تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔

''ٹھیک ہے تم خزمن سے کچھ مت کہنا میں آج ہی اسے فون کروں گی' مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات سمجھ جائے گی اور تم سے جھگڑے کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں جبکہ عارش رُک کر ایبک کی طرف متوجہ ہوا تھا جو اسی جانب آ رہا تھا۔

''تم دونوں بیٹھو میں ذرا چائے وغیرہ کا انتظام کرواؤں' تم آفس سے سیدھے یہیں آئے ہو ایسے ہی نہیں جانے دوں گی تمہیں۔'' تاکید کرنے والے انداز میں وہ بولتیں کرسی سے اٹھ گئیں تھیں۔

''میں تمہارے ہی جاگنے کا انتظار کر رہا تھا کل رات میں ہارون سے معلوم ہوا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے ورنہ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ تم کرکٹ میں مصروف ہو اس لیے میری کال ریسیو نہیں کر رہے۔'' بغور ایبک کے اترے چہرے کو دیکھ کر وہ بول رہا تھا۔

''بہت بُری بات ہے تمہاری طبیعت جانے کب سے خراب ہے اور مجھے معلوم تک نہیں تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟'' عارش کے سوال پر وہ سر جھکائے بیٹھا تھا نظر اٹھا کے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ اکیلے آئے ہیں؟'' اس کے مدھم کمزور لہجے میں کچھ تھا جس نے عارش کو چونکا دیا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ہارون کی تیز آواز پر ایبک اٹھ کر گیٹ کی سمت بڑھ گیا تھا اپنی طرف آتے ہارون اور ہشام قزلباش کے تاثرات کو بغور دیکھتا وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا' آج یہاں آنے کی وجہ صرف ایبک نہیں تھا' کل رات فون پر اسے ہارون نے کہا تھا کہ وہ کچھ ضروری بات کرنا چاہتے ہیں جو گھر میں نہیں کی جا سکتی عارش کو حیرت نہیں تھی البتہ اس وقت کا انتظار ضرور تھا۔

''عارش تمہیں یاد ہے میں نے فون پر تم سے کیا کہا تھا؟'' قریب آتے ہی ہارون بولا تھا۔

''مجھے یاد ہے مگر ایسی کونسی بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' عارش نے سوال کرتے ہوئے ہشام قزلباش کے بڑھتے ہوئے اضطرابی تاثرات کو دیکھا تھا۔

''تم سب جانتے ہو عارش سب جاننے کی کوشش بھی کرتے رہے ہو مگر اب مجھے جاننا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ میرا زندہ رہنا مشکل ہو رہا ہے۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بہت مضطرب اور گھٹے گھٹے تکلیف دہ لہجے میں بولے تھے۔

''آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے تو یقین رکھیں کہ حقیقت وہی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ ہارون! اگر ماموں جان کے گھر تک نہ جاتے تو شاید کچھ وقت اور لگتا مگر عیاں تو سب کچھ ہونا ہی تھا کیونکہ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے کب' کہاں اور کیسے؟ یہ سوال بے معنی ہیں۔'' سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس نے ہارون کو بھی دیکھا تھا جو ساکت نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اپنے آپ کو سنبھالیں۔'' عارش نے تشویش زدہ نظروں سے ہشام قزلباش کو دیکھا تھا جو بے جان ہوتے وجود کے ساتھ کرسی پر ڈھے سے گئے تھے ان کے چہرے پر زندگی کے آثار معدوم ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

''ایک! رکو۔'' عارش نے اسے روکنا چاہا تھا جو تقریباً دوڑتا ہوا وہاں سے جا رہا تھا۔

''اسے جانے دو۔'' ہارون کی آواز اسے کسی کھائی سے ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

☆......☆

اس وقت وہ احمد حسین کے کمرے میں موجود تھا کچھ تلاش بسیار کے بعد امید کے عین مطابق اسے وہ مطلوبہ چیزیں حاصل ہو گئیں تھیں جو کمرے کی واحد الماری سے اس نے برآمد کی تھیں۔ ایک فائل جس میں کچھ قانونی کارروائیوں کے کاغذات تھے اور ان کے ساتھ ہی انچ ایک نومولود بچے کی تصویر...... بغور ان کاغذات کا مطالعہ کرتے ہوئے جب وہ تصویر اس کے سامنے آئی تو اس میں کچھ اچنبھے کی بات نہ رہی تھی کہ اس تصویر پر جیسا چہرہ چند گھنٹوں قبل ہشام قزلباش کے والٹ میں موجود ایک تصویر میں دیکھا تھا' فائل کے ساتھ ہی اسے بہت حفاظت سے ایک بیگ میں رکھے وہ کپڑے بھی مل گئے تھے جو کسی نومولود بچے کے تھے۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس نے فریم میں قید اس تصویر کو اٹھایا تھا جس میں احمد حسین اور فاطمہ کے درمیان خرمن کا مسکراتا چہرہ بھی موجود تھا۔

''میرے دل کو یقین ہے کہ وہ گناہ کا سایہ نہیں ایک آسمانی تحفہ ہے جسے قدرت مجھ سے اب تم تک منتقل کر رہی ہے۔ کیونکہ میرے بعد اب تم ہی اس کے اہل ہو' اس کی ذات کو لے کر جس دن تمہارے اندر شکوک وشبہات بیدار ہوئے اس دن یہ سمجھ لینا کہ تم اس مقدس تحفے کے حقدار نہیں رہے ہو۔'' اسے یاد آ رہا تھا نکاح سے چند دن پہلے احمد حسین نے اس سے یہ سب کہا تھا۔ گہری سانس لے کر اس نے تصویر واپس اس جگہ پر رکھ دی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ احمد حسین کے دیے گئے اس تحفے کا حقدار اس سے زیادہ کوئی نہیں ہے اور اب وہ اس کا حق بھی ادا کرنے جا رہا تھا۔ اس سچ سے ابھی احمد حسین بھی ناواقف تھے' کسی عجلت کا مظاہرہ وہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ اس دن کا انتظار کر رہا تھا جب ان کے روبرو ہو کر اسے اس ناقابل یقین حقیقت کو ان کے گوش گزار کرنا تھا اور اس سے پہلے وہ خرمن کو کسی چیز کی بھنک بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا یہ تاکید اسے ہارون اور ہشام قزلباش کو بھی کرنی تھی حالانکہ ان باپ بیٹوں کے لیے اب اس سب کے بعد بھی خاموشی اختیار کرنے کی تاکید کسی ظلم سے کم نہیں تھی مگر عارش مجبور تھا ان کے صبر کا کڑا امتحان لینے کے لیے۔ احمد حسین

اور فاطمہ کی آمد سے پہلے وہ حقیقت کو خزمن تک پہنچنے نہیں دے سکتا تھا۔ کال بیل کی آواز پر اس نے ریسٹ واچ میں وقت دیکھا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ہارون اور ہشام قزلباش آگئے ہیں۔ ان سے پوچھنے کے لیے بہت سے سوال تھے یا وہ جو اس کے کہ منیزہ بہت اچھی طرح اس کو ہر پہلو سے آگاہ کر چکی تھی منیزہ کی طرح وہ شاکڈ نہیں تھا اب کوئی چیز اسے شاکڈ نہیں کر سکتی تھی' ہشام قزلباش کے یقین کو اور مستحکم کرنے کے لیے احمد حسین کے گھر سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے وہ خزمن کی بے خبری میں گھر کی چابیاں لے کر یہاں آن پہنچا تھا۔

☆......☆

فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ بہت خوش تھی مگر عثمان کو اس کی ایکسائٹمنٹ مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"اتنا خوش جب ہونا جب میں BMW خریدوں گا یہ چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ چیز بھی میں نے صرف عارش کے فورس کرنے پر خریدی ہے۔"

"تم کتنے ناشکرے ہو مان! میرے لیے تمہاری خریدی ہوئی کوئی چیز معمولی یا چھوٹی نہیں ہو سکتی بہت اچھا کیا عارش نے اتنی بڑی کمپنیز کا براینڈ ایمبیسیڈر پرانی بائیک پر گھومتا اچھا نہیں لگتا۔" وہ خفگی سے بولی تھی۔

"مگر مجھے اس پرانے سفید ہاتھی کو بھی پالنے کی ضرورت نہیں تھی' مجھے ہر بار پک اینڈ ڈراپ کی سہولت مل جاتی ہے۔"

"مگر وہ تمہیں انسٹی ٹیوٹ اور ریڈیو اسٹیشن کے لیے تو نہیں ملتی' کمپنی تو صرف اپنے مطلب کے لیے تمہارے گھر تک زیرو میٹر کار بھیجتی ہے۔" وہ فوراً بولی تھی۔

"عارش ٹھیک ہی تو کہتا ہے تمہیں اب اپنے امیج اور سیکیورٹی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"سیکیورٹی تک تو ٹھیک ہے مگر امیج تو میرا اب بھی خطرے میں ہے کیونکہ تم جو میرے ساتھ ہو۔" مسکراہٹ چھپائے وہ بولا تھا۔

"تو کیوں مجھے ساتھ لے کر نکلے ہو' بٹھاتا تھا ان چھچھاتی ماڈلز کو جو تمہاری واقف کار ہو چکی ہیں مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔" پیلا کا بھڑکنا لازمی تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو' تمہیں کوئی افسوس نہیں ہوگا؟" حیرانی سے ہنستے ہوئے عثمان نے اور جلانا چاہا تھا جو ناگواری کے ساتھ باہر بھاگتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ ہاسپٹل سے واپس آتے ہوئے عثمان نے ایک بینک کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔

"مجھے زیادہ وقت نہیں لگے گا ابھی آتا ہوں۔" اسے مخاطب کرتا وہ تیز قدموں سے بینک کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ بینک کی بیرونی دیوار کے پاس بیٹھی بوڑھی فقیر عورت کو دیکھا تھا دوپہر کا وقت تھا اس وقت کوئی راہ گیر بھی ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا جو اس بوڑھی عورت کے کشکول میں چند سکے ڈال دیتا اپنے بیگ سے روپے نکال کر وہ فرنٹ سے اتری ہی تھی جب اس کے قدم زمین میں جکڑے تھے سامنے ہی ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے فاروق مکمل اس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ اپنے سارے ارادے بھول گئی تھی۔ دائیں طرف چہرہ پھیرے وہ ساکت تھی مگر ان کی جھلستی نظریں وہ اپنے چہرے پر چبھتی ہوئی محسوس کر سکتی تھی جو اس کے سامنے آرکے تھے وہ ان کی جانب متوجہ نہیں تھی مگر ان کی آنکھیں اسے اپنے چاروں طرف گھومتی دکھائی دے رہی تھیں۔ شعلے پھینکتی' انگارے لٹاتی وہ آنکھیں آہستہ آہستہ اس کی روح تک کو جلا کر بھسم

کر رہی تھیں۔ غضب ناک نظروں سے اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے فاروق کی رگوں میں لہو کی جگہ آگ دوڑنے لگی تھی یہ چند لمحے بیلا کے لیے قیامت بن گئے تھے اس کے وجود سے جیسے روح نکل گئی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کی نظروں سے دور بھاگ جاتی' وہ جیسے اسے پتھر کا مجسمہ بنا گئے تھے۔ فاروق کے عقب میں رکے عثمان کی نظریں بیلا پر تھیں جو مزید ان کی آنکھوں کی تاب نہ لاسکی تھی سرعت سے بیلا تک پہنچ کر عثمان نے اسے گرنے سے روکا تھا۔

''آپ اس طرح اسے ہراساں نہیں کر سکتے۔'' بیلا کی حالت نے اس کا ضبط ختم کیا تھا۔ جو وہ بھڑک کر فاروق پر برسا تھا اس کے حملے نے فاروق کے چہرے پر سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی پھیلائی تھی لب بھینچے سلگتی نظروں سے وہ بس اسے دیکھ رہے تھے جو نڈھال ہو چکی تھی۔ بیلا کو تقریباً فرنٹ سیٹ پر دھکیلنے کے بعد دھماکے سے ڈور بند کرتا جارحانہ انداز میں ہی ڈرائیونگ سیٹ تک پہنچا تھا۔

سر جھکائے وہ بمشکل اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ عثمان کی خطرناک رش ڈرائیونگ سے اس کے تیوروں کا اندازہ ہو رہا تھا' وہ اسے مخاطب نہیں کر پا رہی تھی مگر دل جیسے حلق میں آرہا تھا۔

''بند کرو یہ ڈرامہ بازی تنگ آچکا ہوں میں۔'' بالآخر وہ اس پر دھاڑا تھا جو گنگ تھی۔ اسے اپارٹمنٹ کے مین گیٹ پر ڈراپ کر کے وہ خطرناک خاموشی کے ساتھ ہی انسٹی ٹیوٹ روانہ ہو گیا تھا۔

☆......☆

''میں اپنی خوشی لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہی' میں آپ کے لیے آپ کے ماں باپ کے لیے جتنا خوش ہوں اس سے بہت زیادہ خوش خرمن کے لیے ہوں۔ اب تو آپ کو بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ دنیا صرف آپ کے لیے ہی نہیں اس کے لیے بھی عقوبت خانہ بن گئی تھی۔ اسے کیسی کیسی نظروں کا اور کیسے اذیت ناک لمحوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا' یہ وہ جانتی ہے مگر اب تو میں اللہ کی بہت شکر گزار ہوں وہ اپنی جڑوں کو اپنے اصل کو پانے جا رہی ہے۔ عارش نے اگر مجھ سے خاموش رہنے کا وعدہ نہ لیا ہوتا تو میں یہی چاہتی کہ خرمن کو اس کی زندگی کی انمول خوشی میری زبانی معلوم ہو۔'' اپنی مخصوص ٹیبل تک پہنچتے پہنچتے بھی وہ مستقل اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی اس کا چہرہ اندرونی جذبوں اور خوشی سے جگمگا رہا تھا اپنی خوشی میں وہ بالکل بھی ہارون کی گہری خاموشی کو محسوس نہیں کر سکی تھی۔

''مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آیا کہ براہ راست عارش سے کوئی بات کرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا؟'' منیزہ کو اچانک یاد آیا تھا۔

''کیونکہ تمہارا کام ختم ہو چکا تھا۔'' اس کے سرد لہجے نے منیزہ کو چونکا دیا تھا۔

''کیسا کام؟'' الجھی نظروں سے اس نے ہارون کے تاثرات دیکھے تھے۔

''وہی کام جو عارش نے تمہیں سپرد کیا تھا اور جسے تم نے بخوبی مکمل کیا ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' دنگ نظروں سے منیزہ نے اس کی آنکھوں سے چھلکتی اجنبیت کو دیکھا تھا۔

''منیزہ! میرے سامنے انجان نہ بنو کیا یہ سچ نہیں ہے عارش کے کہنے پر تم میرے قریب آئیں میرے دل کے میرے ماضی کے ہر ورق کو پڑھنے کے لیے تم میری ہمدرد بن گئیں تاکہ عارش کی الجھن سلجھ جائے مجھ تک پہنچنے کے لیے اسے تمہاری ضرورت تھی اور تم نے چہرے پر نقاب چڑھا کر بہت ایمانداری کے ساتھ اس کی ضرورت کو پورا کیا ہے۔''

''ہارون! یہ سچ ہے لیکن پورا سچ نہیں ہے۔'' منیزہ کا دل لرز اٹھا تھا۔

''میری آنکھوں سے پردہ ہٹانے کے لیے اتنا ہی سچ کافی تھا۔ میرے پاس جس مقصد کو لے کر تم آئیں تھیں وہ پورا ہو چکا ہے اب تمہیں مجھ پر اپنا وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''صرف یہی مقصد نہیں تھا ضرورت اور محبت میں اگر آپ فرق نہیں سمجھ پا رہے تو سمجھنے کی کوشش تو کیجیے میں تو خوشی میں سرشار تھی کہ میں وہ راستہ بن رہی ہوں جو آپ کو آپ کی اس خوشی تک پہنچائے گا جسے آپ کے خاندان نے کھو دیا تھا' جسے کھو کر آپ نے خود کو بھی گم کر دیا تھا میں تو آپ کے چہرے پر وہ مسکراہٹ اور وہ خوشی دیکھنے آئی تھی جس میں کچھ حصہ میرا بھی تھا۔'' لرزتے لہجے میں بولتے منیزہ کی آنکھیں دھواں ہونے لگی تھیں۔

''کیوں نہیں تمہیں تمہارے حصے کا کریڈٹ دینے کے لیے تو میں نے آج تمہارا قیمتی وقت مانگا ہے۔'' ہارون کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

''میرے دل میں جھانکنے کا میرے اور میرے خاندان پر احسان کرنے کا شکریہ میں ساری زندگی ادا کرتا رہوں گا۔ آج بھی پوری سچائی اور ایمانداری سے میں تمہارا احسان مند اور شکر گزار ہوں مگر اب کسی بھٹکے ہوئے کو اس کی منزل کا راستہ بتاتے ہوئے اس کی آنگن میں محبت نام کی دھول مت ڈالنا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بھنچے لہجے میں وہ بولا یکدم اٹھا تھا ساکت نظروں سے وہ اسے دور جاتا دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆

بہت خاموشی کے ساتھ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی جو مستقل tv کی طرف متوجہ تھا اس کے بے تاثر چہرے اور لاتعلقی نے ہیلا کو شدید قسم کے پچھتاوے میں گھیرا تھا۔

''تم اب تک مجھ سے ناراض ہو؟'' اس کے مدھم لہجے پر عثمان نے اسے دیکھا تھا۔

''میں ان کے سامنے ٹھہرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا تھا۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی تھی۔

''مجھے یہ سب مت بتاؤ۔'' عثمان کا لہجہ ترش تھا۔

''جس انسان سے تم نفرت کے دعوے کرتی ہو آج اس کے سامنے تم سب کچھ بھول گئیں۔ یہاں تک کہ مجھے بھی' مجھے نہیں سمجھ آتا کہ تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے راضی رہو مگر آج میں نے کمزوری کا مظاہرہ کر کے تمہیں مایوس کر دیا۔'' ہیلا کے لہجے میں نمی گھل گئی تھی۔

''میں تم سے مایوس نہیں مگر تم کیا آگے بھی اسی طرح کمزوری کا مظاہرہ کرو گی؟ نہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر جا رہے ہیں اور نہ ہی ہم۔ کیا ہر بار ایسا ہی ہو گا؟'' عثمان کے نرم لہجے پر وہ چند لمحوں کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔

''آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا جس انسان سے میرا کوئی تعلق ہی نہیں اسے اب میں خود پر حاوی نہیں ہونے دوں گی۔'' اس کے قطعی لہجے پر عثمان نے جانچتی نظروں سے اس کے تاثرات کو دیکھا تھا تب ہی ڈور بیل نے خاموشی کو توڑا تھا۔

''مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔'' نرمی سے اس کے گال کو تھپتھپاتا ہوا وہ اٹھ گیا تھا۔ TV آف کرتی وہ خرم کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ نیٹ کے سیاہ جھلملاتے اسکارف میں اس کا چہرہ بہت فریش لگ رہا تھا۔

”ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ بیلا کی تعریف پر وہ بے ساختہ ہنستی ہوئی اس کے گلے لگی تھی۔

”کیسی ہو تم میرے دوست کا لہو پی کر؟“ عثمان کا مضحکہ خیز سوال اس کی ہنسی غائب کر گیا تھا۔

”تم نے سنا یہ کیا بک رہا ہے؟“ تیز لہجے میں وہ عارش سے مخاطب تھی جو مسکراتے ہوئے صوفے پر براجمان ہو گیا تھا۔

”جب جب تمہیں عارش کے ساتھ دیکھ کر میرے زخم تازہ ہوں گے میں ایسے ہی بک بک کروں گا۔“ عارش کے قریب ہی صوفے پر بیٹھتا وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

”عارش! آج پھر اسے دورہ اٹھ گیا ہے۔ تم ذرا ضبط سے کام لے کر اپنی غیرت کو جوش میں مت لانا۔“ بیلا نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”کب جاؤ گے تم سرگودھا؟ جب سے آئے ہو میرے اور استانی کے درمیان جم کر رہ گئے ہو۔“ عثمان نے کینہ توز نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

”چلا جاؤں گا یار دو دن اور صبر کر لو۔“ عارش نے تسلی دی تھی۔

”اب کیا فائدہ تمہارے جانے کا اب تو میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا۔“ عثمان کی دہائی پر خرمن اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

”عارش! تم اس انسان کے بھروسے پر مجھے چھوڑ کر جاؤ گے؟“ وہ ہنسی کے درمیان بولی تھی۔

”فکر مت کرو اپنی آنکھوں میں سمیٹ چھوڑ کر جاؤں گا۔“ عارش نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”عارش! تم خرمن کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ میں اس کے ساتھ ہوں۔“ بیلا نے کہا تھا۔

”بیلا تم کتنی اچھی ہو اب اسی بات پر تم فٹافٹ کافی لے آؤ۔“

”تمہیں تو اس بے چاری کو دیکھتے ہی کافی یاد آ جاتی ہے۔“ خرمن نے ناگواری سے عارش کو ٹوک دیا تھا۔

”اور تمہیں دیکھ کر اسے خدا کی یاد آ جاتی ہے۔“ عثمان نے شرارتی لہجے میں اسے چھیڑا تھا۔

”ابھی بتاؤں تمہیں۔“ خرمن کی کھا جانے والی نظروں پر وہ ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔ جبکہ بیلا خرمن کا ہاتھ پکڑے کچن کی سمت کھینچ لے گئی تھی۔

”تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیے خرمن سے مزید سچ چھپانا ٹھیک نہیں۔“ عثمان سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

”تم جانتے ہو کہ حالات بالکل بدلنے والے ہیں اور خرمن کو صرف ماموں جان سنبھال سکتے ہیں، وہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے قبول نہیں کر سکے گی۔ میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، مجھے ہارون کی طرف بھی سب کی فکر ہے مگر میں ابھی سب کچھ روکے رکھنے پر مجبور ہوں اور پھر بس چند دنوں کی تو بات ہے۔“ عارش نے کہا تھا۔

”تم احمد انکل کو ساتھ لے کر آؤ گے؟“ عثمان نے پوچھا تھا۔

”ابھی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اس نازک معاملے پر خرمن سے صرف وہی بات کر سکتے ہیں، حالانکہ اس حقیقت کو وہ بھی فوری طور پر قبول نہیں کر پائیں گے۔“ عارش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔



گلاس ونڈو سے شانہ ٹکائے وہ ٹیرس پر پھیلی چاند کی تیز روشنی میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اپنی قربت کا احساس دلانے کے لیے عقب سے اس کے شانوں کو تھامتا وہ اس کی گردن پر جھک گیا تھا۔ اچانک نرم

گرم لمس پر چونک کر ہلکی سی جھرجھری لیتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"میں نے تمہارا سوٹ کیس تیار کر دیا ہے چیک کر لینا کوئی چیز رہ نہ گئی ہو۔" اس کے گریبان کا بٹن چٹکی میں پکڑتی وہ بولی تھی۔
"کتنی جلدی ہے مجھے یہاں سے نکال دینے کی۔" اس کے شکایتی لہجے پر وہ مسکرائی تھی۔
"جیسے تم تو جانے کے لیے بالکل تیار نہیں میں زبردستی تمہیں بھیج رہی ہوں۔"
"مگر روکنے کی کوشش بھی تو نہیں کر رہی ہو۔" وہ فوراً بولا تھا۔
"مگر تم کیوں روکو گی مجھے اب تمہیں مجھ سے ایسی کوئی محبت تو ہے نہیں کہ تم میرے بغیر رہ نہ سکو۔" پتہ نہیں اس کے لہجے میں طنز تھا یا نہیں مگر خرمن ناگواری کے باوجود بمشکل کوئی سخت بات کہنے سے خود کو روک سکی تھی کل صبح وہ جا رہا تھا اس لیے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔
"خاموش کیوں ہو گئیں؟ بہت برا ہوں میں تمہیں ناراض کر دیتا ہوں۔" اس کی پشت کے گرد بازو حائل کرتا وہ اسے قریب کر گیا تھا۔
"اتنا آسان ہے میرے بغیر رہنا کہ ایک بار بھی مجھے جانے سے نہیں روک رہیں؟" اس کا گھمبیر لہجہ چہرے کو دہکا گیا تھا۔
"میں چاہتے ہوئے بھی تمہیں جانے سے نہیں روکنا چاہتی اس شہر سے تمہارے ماں باپ کی یادیں وابستہ ہیں اس زمین سے تمہاری جذباتی وابستگی ہے۔ وہاں کچھ رشتے ہیں جو تمہارے اپنے ہیں پتہ نہیں یہ مصروف زندگی تمہیں دوبارہ موقع دے یا نہیں اس لیے تمہیں جانا چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔
"مگر میں تمہارے ساتھ جانا چاہتا تھا۔" وہ بولا تھا۔
"صبیحہ آنٹی سے بات کرنے کے بعد مجھے بھی یہی بہتر لگا کہ میرا نہ جانا ہی ٹھیک ہے۔ مگر دوبارہ تم مجھے لازمی ساتھ لے جانا' کیونکہ یہ میری خواہش ہے میں بھی اس شہر سے باہر نہیں گئی۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔
"ہاں یہ دوسری وجہ ہے جس کی وجہ سے میں تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا اگر ایسا ہوتا تو میں اس ایک ہفتے کو ہمارے ہنی مون ٹرپ میں چینج کر دیتا۔" اس کے مسکراتے لہجے پر وہ جھینپ کر دھیرے سے ہنسی تھی۔
"پہلی وجہ کیا تھی مجھے ساتھ لے جانے کی؟" وہ پوچھ رہی تھی۔
"تم جانتی ہو۔" اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے وہ اس کی ابرو کے اوپر ماہ نیم پر جھکا تھا۔
"تمہارے بغیر میرا وہاں رہنا مشکل ہو گا تم میرے سر پر سوار رہو گی مجھے اپنا چین سکون بھی یہاں چھوڑ کر جانا ہو گا۔" اس کے بے بس انداز پر بے ساختہ ہنستے ہوئے خرمن نے اس کے گریبان سے چہرہ نکالا تھا۔
"کوئی بات نہیں صرف ایک ہفتے کی تو بات ہے۔ تم واپس میرے پاس ہی آؤ گے۔" وہ تسلی دے رہی تھی۔
"تم مجھے یاد کرو گی؟"
"بالکل بھی نہیں۔" وہ بولی تھی مگر اگلے ہی پل دنگ ہوئی تھی جب شدید ناراضی سے وہ اسے الگ کرتا پیچھے ہوا تھا۔
"میں ہر وقت تمہیں یاد رکھوں گی تو یاد کرنے والی بات نہ کرو ناراض کیوں ہو رہے ہو مطلب تو پہلے سمجھو۔"

وہ اس کے بگڑتے تاثرات پرہنستے ہوئے اس کے قریب ہوئی تھی۔

☆......☆

تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا وہ باہر نکل جاتا اگر اپنے نام کی پکار اسے سنائی نہ دیتی' نپے تلے قدم اٹھاتا وہ لاؤنج کی طرف آیا تھا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے رات کے وقت باہر کہاں جارہے ہو؟'' صبیحہ بولی تھیں جبکہ اس نے ایک نظر ہارون پر ڈال کر ہشام قزلباش کو دیکھا تھا۔

''میں عارش کے گھر جارہا ہوں۔'' اس کے اکھڑے لہجے سے زیادہ اس کی اطلاع نے صبیحہ کو حیران کیا تھا۔

''عارش کل صبح ہی تو تم سے مل کر گیا ہے' تم جانتے ہو کہ وہ ایک ہفتے کے لیے شہر سے باہر گیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ اسی اکھڑے لہجے میں بولا تھا۔

''جب معلوم ہے تو کیوں جارہے ہو' عارش گھر میں نہیں ہے اس کی غیر موجودگی میں تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے تم نا سمجھ بچے نہیں ہو جو ہر بات سمجھائی پڑے۔'' صبیحہ کے ناراض لہجے پر ایک نے بگڑے تیوروں کے ساتھ باپ اور بھائی کے سنجیدہ چہروں کو دیکھا تھا۔

''ان پابندیوں میں دم گھٹتا ہے میرا۔'' وہ یکدم غصے میں چیخا تھا۔

''ایک! جاؤ اپنے کمرے میں۔'' ہشام قزلباش کے سخت قطعی لہجے پر وہ سرخ چہرے کے ساتھ واپس اسٹیئرز کی سمت جارحانہ قدموں سے گیا تھا۔

''پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اسے جب سے بیمار ہوا ہے بات بات پر بگڑنے لگا ہے۔'' صبیحہ یکدم فکر مند ہوئیں اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

''آپ اس کے پاس مت جائیں میں ابھی جا کر اسے سمجھاتا ہوں۔ ہارون نے ان کو روکا تھا۔

''میں چاہ رہی تھی کہ خزمن کو ایک دو دن کے لیے اپنے پاس بلالوں۔'' صبیحہ کی خواہش نے ان دونوں کو ہی چونکایا تھا۔

''عارش کی فکر بھی کچھ کم ہو جائے گی اس کی طرف سے بات کرلوں عارش سے؟'' وہ ان سے اجازت طلب کررہی تھیں جو اپنی گمشدہ متاع کو اپنے سینے میں چھپالیتے اور وہ صرف اسے گھر میں لانے کی اجازت طلب کررہی تھیں۔ ہشام قزلباش اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کررہے تھے۔ ہارون سے ان کی کیفیت کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں عارش کو اعتراض بھی ہو سکتا ہے' کچھ دیر کی بات الگ ہے' مگر شاید خزمن بھی یہاں رکنے سے احتراز کرے۔'' ہارون نے کہا تھا۔

''میں ان دونوں کو جانتی ہوں اس لیے تو یہ بات کروں گی مجھے یقین ہے کہ عارش انکار نہیں کرے گا اور خزمن بھی میری بات نہیں ٹالے گی۔''

ان کے پُر یقین لہجے پر وہ دونوں ہی کچھ نہیں بول سکے تھے جبکہ صبیحہ مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

''ہارون اگر وہ یہاں میرے سامنے رہی تو میں عارش کی ہر تاکید بھول جاؤں گا' میں خود پر اختیار نہیں رکھ سکوں گا۔'' شدید مضطرب انداز میں اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے وہ جیسے ہار گئے تھے۔

پاپا! تھوڑی سی ہمت اور باندھ لیں ہمیں عارش کی واپسی کا انتظار کرنا ہے ہر حال میں۔'' ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ہارون نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''اگر خرمن یہاں آجاتی ہے تو ایک طرح سے یہ بہتر ہوگا اس کے سامنے رہنے سے آپ کو بھی تسلی رہے گی۔''

''اس کا میری نظروں کے سامنے رہنا ایک عذاب ہوگا میں نظر بھر کر اسے دیکھ بھی نہیں سکوں گا اسے اپنے سینے سے نہیں لگا سکوں گا میرا دل اس کے لیے تڑپ رہا ہے مگر میں اسے یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ میں۔'' ضبط کے باوجود ان کی لرزتی آواز اور آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا ہم اس امتحان سے بھی گزر جائیں گے۔'' ان کا ہاتھ سہلاتے ہوئے ہارون نے لہجے کو مضبوط رکھنے کی کوشش کی تھی۔ گہری سانس لے کر انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

''ایبک کو سمجھاؤ جا کر اسے یاد دلاؤ کہ اس نے عارش سے کیا وعدہ کیا تھا۔''

''میں اس سے جا کر بات کرتا ہوں۔ آپ خود کو اور پریشان نہ کریں۔'' تشویش زدہ نظروں سے ان کے چہرے پر بکھرے تاثرات کو دیکھا تھا۔

☆......☆

اسے بہت عجیب لگ رہا تھا مگر صبیحہ اتنے اصرار اور محبت سے اسے اپنے پاس بلا رہی تھیں کہ عارش کی طرح وہ بھی ان کو بار بار منع نہیں کر سکی تھی' حالانکہ عارش نے فون پر پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ ان کے اصرار پر وہ صاف انکار نہ کرے ان کا دل رکھنے کے لیے ایک دو دن ان کے گھر میں گزارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے وہ جانتی تھی کہ صبیحہ اور اس کے درمیان کتنی اپنائیت اور بے تکلفی کا بندھن بندھ چکا ہے' مگر پھر بھی ان کے گھر میں رکنا اسے بہت جھجک میں مبتلا کر رہا تھا شاید اس لیے بھی کہ اپنے گھر کے علاوہ اس پہلے کہیں قیام بھی نہیں کیا تھا۔ یہ زیادہ بہتر ہوا تھا کہ اسے منیزہ کا ساتھ مل گیا تھا صبح ہی اس نے منیزہ کو کال کر کے زبردستی اسے ٹیوشن سے چھٹی کروا کے اپنی طرف بلا لیا تھا' اس کے خیال سے منیزہ کو ساتھ لے جانے سے اس کی جھجک کچھ کم ہو جائے گی اور سب سے اہم یہ کہ منیزہ کو اپنے گھر میں دوبارہ دیکھ کر ہارون کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا' منیزہ کے انکار کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ مور کے جوڑے کی تصویر اپنے سیل فون میں قید کرتی منیزہ سے نظر ہٹا کر اس نے ایبک کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی بہت عجیب نظروں سے وہ یک ٹک اسے ہی دیکھ رہا تھا یہاں آنے کے بعد سے ہی اسے ایبک کا رویہ بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا وہ بہت خاموش اور بجھا بجھا سا تھا یہ وہ ایبک بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا جو نان اسٹاپ بولتا تھا۔

''مجھے ابھی بھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے ڈاکٹر کے پاس گئے تھے تم؟'' خرمن نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔ جواباً اثبات میں سر ہلاتا وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا۔

''اچھا سنو! ایک پنجرہ اور تیار کر لو میں تمہیں اپنے کبوتروں کے دو تین جوڑے اور دوں گی۔''

''اچھا۔'' وہ بمشکل مسکرا سکا تھا۔

''ایبک یہ مور باہر آ سکتے ہیں بہت پیارے لگ رہے ہیں میں ان کی موی بناؤں گی۔'' منیزہ نے ایبک کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ جبکہ خرمن پلٹ کر صبیحہ کی طرف آئی تھی جو مسکراتے ہوئے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

''ایک بات بتائیں آپ کو منیزہ کیسی لگتی ہے؟''

''بہت اچھی بہت پیاری بالکل تمہاری طرح۔'' صبیحہ بولی تھیں۔
''مگر مجھے تو لگا تھا آپ کی نظر میں مجھ سے اچھا اور پیارا اور کوئی ہو نہیں سکتا۔'' وہ مصنوعی ناراضی سے بولی تھی۔
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔'' صبیحہ دھیرے سے ہنسی تھیں۔
''آپ نے منیزہ اور ہارون کے درمیان کچھ محسوس کیا تھا جب وہ پہلی بار یہاں آئی تھی؟''
''ہاں وہ میرا بیٹا ہے میں ایک نظر میں ہی اس کے چہرے اور دل کا حال جان لیتی ہوں' مگر میں خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بہت حیران بھی ہوں کیونکہ ہارون تو لڑکیوں سے الرجک ہے وہ تو شادی کے نام سے ہی دور بھاگتا ہے۔'' صبیحہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔
''اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کے صاحبزادے اتنے بھی سیدھے نہیں ہیں آپ کا ووٹ اہمیت رکھتا ہے جو کہ مجھے مل چکا ہے میری پہنچ سے ہارون دور نہیں بھاگ سکتے منیزہ کو میں آپ کی بہو بنا کر ہی دم لوں گی۔''
''اگر ایسا ہو جائے تو ہارون کے پاپا تمہارے احسان مند ہوں گے ان کی بہت خواہش ہے کہ ہارون کسی طرح شادی کے لیے تیار ہو جائے۔'' صبیحہ بولی تھیں جبکہ خرمن مسکراتے ہوئے منیزہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو ایک کے ساتھ یہیں آ رہی تھی۔
چائے کا کپ منیزہ کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ پورچ کی طرف جاتی سوک کی طرف متوجہ ہوئی تھی خرمن کو عجیب سا محسوس ہوا تھا جب ہشام قزلباش گاڑی سے اترتے ہی سیدھا گھر کے اندر چلے گئے تھے حالانکہ دور سے ہی جب وہ ان کو دیکھ چکی تھی تو ظاہر ہے وہ اس کی موجودگی سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے۔ بس ایک نظر منیزہ نے اسی جانب آتے ہارون کو دیکھا تھا ڈارک گرے کلر کی شرٹ کی سلیوس کہنیوں تک فولڈ کیے اپنی پرکشش سحر انگیز شخصیت سے دل کی دھڑکنیں روک گیا تھا۔
''تو آپ تشریف لے آئیں ہمارے گھر کو رونق بخشنے؟'' صبیحہ کے قریب ہی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے وہ بولا تھا۔
''نام لے کر مخاطب کریں یہاں میرے ساتھ منیزہ بھی تشریف لائیں ہیں۔'' خرمن نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا تھا۔
''اب یاد رکھوں گا تمہاری ہدایت۔'' سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے ہارون نے ایک اچٹتی سی نگاہ منیزہ پر ڈالی تھی مدھم ہوا سے چہرے پر بکھرتے بال سمیٹتی وہ شرمندہ تاثرات کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھی بس ایک لمحے کے لیے ہی دونوں کی نظریں ملی تھیں' منیزہ کی پلکیں بھاری ہو کے جھکی تھیں جبکہ وہ صبیحہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
''پاپا کی طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے۔ شاید سر میں بھی درد ہے۔''
''اچھا میں دیکھتی ہوں جا کر۔'' کپ ٹیبل پر رکھتیں وہ فوراً جانے کے لیے اٹھی تھیں۔
''اب انکل کی طبیعت بہت بہتر ہو جائے گی۔'' مسکراتی نظروں سے خرمن نے صبیحہ کو دیکھا تھا۔
''ابھی آ کر بتاتی ہوں تمہیں۔'' ان کے خشمگین لہجے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
''ہارون میں منیزہ کو زبردستی لائی ہوں تاکہ یہ اپنے ہاتھوں سے وہ ڈکشنری آپ کے حوالے کرے جو

آپ نے اسے پڑھنے کے لیے دی تھی۔" خزمن کے سنجیدہ لہجے پر ہارون نے پہلے منیزہ کو پھر خزمن کو دیکھا تھا۔
"جی ہاں ڈکشنری دی تھی آپ نے اس کو۔" ہارون کے شرمندہ تاثرات پر وہ ہنسی تھی۔
"آئی ایم سوری تم اب اپنی مرضی سے جو کتاب لے جانا چاہو لے جاسکتی ہو۔" ہارون کو براہ راست منیزہ سے مخاطب ہونا پڑا تھا۔
"آج تو نہیں کسی کتاب کی ضرورت ہوگی تو میں خزمن سے کہہ دوں گی۔" منیزہ نے کہا تھا۔
"مجھ سے کیوں کہو گی زیادہ تکلف کروگی تو ہارون ناراض ہوجائیں گے۔ ان کی لائبریری کو اپنا ہی سمجھو میں نے ٹھیک کہا؟" مسکراتی نظروں سے اس نے ہارون کو دیکھا تھا۔
"ہاں بالکل ان کو اجازت ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔
"آپ کو کچھ زحمت تو ہوگی مگر کچھ دیر بعد منیزہ کو عثمان کی طرف ڈراپ کردیجیے گا اس کے بھائی اسے وہاں پک کرنے آئیں گے۔"
"نہیں خزمن عثمان کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے میں خود چلی جاؤں گی۔" منیزہ نے درمیان میں اسے روک دیا تھا۔
"خاموش رہو ہارون کو ناراض کرکے ہی سکون لوگی' کیا آج ان کا ریڈیو پروگرام ہے ان کا دل ٹوٹ گیا تو ساری پلے لسٹ غموں سے بھرپور اور آنسوؤں میں ڈوب جائے گی۔" خزمن کے ٹوکنے پر وہ گڑبڑا کر ہارون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"میرے دل کی فکر مت کریں محترمہ! میں نے اُمیدیں کسی سے باندھنی ترک کردیں ہیں ایک بار کا گرنا ہی کافی ہوتا ہے سنبھلنے کے لیے۔" ہارون کے سپاٹ لہجے پر منیزہ کا چہرہ اتر گیا تھا خزمن کیا کہہ رہی تھی اور ہارون کیا بول رہا تھا اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' ہارون نے بس ایک نگاہ اسے ضرور دیکھا تھا جو بالکل خاموش سپاٹ چہرے کے ساتھ اس جانب دیکھ رہی تھی جہاں ایک مور کے جوڑے کو پنجرے میں بھیجنے کی کوشش میں مگن تھا۔

☆......☆

"آپ کے گھر میں میری موجودگی شاید آپ کو ناگوار گزری ہوگی۔" کچھ فاصلہ طے ہوا تھا جب منیزہ نے اس کے سپاٹ تاثرات کو دیکھا تھا۔
"لیکن اگر میں آپ کے سامنے موجود ہوں اگر آپ سے نظر ملانے کے قابل ہوں تو صرف اس لیے کہ کل کی طرح آج بھی میری نیت میں مقصد وہ نہیں تھا جو آپ نے سمجھا ہے میرے لیے آپ کے دل میں جو بدگمانیاں ہیں مجھے ان پر کوئی شرمندگی اس لیے نہیں ہے کہ ان میں کوئی سچائی نہیں ہے مگر ان پر مجھے افسوس زیادہ اس لیے بھی ہے کہ میرے لیے یہ بدگمانیاں آپ جیسے انسان کے دل میں موجود ہیں۔" اس کے مدھم سنجیدہ لہجے پر بھی ہارون نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔
"میں جو تم سے کہنا چاہتا تھا کہہ چکا ہوں تمہیں جو کہنا تھا کہہ دیا ہے میں دوبارہ تم سے کبھی اس بارے میں بات کرنا نہیں چاہوں گا۔ جو گزر گیا وہ ختم ہوچکا ہے تم میرے لیے قابل عزت ہو اور ہمیشہ رہو گی۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔
"جو گزرا ہے وہ ختم نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو آپ آج تک اپنے گزرے ہوئے کل کے حصار میں نہ

ہوتے۔" مدھم لہجے میں بولتی وہ سامنے متوجہ ہوئی تھی۔
"بس یہیں روک دیں۔" مین گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر ہارون نے اسے دیکھا تھا جو اسے دیکھے بغیر شکریہ ادا کرتی سیٹ سے باہر اتر گئی تھی اس کے لہجے اور چہرے پر پھیلی سوگواری ہارون سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

☆......☆

کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف وہ خرمن کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو ان کی طرف ہی آ رہی تھی۔
"میں ایبک کے کمپیوٹر پر اس کی پکنک کی تصویریں دیکھ رہی تھی وقت اتنا گزر گیا اور مجھے خیال ہی نہ رہا کہ آپ تنہا یہاں میری فرمائشی ڈش بنانے میں مصروف ہوں گی۔" اس کے شرمندہ لہجے پر وہ مسکرائی تھیں۔
"ایبک یقیناً تمہارے سر میں درد کر دے گا ابھی دیکھنا وہ تمہارے پیچھے پیچھے یہاں بھی آ جائے گا۔"
"نہیں ابھی ایسا ممکن نہیں کیونکہ اس کے کسی دوست کی کال آئی ہوئی ہے۔" وہ دھیرے سے ہنستی ہوئی بولی تھی۔
"میں کھانا بنانے میں آپ کی مدد کروں گی مجھے کام بتائیں کیا کرنا ہے۔"
"تم ہرگز کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی آرام سے بیٹھ جاؤ ورنہ میں ابھی عارش کو فون کرتی ہوں۔"
"مگر کیوں؟" ان کی دھمکی پر خرمن کو ہنسی آئی تھی۔
"اس لیے کہ تم یہاں کام کرنے نہیں آئی ہو روز بھی تو میں کھانا بناتی ہوں اور آج تو میں اس لیے بھی خوش ہوں کہ تمہاری پسند کا کھانا بنانا ہے تم کچن میں خود کو تھکاؤ گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ اب تم آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھ سے باتیں کرو۔" ان کی تاکید پر وہ مسکراتے ہوئے ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی۔
"انکل کی طبیعت اب کیسی ہے میری ان سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔"
"میں نے ان کو سر درد کی ٹیبلٹ دی تھی وہ شاید سو گئے ہوں گے ورنہ اس وقت تو TV کے چینل ہوتے ہیں اور وہ ہوتے ہیں۔"
"کتنا برا لگ رہا ہے مجھے آپ کام کر رہی ہیں اور میں آرام سے بیٹھی ہوں۔" خرمن کو افسوس ہو رہا تھا۔
"جس دن عارش کے ساتھ آؤ گی اس دن مجھے آرام سے بٹھا کر خود کھانا بنا لینا مجھے بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمہارے بنائے کھانوں کی کتنی تعریف کرتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
"اس کی تو بات ہی نہ کریں جس دن کھانا بالکل بھی اچھا نہیں بنا ہوتا اس دن بھی کھانے کی تعریف کرتا ہے۔" اس کے بیزار لہجے پر صبیحہ ہنسی تھیں۔
"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اس کی تعریف پر اتنی بیزار کیوں ہوتی ہو۔"
"اب آپ ہی بتائیں جب مجھے پتہ ہے کہ میں نے کھانا اچھا نہیں بنایا میں خود پر غصہ ہوں وہ کھانے کی تعریفیں کیے جا رہا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا وہ اپنے آپ کو بہلا رہا ہوتا ہے یا مجھے شرمندہ کر رہا ہوتا ہے۔"
"پھر تم کیا کرتی ہو اسے تعریفیں کرنے سے روک دیتی ہو۔" صبیحہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔
"نہیں کیونکہ مجھے پتہ ہے اسے تعریفیں کرنے کی عادت پڑ چکی ہے چاہے میں اس کے سامنے جلا ہوا کھانا ہی پیش کر دوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

(جاری ہے)

رضوانہ آفتاب

مکمل ناول

اچھے لگتے ہو

"تسخیر رو کیوں رہی ہو؟" عاطر زکی جو میڈیکل سے کچھ دیر قبل ہی لوٹا تھا' اسے زور و شور سے روتا بلکتا دیکھ کر اس کے کمرے میں داخل ہو کے وجہ دریافت کرنے لگا۔

"آپ کب آئے؟" گھٹنوں سے سر اٹھائے تسخیر رضا نے گڑبڑا کر استفسار کیا تھا۔



''جب تم اردگرد سے بے نیاز ہو کر رونے میں مگن تھیں میں اسی وقت آیا ہوں۔'' عاطر زکی نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کین کی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ......! امی نے مجھے ڈانٹا ہے۔'' تسخیر بتاتے ہوئے پھر رونے لگی۔

''تو اس میں رونے کی کیا بات ہے پاگل میری مما بھی مجھے میری غلطیوں پر سرزنش کرتی ہیں۔'' عاطر زکی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''عاطر بھائی! آپ تو جانتے ہیں میری امی سوتیلی ہیں' وہ ہمیشہ مجھے ڈانٹتی ہیں' پرسوں تو انہوں نے میرے ہاتھ بھی جلائے تھے۔'' وہ اس کی ہمدردی پا کر معصومیت سے بتانے لگیں۔

''کیا؟'' عاطر زکی کو صدمہ ہوا تھا۔

''دکھاؤ مجھے۔'' عاطر زکی نے اپنائیت سے اس کے ہاتھ تھامے ماچس سے جلانے کے متعدد نشان دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس کے سپید ہاتھوں کو نہایت بے دردی سے جلایا گیا تھا۔ عاطر زکی نے ترحم بھری



نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
وہ hsc کر چکی تھی مگر اس کی سوچ بالکل بچوں جیسی تھی۔ نرم و نازک اور نہایت فرمانبردار تھی وہ پھر بھی اس کی سوتیلی ماں کو اس پر ذرا بھی ترس نہیں آتا تھا وہ اس کی مظلومیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اکثر تشدد کا نشانہ بنایا کرتی تھی۔ عاطر زکی کو شروع سے ہی تسخیر رضا سے ہمدردی تھی اور کب اس کی ہمدردی پسند میں بدل گئی، وہ یہ بتانے سے قاصر تھا۔ تسخیر اپنے امی ابو کے ساتھ پچھلے آٹھ سالوں سے عاطر زکی کے گھر رینٹ پر رہ رہی تھی۔
''تسخیر! تم نے اپنے ابو کو کیوں نہیں بتایا؟'' عاطر زکی نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
''وہ...... عاطر بھائی!! امی نے کہا ہے کہ ابو کو بتاؤں گی تو میرا چہرا جلا دیں گی۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بتانے لگی۔
''چندہ!! اب امی ایسی حرکت کریں تو مجھے بتانا۔'' عاطر نے اپنائیت سے کہا تھا۔
''عاطر بھائی پھر وہ آپ کو جلا دیں گی۔'' تسخیر نے اپنے ہاتھوں کو تھوڑی پر رکھتے ہوئے نہایت معصومیت سے کہا تھا۔
''نہیں جلائیں گی اب تم پریشان نہ ہو اور اب مجھے لازمی بتانا۔'' وہ اسے تاکید کرنے لگا اور اپنے فرسٹ ایڈ بکس میں سے اونٹمنٹ اسے تھما کر اپنے پورشن میں جانے کے لیے زینے طے کرنے لگا۔

☆......☆

نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں وہ بیڈ پر دراز تسخیر کے متعلق سوچنے لگا۔ اس میں اپنی عمر سے کم عقل تھی۔ بات بات پہ آنکھیں بھیگ جایا کرتی تھیں، وہ اس سے تین سال چھوٹی تھی مگر وہ اسے چھوٹی بچی ہی لگتی تھی۔ کچھ وقت بیڈروم میں گزار کر وہ برآمدے میں آیا تو مما اور تسخیر باتوں میں مصروف تھیں وہ اس کے پورشن میں آئی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے برآمدے کے دوسری جانب کشن پر بیٹھ گیا مما اور تسخیر اس کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔
''چچی جان عاطر بھائی مجھے بے حد اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مزے سے بتانے لگی۔
''کیوں بھئی ایسا کیا ہے عاطر میں؟'' چچی جان (عاطر کی مما) نے مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔
''اوہو چچی جان!! اتنے اچھے ہیں عاطر بھائی انہوں نے مجھے مرہم بھی دیا تھا امی نے جو میرا ہاتھ جلایا تھا اس پہ لگانے کے لیے، امی جب بھی مجھے ڈانٹتی یا مارتی ہیں وہ مجھے بچا لیتے ہیں بہت اچھے لگتے ہیں مجھے عاطر بھائی۔'' وہ دوبارہ چچی جان کو مزے سے بتانے لگی۔
''تسخیر! عاطر تمہیں اتنا ہی پسند ہے تو تم دونوں کی بات طے کر دوں؟'' مما نے مذاق میں ہی اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ وہ سرخ پڑ گئی اس کی نگاہ بے ساختہ مسکراتے عاطر پہ اٹھی تھی۔ وہ جھپاک سے زینے کی جانب بڑھی تھی اور اپنے پورشن میں چلی گئی۔ عاطر محبت بھری نظروں سے مما کو دیکھنے لگا۔

☆......☆

''چچی جان...... چچی جان کہاں ہیں آپ؟'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ہمراہ چچی جان کے پورشن میں آئی تو وہ اسے نظر ہی نہیں آئیں بیڈروم میں آ کر اس نے انہیں متعدد بار پکارا تھا جب اس کی نگاہ بیڈ پر اوندھے رکھے ڈائجسٹ پر پڑی۔ وہ اسے اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ اسی وقت چچی جان تولیے سے ہاتھوں خشک کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں۔
''کیا ہوا تسخیر بیٹا! تم اتنی آوازیں کیوں دے رہی تھیں؟'' چچی جان نے گھبرا کے استفسار کیا۔
''وہ چچی جان امی سو رہی ہیں تو میں چپکے سے آ گئی۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ کر بتانے لگی۔ اس کی نگاہ ''رواداڈائجسٹ'' پر

مرکوز تھی۔
"چچی جان یہ کیا ہے؟" اس نے ماہنامہ "ردا" کی جانب اشارہ کیا۔
"بیٹا یہ ڈائجسٹ ہے اسے پڑھنے سے شعور آتا ہے۔" چچی جان صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔
"اچھا میں اسے لے جاؤں؟" تسخیر نے اجازت طلب نظروں سے چچی کی طرف دیکھا تھا جو وائٹ چکن کے شلوار سوٹ میں بے حد گریس فل سی لگ رہی تھیں۔
"بیٹا یہ والا تو میں پڑھ رہی ہوں' ایسے بہت سارے ہیں میرے پاس تم ان میں سے لے جاؤ۔" انہوں نے ایک جانب اشارہ کیا' اس نے تین شمارے اٹھائے سرورق نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔
"چچی جان جب میں اسے پڑھ لوں گی تو دے جاؤں گی۔" تسخیر نے چچی جان کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"بیٹا دے جانا۔" چچی جان نے اجازت دے دی اور وہ ڈائجسٹ لیے اپنے پورشن میں آ گئی۔ وہ دو ڈائجسٹ بیڈ کے نیچے چھپا چکی تھی۔
"اے لڑکی کیا کر رہی ہے؟" وہ ورق گردانی میں اس قدر منہمک تھی کہ اندازہ ہی نہیں ہوا کب امی آ گئیں۔
"و......وہ......! میں پڑھ رہی ہوں۔" اس نے ڈرتے ہوئے بتایا۔
"کیا پڑھ رہی ہے؟ لا دکھا مجھے۔" انوری بیگم نے ڈائجسٹ چھینتے ہوئے کہا۔
"یہ کیا ہے؟" انوری بیگم نے اسے گھورا تھا۔
"یہ ڈائجسٹ ہے۔ امی اسے پڑھنے سے شعور آتا ہے۔" وہ معصومیت سے بتانے لگی۔
"شعور آتا ہے؟ بڑی آئی شعور والی' مجھے یہ سب سکھا رہی ہے؟ ابھی اس موئے ڈائجسٹ کو جلاتی ہوں۔" وہ ڈائجسٹ لیے کچن کی جانب بڑھیں۔
"نہیں امی مت جلائیں اسے' آپ مجھے جلا دیں مگر اسے نہیں۔" وہ منت کرنے لگی اور ان کے ہاتھوں سے "ردا" لے لیا۔
"اب تو بدتمیزی پر اتر آئی ہے۔" انہوں نے اس کے نرم و نازک گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ ڈائجسٹ اس کے منہ پر مار کر تن فن کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

☆......☆

"عاطر بھائی! آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟" وہ پین تھامے نوٹس پر جھکا ہوا تھا' جب ہی وہ اسٹڈی میں آ کر استفسار کرنے لگی۔
"میرے پیپر ہونے والے ہیں ان کی تیاری کر رہا ہوں۔" نوٹس سے نظریں اٹھا کر عاطر نے بتایا تھا۔ وہ لیمن دوپٹہ شرٹ اور وائٹ ٹراؤزر کے ہمراہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے سراپے پر نگاہ ڈالی اور ٹھٹک سا گیا۔
"تسخیر! تم نے تو بے حد اچھی ڈریسنگ کی ہوئی ہے۔" عاطر سراہے بنا نہ رہ سکا۔
"تھینک یو عاطر بھائی! آپ کو پتہ ہے ڈائجسٹ کی ایک کہانی میں ہیروئن نے ایسے کپڑے پہنے تھے' مجھے بے حد اچھا لگا۔ امی نے مجھے یہ کلر لا کر دیا تو میں نے ویسے ہی بنا لیے اس پر امی نے مجھے بہت ڈانٹا۔ میں نے ایسے کیوں بنائے۔" وہ منہ بنا کر بتانے لگی۔
"اچھا اپنا موڈ خراب مت کرو' ڈائجسٹ میں پڑھنا اور ایسے ہی ڈریسنگ کرنا۔" وہ اسے مشورہ دینے لگا۔

''ٹھیک ہے عاطر بھائی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''عاطر بھائی! میرا دل کرتا ہے پڑھنے کا۔'' اس نے معصومیت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''تم واقعی پڑھنا چاہتی ہو؟'' عاطر نے نوٹس بند کیے اور اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول کر لی تھی۔

''جی میں پڑھنا چاہتی ہوں مگر یہ تو ناممکن ہے۔'' تسخیر نے کہا تھا۔

''کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا اسے ممکن بنایا جاسکتا ہے۔'' عاطر نے کالی سنہری آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز کی تھیں۔

''پر کیسے ممکن ہے؟'' تسخیر رضا نے الجھتے ہوئے کہا تھا۔

''میرے ایک دوست کے والد گرلز کالج کے پرنسپل ہیں' تم کہو تو میں تمہارا داخلہ وہاں کرادوں گا۔'' عاطر زکی نے تمام معلومات اس کے گوش گزار کیں۔

''عاطر بھائی! کالج جاؤں گی تو امی مجھے ماریں گی۔'' اس نے نیم رضامندی سے کہا۔

''تمہاری امی کو پتا نہیں چلے گا میں انکل کو کہہ دوں گا کہ تم صرف پیپرز دو گی کالج نہیں جاؤ گی' تمام آفس ورک میں کرادوں گا' تمام پیپرز دلوانے کی ذمہ داری میری ہو گی' کتابیں میں تمہیں لا دوں گا جب میں میڈیکل سے دوپہر میں لنچ ٹائمنگ میں آؤں گا' تم کتابیں لے آنا میں پڑھا دوں گا' باقی مضمون میں تم ہما سے مدد لے لینا۔'' وہ تمام پلان بتانے لگا۔

''عاطر بھائی! آپ بہت اچھے ہیں' آپ نے تو منٹوں میں مسئلہ حل کر دیا۔'' وہ خوش ہو کر کہنے لگی۔

''اچھا تم جاؤ میں پڑھائی کرلوں' اب سے تم بھی میری طرح پڑھائی کرنا۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوا اور وہ خوش خوش اپنے پورشن میں آ گئی۔

☆......☆

وہ بے انتہا خوش تھی۔ اس کا کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ وہ اب بی کام پارٹ ون کی طالبہ تھی۔

''ادھر آ لڑکی ذرا میرے پیر تو دبا بہت درد ہو رہا ہے' جب تک زبان سے نہ کہوں بات تو سمجھ میں آتی نہیں ہے۔'' انوری بیگم اسے کپڑے سیتے دیکھ کر درد سے کراہنے کی اداکاری کرنے لگیں۔

''اچھا امی۔'' وہ سلائی مشین سائیڈ پر کر کے ان کے پیر دبانے لگی۔ پاؤں دبواتے دبواتے ان کی نگاہ بے ساختہ اس کے ہاتھوں پر گئی تھی۔

''یہ تجھے مہندی کس نے لگائی؟'' انہوں نے اسے گھورتے ہوئے استفسار کیا۔

''امی میں نے خود لگائی ہے۔'' تسخیر انہیں اپنے ہاتھ دکھانے لگی۔

''اب لگائی ناں تو ہاتھ توڑ دوں گی' تجھے مہندی لا کر کس نے دی؟'' انوری بیگم نے غضبناک آنکھوں سے اسے گھورا تھا۔

''امی! چچی جان لگا رہی تھیں تو میں لے آئی اور خود لگالی۔'' وہ بتانے لگی' وہ دیکھ رہی تھیں سہمی سہمی رہنے والی تسخیر اب ان کی باتوں کا صحیح طرح سے جواب دیتی تھی۔

''منع کیا ناں میں نے تجھے' ان حمایتی ماں بیٹے میں نہ گھسا کر' تجھے میری بات سمجھ نہیں آتی؟'' وہ بھنویں اچکا کر استفسار کرنے لگیں۔

''آپ کو لگاؤں امی مہندی؟'' وہ اشتیاق بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''یہ جھلی والی حرکتیں تیری چچی جان پہ ہی بجتی ہیں' ہیں تو بیوہ مگر ارمان ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔'' وہ غصے سے

کہنے لگیں، وہ تو شکر تھا کے چچی جان اسکول پڑھانے گئی تھیں اور عاطرز کی میڈیکل پر تھا۔

☆......☆

"چچی جان! دیکھیں میں نے کیسا سوٹ پہنا ہے؟" وہ چچی جان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میری گڑیا بے حد پیاری لگ رہی ہے۔" چچی جان نے بے حد پیار سے کہا۔ وہ ستاروں سے بنایا ہوا کام کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔

"چچی جان میں نے خود اس سوٹ پہ کام کیا ہے۔" وہ بتانے لگی۔ بلیک کاٹن کے ڈریس پر پنک ستارے اور موتیوں کو اس نے بے حد مہارت سے ٹانکا تھا۔

"واقعی!" چچی جانے تحیر سے استفسار کیا۔

"جی چچی جان۔" اس نے کہا۔

"بے حد پیارا بنایا ہے تم نے اور ماشاءاللہ تم میں بےحد سلیقہ آ گیا ہے۔" چچی جان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"چچی جان! کتنا اچھا ہوتا اگر آپ میری امی ہوتیں آپ بہت اچھی ہیں۔" وہ محبت سے کہنے لگی۔

"تم بھی بے حد اچھی ہو چندا! اپنے نام کی طرح بے حد پیاری ہو۔" چچی جان کہنے لگیں۔

"اچھا چچی جان میں جا رہی ہوں، ورنہ امی ڈانٹیں گی۔" وہ یہ کہہ کر زینہ طے کرنے لگی۔ چچی جان نے مسکراتے ہوئے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ کچن کی جانب چائے بنانے کی غرض سے بڑھی تھی کہ انوری بیگم نے اسے حیران آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"اے لڑکی ادھر آ۔" وہ عینک اتارتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"یہ سوٹ تو نے سیا ہے؟" وہ اس کے سراپے کو غور سے دیکھنے لگیں۔ وہ اسے گھر میں بند رکھنا چاہتی تھیں تا کہ وہ کچھ سیکھ نہ جائے، خود تو بے اولاد تھیں اس کی خوشی انہیں ناگوار گزرتی تھی، انہیں تسخیر کا سلیقہ ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"جا کر کپڑے بدل۔" وہ اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

"کیوں امی یہ اچھا نہیں لگ رہا؟" آنکھوں میں تحیر لیے وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔

"میں نے کہا ناں جا کر کپڑے بدل کر آ۔ بہت سوال جواب کرنا سیکھ گئی ہے، چہرہ جلاؤں گی جب تیری عقل ٹھکانے پر آئے گی۔" وہ اس کی پیٹھ پر تھپڑ برساتے ہوئے گویا ہوئیں۔

وہ جب کپڑے چینج کر کے آئی تو انوری بیگم نے اسے نظر آتش کر ڈالا جو اس نے اپنے دل سے سیا تھا، وہ کلس کر رہ گئی مگر روئی نہیں۔ انوری بیگم اس کے رونے کا انتظار کرنے لگیں اسے رُلا کر ان کے دل کو سکون آتا تھا۔ اس کے نہ رونے کی وجہ سے وہ تپ اٹھیں اور بکتے جھکتے اپنے کمرے میں گھس گئیں اور وہ چپ چاپ اپنے جلے ہوئے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔

☆......☆

دن سبک رفتاری سے گزرتے تسخیر کے ایگزامز قریب لے آئے تھے۔

"عاطر بھائی! اب تو میرے پیپرز ہونے والے ہیں۔ میں کیسے پیپرز دوں گی؟" ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اس نے پڑھاتے عاطرز کی سے استفسار کیا تھا۔

''تم پریشان نہ ہو بس پڑھائی کرو۔'' عاطر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''عاطر بھائی! امی کو پتا نہ چلے ورنہ وہ واویلا مچادیں گی۔'' وہ یلو سوٹ میں سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے کہنے لگی۔ واقعی اس میں کافی حد تک رکھ رکھاؤ اور سلیقہ آ گیا تھا۔ اس نے دل میں ''روا'' کا شکریہ ادا کیا۔ عاطر خود بھی بے حد ڈیسینٹ پرسنالٹی کا مالک تھا۔ 6 فٹ ہائٹ' گندمی رنگت' ستواں ناک' ذہانت سے بھرپور کالی آنکھیں' کالے سیاہ بال اس کی کشادہ پیشانی کو چھوتے تھے بے حد جاذب نظر تھا۔ بہت سی لڑکیاں عاطر زکی کے خواب بنتی تھیں۔ وہ کراچی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ آف ہونے کے بعد وہ اپنے دوست کے والد کے میڈیکل اسٹور کو اپنا پورا وقت دیتا تھا۔ عاطر زکی ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد تسخیر رضا کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کیونکہ تسخیر نے اس کے دل میں بسیرا کر رکھا تھا۔ وہ کسی اور ہی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

''عاطر بھائی کہاں کھو گئے؟'' تسخیر نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے۔

''کہیں نہیں اچھا تم جاؤ جا کر سوالات حل کرو۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔

''کل یہ تمام question حل کر کے مجھے چیک کروانا۔ کیمسٹری سبجیکٹ میں مما کی ہیلپ لے رہی ہو یا نہیں؟'' وہ unsolve اسے تھماتے ہوئے گویا ہوا۔

''جی عاطر بھائی! جب امی باہر جاتی ہیں میں اس وقت چچی جان سے بھی پڑھتی ہوں۔'' وہ اسے بتانے لگی۔

☆......☆

خلاف معمول آج انوری بیگم کا موڈ بہتر تھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ عاطر زکی جو کچھ دیر قبل ہی یونیورسٹی سے لوٹا تھا انہیں کام میں مگن دیکھ کر عین سامنے کین کی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''السلام علیکم خالہ جان! کیسی ہیں آپ؟'' کف لنکس نکالتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

''وعلیکم السلام! خیریت' تم میری خیریت دریافت کر رہے ہو طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' سبزی کاٹتے ہاتھ روک کر انہوں نے عینک اُتار کر استفسار کیا۔

''خالہ جان! طبیعت تو ٹھیک ہے اور رہا خیریت دریافت کرنے کا سوال تو آپ مجھے نظر ہی اتنا کم آتی ہیں' آپ اس قدر گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں جب میں گھر آتا ہوں آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی ہے۔'' عاطر زکی نے بات بنائی۔

''چل جانے دے مجھے مسکے نہ لگا۔'' وہ دوبارہ سبزی بنانے لگیں۔

''خالہ جان! مجھے ایک بات کرنی ہے۔'' عاطر زکی نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب آئی ناں بلی تھیلے سے باہر' وہی میں بولوں آخر تجھے میری خیریت پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی' چل جو کہنا ہے کہہ دے زیادہ باتیں نہ بنا۔'' وہ طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''خالہ میری پھوپھو کی طبیعت خراب ہے' آپ تو جانتی ہیں وہ شوگر کی مریضہ ہیں' بلڈ پریشر بھی بے حد بڑھ گیا ہے' دونوں شادی شدہ بیٹیاں تو شہر سے باہر رہتی ہیں' تسخیر سے انہیں بے حد درہے گی' وہ ان کا دھیان رکھے گی اگر آپ اجازت دیں تو وہ تسخیر کو کچھ دن کے لیے رکھنا چاہ رہی ہیں نوکر تو ہیں مگر کیا فائدہ اپنے کا ہونا تو ضروری ہے ناں۔'' تمام باتیں کہہ کر عاطر نے انوری بیگم کی طرف دیکھا تھا' جو بری بری شکلیں بنا کر اسے گھور رہی تھیں۔

''تمہاری اماں کیوں نہیں چلی جاتیں آخر کو بھاوج (بھابھی) ہیں ان کا فرض بنتا ہے۔'' وہ گویا ہوئیں۔

''مما تو جا رہی ہیں جانا مگر ان کے اسکول میں پیپرز ہو رہے ہیں اور وہاں سے اسکول بہت دور پڑتا ہے

آپ کی مرضی ہے آپ کی اجازت کے بغیر تسخیر جائے گی نہیں' ویسے پھوپھو کہہ رہی تھیں وہ رقم بھی دیں گی' اچھا خالہ میں چلتا ہوں۔" وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سن لڑکے اگر تمہاری پھوپھو اتنی ہی بیمار ہیں تو لے جاؤ' تسخیر یہاں کام کاج کی تو ہے نہیں' مہینہ دو مہینہ جتنا رکھیں مجھے پرواہ نہیں ہے۔" وہ سبزی کا ٹوکرا اٹھائے کچن کی جانب بڑھ گئیں' جبکہ عاطر کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے خالہ میں تسخیر کو آج ممانی کے ساتھ پھوپھو کے گھر بھیج دوں گا۔" وہ یہ کہہ کر زینے کی جانب بڑھ گیا۔

کمرے میں بیٹھی تسخیر رضا اس کی بے حد مشکور تھی' کیونکہ پرسوں اس کے بی کام پارٹ ون کے پیپرز شروع ہونے والے تھے۔ اسی وجہ سے عاطر زکی نے انوری بیگم سے تسخیر کو پھوپھو کے رکھنے کی اجازت طلب کی تھی۔

تسخیر رضا عاطر زکی کی پھوپھو کے گھر رہ رہی تھی۔ عاطر کی پھوپھو بے حد اچھی تھیں وہ متعدد بار چچی جان کے گھر ان سے مل چکی تھی۔ ایوننگ میں اس کے پیپرز تھے۔ عاطر تمام پیپرز میں اسے کالج چھوڑ آتا تھا اور پیپر ختم ہونے کے بعد وہ اسے پھوپھو کے گھر ڈراپ کر دیتا تھا۔

☆......☆

آج موسم میں خنکی تھی۔ وہ پیپر دے کر باہر آئی تو ہمیشہ کی طرح عاطر کو منتظر پایا۔

"عاطر بھائی آپ بے حد اچھے ہیں آپ میری اس قدر مدد کر رہے ہیں۔" وہ اس کے پاس آ کر کہنے لگی۔

"میں چاہتا ہوں تم بے حد آگے جاؤ' اپنی تمام خواہشیں پوری کرو۔" وہ بائیک پارکنگ ایریا سے نکالتے ہوئے گویا ہوا۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟" عاطر نے استفسار کیا' تسخیر نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ اس کے لیے پوپ کورن خریدنے لگا۔

"تم دو روز اور پھوپھو کے گھر رہنا میں پرسوں امی کو لینے بھیج دوں گا۔" وہ اسے پاپ کورن تھماتے ہوئے کہنے لگا۔

"ویسے مجھے پاپ کورن بے حد پسند ہیں۔" وہ اسے اشتیاق سے بتانے لگی۔

"مجھے پتا ہے۔" عاطر زکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پاپ کورن ختم کرنے کے بعد وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ عاطر زکی کے ساتھ وہ بائیک پر پیپرز کے سبب بیٹھتی تھی اسے بے حد عجیب محسوس ہوتا اگر امی اسے عاطر کے ساتھ دیکھ لیتیں تو اسے جان سے مار دیتیں۔ وہ یہ سوچ کر کانپ کر رہ گئی' عاطر نے اسے پھوپھو کے گھر چھوڑ کر میڈیکل کا رخ کیا تھا۔

☆......☆

دو دنوں کے بعد وہ چچی جان کے ہمراہ گھر آ گئی۔ وہاں رہ کر اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ پھوپھو بے حد سگھڑ خاتون تھیں اور ان کی کوکنگ بے حد اچھی ہی تھی۔ وہ کچن میں کاموں میں مگن تھی۔ امی چارپائی پر بیٹھے اسے کام کرتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

"لڑکی ایک مہینے بعد آئی ہے تو مجھے چاؤ چونچلے دکھا رہی ہے؟" انوری بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں امی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" تسخیر نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے

ہوئے رسانیت سے جواب دیا۔

"اب میں غلط بھی سمجھنے لگی؟ تو مجھ سے زبان چلائے گی' ان دونوں ہمدرد ماں بیٹے کی وجہ سے تو تو اتنا بڑھ گئی ہے' میں تو کب کا یہ گھر چھوڑ دوں مگر تیرے باپ کی اتنی آمدنی کہاں ہے جو زیادہ کرایہ دے سکے' وہ تو ماسٹرنی کا اللہ بھلا کرے جو اتنا کم کرایہ لیتی ہے۔ آٹھ سالوں سے میں یہاں رہ رہی ہوں' اس کا فرض بنتا ہے ہمارے ساتھ رعایت کرے' ہم پہ کوئی احسان تھوڑی کر رہی ہے۔" انوری بیگم خود سے سوال جواب کرنے لگیں۔

"امی! آپ کا سر دبا دوں؟" وہ چائے کا مگ چارپائی پر رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"پوچھ کیوں رہی ہے تجھے ہر بات بتانی پڑے گی' نجانے کب عقل آئے گی۔" وہ الٹا اس پر شروع ہو چکی تھیں اور وہ ان کا سر دبانے لگی۔

جب وہ شاور لے کر باہر آئی تو انوری بیگم کو صحن میں چارپائی پہ بیٹھا ہوا پایا۔ وہ مسلسل پان چباتی اسے گھور رہی تھیں۔

"اتنے مہنگے کپڑے تیرے پاس کہاں سے آئے؟" وہ ناگواری سے استفسار کرنے لگیں۔

"امی! یہ اور دو جوڑے عاطر بھائی کی پھوپھو نے بنا کر دیے ہیں' آپ کو دکھائے تو تھے۔" وہ تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے بتانے لگی۔

"عاطر کی پھوپھو تجھ پہ کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو گئیں' جا کر الماری میں رکھ اب یہ تمام کپڑے پہنے نظر آئی تو آگ لگا دوں گی' جو میں لا کر دوں وہی پہنا کر ورنہ انجام بہت برا ہو گا۔" انوری بیگم اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"امی! آپ کو میرے تمام اچھے کپڑے اس قدر برے کیوں لگتے ہیں؟" تسخیر کے استفسار کرنے کی دیر تھی انوری بیگم نے اس کی نرم و نازک کلائی مروڑنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

"اب اگر تو نے مجھ سے زبان چلائی تو زبان کھینچ لوں گی۔" دو تھپڑ رسید کرتی وہ کمرے میں گھس گئیں۔

وہ تحیر نگاہوں سے انہیں جاتا ہوا دیکھنے لگی اس وقت اسے اپنی سگی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

☆......☆

وہ آج شام کے ناشتے پر اہتمام کر رہی تھی' اس نے فرنچ فرائز' سینڈوچ اور کٹلس بنائے تھے۔ وہ یہ سب چچی جان کو بھی دے آئی تھی' جب وہ کمرے میں دستر خوان بچھانے لگی تو انوری بیگم نے اسے سرتاپا بغور دیکھا تھا' اس میں بے طرح سلیقہ آتا جا رہا تھا' انہیں اس کا سلیقہ ایک آنکھ نہ بھایا۔

"امی! دستر خوان پر بیٹھیں میں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ لوازمات لگاتی امی سے کہنے لگی۔

"کیا بنایا ہے تو نے لڑکی؟" وہ کٹلس منہ میں ڈالتے ہوئے کہنے لگیں۔

"کٹلس بنائے ہیں امی پھوپھو نے مجھے سکھائے ہیں۔" وہ چائے دستر خوان پر رکھ کر کہنے لگی۔

"ہو گئے تیرے چاؤ چونچلے شروع بڑا ہی بیکار بنایا ہے تو نے یہ موا کٹلس۔" وہ مزیدار کٹلس کھاتے تبصرہ کرتی جا رہی تھیں۔ انہیں کٹلس بے حد پسند آئے تھے مگر وہ ہمیشہ اس کا دل جلانا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ پلیٹ خالی کر کے تاول سے ہاتھ صاف کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آئندہ یہ سب بکواس چیزیں بنائیں تو تیرا حشر بگاڑ دوں گی۔ تیرے باپ کی اتنی آمدنی نہیں کہ تو یہ نت نئے ڈھکوسلے کرتی پھرے۔ آلو ختم ہو جائیں گے تو تو لائے گی؟ کوئی گن تو تجھ میں ہے نہیں کم از کم کفایت شعاری ہی سیکھ لے۔" وہ اسے گھورتی آگ بگولہ ہو رہی تھیں۔

''امی! اپنے گھر کے مالی حالات سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسے مدنظر رکھتے ہوئے تمام چیزیں استعمال کرتی ہوں آپ اس معاملے میں بالکل بے فکر رہیں۔'' چائے کا گھونٹ بھرتی تسخیر رضا نے رسانیت سے جواب دیا تھا۔

''اب تو زبان چلائے گی؟ ہر سوال کا جواب دینا سیکھ گئی ہے؟ اگر یہ تمام چونچلے کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے سسرال جا کر کرنا انوری کے گھر میں یہ سب ڈرامے نہیں چلیں گے۔'' وہ اسے ایک تھپڑ رسید کرنے کے ساتھ ساتھ پیٹھ پر ایک زوردار دھموکا جڑ کے بکتی جھکتی کمرے سے نکل گئیں۔

''یہ گھر تو چچی جان کا ہے۔'' آنسو صاف کرتے وہ یہ سوچ کے مسکرا دی۔

☆......☆

''انوری شادی میں چلوگی ناں؟'' وہ چارپائی پہ بیٹھی امی کے پاؤں دبا رہی تھی۔ جب ہی چچی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔

''نہیں آپا! بھلا میں کیسے جاؤں گی میرے پیروں میں بے تحاشہ تکلیف ہے۔ اب اسے ہی دیکھو جب تک زبان سے نہ کہو پاؤں ہاتھ دبائی نہیں۔ ایک دم نکمی ہے۔'' وہ تسخیر کو آنکھیں دکھاتے بے بسی کی تصویر بنے گویا ہوئیں۔

''اچھا تم نہ جاؤ تسخیر کو بھیج دو اس کا بھی تھوڑا دل بہل جائے گا۔ سارا سارا دن گھر میں رہتی ہے اور عاطر بھی جا رہا ہے کون سا بہت دور شادی ہے گلے کی شادی ہے۔'' چچی جان محبت بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔

''آپا! کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو تسخیر کو تو میں بھیج دوں مگر ابھی ہانڈی چڑھانی ہے۔'' انوری بیگم اسے روکنے کی سعی کرنے لگیں۔

''امی! کھانا تو میں نے بنالیا ہے۔'' تسخیر نے معصومیت سے جواب دیا۔ انوری بیگم اسے آنکھیں دکھانے لگیں۔

''تسخیر بیٹا جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ ایک گھنٹے میں نکلتے ہیں۔'' چچی جان اسے ہدایت دیتی کمرے سے نکل گئیں۔ انوری بیگم نے نہایت طیش میں آ کر اسے چارپائی سے دھکا دے دیا۔

''تیری اتنی مجال تو مجھے جھٹلائے گی؟ تیری اتنی ہمت کیسے ہوئی۔ آج میں تیری جان لے لوں گی۔'' وہ درندے کی طرح اس پر جھپٹی تھیں۔ چارپائی سے گرنے کے سبب اس کی کانچ چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ اس کی نیلی آنکھیں بھیگنے لگی۔

''ابھی اور اسی وقت میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جا ورنہ تو آج میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گی۔'' وہ سفاکی سے کہتی مسلسل اسے پیٹ رہی تھیں۔ تسخیر بھاگ کر دوسرے کمرے میں بند ہو گئی آنسو تھے کہ تھم ہی نہیں رہے تھے۔ خون آلود ہاتھوں کو صاف کرتے وہ الماری کی طرف بڑھی تھی مگر جانے وہ کونسا جذبہ تھا جس کے تحت وہ شادی میں جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ وہ تیار ہو چکی تھی۔ ییلو گرین رنگ اس پہ خوب سج رہا تھا۔ ہلکے پھلکے میک اپ اور سلیقے سے بال بنائے سوگوار حسن کے ساتھ وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

''ماشاءاللہ بے حد پیاری لگ رہی ہو۔'' چچی جان اسے پیار کرتے کہنے لگیں اور عاطر بھی سراہتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بلیک پینٹ اور ریڈ گرین شرٹ ٹائی لگائے بے حد خوبرو لگ رہا تھا۔

''چلو بیٹا!'' چچی جان اسے ہمراہ لیے آگے چلنے لگیں۔ انوری بیگم مسلسل اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ انہیں لگا تھا تسخیر نہیں جائے گی مگر ان کی منطق کھوٹا سکہ ثابت ہوئی تھی! اسے اتنے اچھے کپڑوں میں

ملبوس دیکھ کر ان کا خون کھول اٹھا تھا۔ پورے فنکشن میں تسخیر کا موڈ بے تحاشہ آف تھا۔

"کیا ہوا تسخیر اس قدر اپ سیٹ کیوں ہو؟" عاطر اس کے سامنے سیٹ پر براجمان ہوتے ہوئے گویا ہوا۔ عاطر زکی کے پوچھنے کی دیر تھی اس کی نیلی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ عاطر پریشان ہو اٹھا۔

"تسخیر ایسے نہیں کرتے تم تو بے حد مضبوط ہو گئیں تھیں ناں پھر بچوں کی طرح ری ایکٹ تو نہ کرو۔" عاطر زکی نے اسے سمجھانے کی سعی کی اس معصوم کو سمجھانے کے لیے عاطر زکی کے پاس الفاظ ختم ہو جایا کرتے تھے۔ وہ خود کو بے انتہا بے بس محسوس کیا کرتا تھا۔

"کچھ نہیں عاطر بھائی ایسے ہی رونا آ گیا تھا۔" وہ رومال سے آنسو صاف کرتے کرتے بات آئی گئی کرنے لگی۔ عاطر کو علم تھا کوئی وجہ تو ضرور ہے مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد وہ چچی جان اور عاطر زکی کے ہمراہ گھر آ گئی۔

انہیں آئے کچھ وقت ہی ہوا تھا چچی جان اور عاطر بھی اپنے پورشن میں جا چکے تھے جبکہ وہ واش بیسن پہ کھڑی منہ دھو رہی تھی جب ہی انوری بیگم نے اس کے ریشمی بالوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

"امی آپ کیا کر رہی ہیں؟" اپنے بال ان کے شکنجے سے چھڑانے کی تگ و دو کرتی وہ کہنے لگی۔

"تیری اتنی مجال تو اپنے ہمدردوں کے ساتھ شادی میں چلی گئی۔ میں نے بات بتائی تو مجھے جھٹلا دیا۔ رک میں تجھے بتاتی ہوں۔" وہ اسے بری طرح پیٹنے لگیں۔

"امی! چھوڑیں مجھے شادی میں گئی تھی آپ کو اتنا برا کیوں لگ رہا ہے؟" وہ بالوں کو آزاد کراتے ہی استفسار کرنے لگی۔ ابو نائٹ جاب میں گئے ہوئے تھے اس لیے آج انوری بیگم کی من مانیاں عروج پر تھیں مگر وہ یہ بات فراموش کیے ہوئے تھیں کہ گھر میں دو اور نفوس بھی موجود ہیں۔ شور کی آواز سے چچی جان اور عاطر بھی نیچے آ گئے تھے۔

"انوری! بچی کو چھوڑ دو۔" چچی جان نے تیز آواز میں کہا تھا۔

"آپا! تم یہاں سے چلی جاؤ میرے منہ نہ لگو۔" وہ خونخوار لہجے میں کہتی اسے مار رہی تھیں۔

"خالہ! تسخیر کو چھوڑ دیں ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔" عاطر زکی نے تسخیر کو ان کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"تو کون ہوتا ہے چھٹانک بھر کا لڑکا' مجھے اچھا اور برا بتانے گا؟ تم دونوں ماں بیٹے نے ہی اسے بگاڑا ہے۔" وہ خشمگیں نگاہوں سے گھورتی چلائے جا رہی تھیں۔

"ہم نے تمہاری بچی کو بگاڑا ہے تو چھوڑ کیوں نہیں دیتی یہ گھر کہیں اور جا کر رہو۔" چچی جان تپ اٹھیں وہ بکتی جھکتی کمرے میں گھس گئیں۔ چچی جان نے اسے خود سے لگا کے تسلی دی۔ عاطر نے اس کے زخموں پر مرہم رکھنے لگا۔ عاطر لیے تسخیر کو اس حال میں دیکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا وہ خود پہ ضبط کیے اس کو سمجھا رہا تھا۔ اس مظلوم لڑکی سے اسے بے تحاشہ محبت تھی' جب ملتے ہی وہ اسے اپنا لیتا اس نے کئی جگہ اپلائی کیا ہوا تھا۔

☆......☆

آج موسم کافی خوشگوار تھا۔ ناشتے کے برتن دھو کر وہ ردا ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن تھی۔ جب ہی امی کی بلند و بانگ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی وہ دہل گئی۔

"ہمیشہ تو یہی کرنا ماسٹرنی نے اپنے جیسے چھن (طریقے) تو تجھے سکھا ہی دیے ہیں کہ جتنی من مانی کرنی ہے پڑھ پڑھ کہ خراب تو ہوتی جا رہی ہے۔" وہ ہمیشہ الٹی باتیں کرنے کی عادی تھیں۔ وہ اس کے حسین سراپے پہ نظر

ڈالتی کہہ رہی تھیں جو مہرون کلر کا ڈریس زیب تن کیے ان کا دل جلا رہی تھی۔

''میں ذرا بھائی کی طرف جا رہی ہوں تجھے تو توفیق ہوگی نہیں کہ نانی کا حال ہی پوچھ لے۔'' وہ مسلسل اس کو گھورتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

''امی! ابھی ایک ہفتے پہلے تو نانی امی آئی تھیں' جب بھی وہ آتی ہیں جتنا مجھ سے ہوتا ہے میں کرتی تو ہوں۔'' وہ ڈائجسٹ شوکیس پہ رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''چل چل رہنے دے' تو نہیں کرے گی تو تیرا باپ کرے گا۔'' وہ نئی بلیو چادر کو کانوں کے پیچھے اڑستی ہوئی گویا ہوئیں۔

''چل میں جا رہی ہوں ہانڈی چڑھا لینا۔'' وہ حکم صادر کیے جانے لگیں۔

''امی جلدی آیئے گا۔'' وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں تو کیا میں دو گھڑی وہاں ٹھہروں بھی نا جو تو مجھے جلدی آنے کا کہہ رہی ہے؟ جب دل کرے گا آؤں گی' دماغ خراب نہ کر۔'' اسے صلواتیں سناتی باہر نکل گئیں جبکہ وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆

آج ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ گھر میں آرام کر رہے تھے۔ آج جاب سے انہوں نے چھٹی کر لی تھی۔ انوری بیگم نے شروع سے ہی رضا صاحب اور تسخیر کے درمیان ایک فاصلہ روا رکھا تھا جسے پاٹنے کی تسخیر نے بہت کوشش کی تھی۔ ایک تو رضا صاحب گارمنٹس فیکٹری میں جاب کرتے تھے' اکثر نائٹ میں کام کرتے تھے۔ تسخیر سے ان کی ملاقات بے حد کم ہوتی تھی۔ وہ مختصراً اس کا حال پوچھ لیا کرتے تھے اور وہ ٹھیک ہوں کہہ دیا کرتی تھی اسے لگتا تھا وہ ماں کے ساتھ ساتھ باپ کو بھی کھو چکی ہے۔

ابو آرام کر رہے تھے امی سو رہی تھیں۔ وہ سوپ لے کر کمرے میں پہنچی تو ابو لیٹے ہوئے تھے اسے دیکھ کر وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ بغور تسخیر کو دیکھ رہے تھے۔ ''ابو سوپ'' وہ سوپ انہیں تھماتی کہنے لگی۔

''رکھ دو بیٹا۔'' وہ سوپ سائیڈ پر رکھ کر جانے لگی۔

''بیٹا کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟'' اسے گم صم سے جاتے دیکھ کر وہ اداسی سے بولے۔

''نہیں ابو! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' وہ ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے گویا ہوئی۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹا دل میں کوئی میل نہ رکھنا' تمہیں محبت تو کبھی دے نہ سکا میں نے صرف تمہاری خاطر ہی دوسری شادی کی تھی۔ مجھے کیا علم تھا کہ میرا دوسرا انتخاب اتنا غلط ہوگا۔ انوری نے تم پہ بے طرح مظالم کیے ہیں' میں اس چالاک عورت کو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا اس نے میرے پیسوں پہ قبضہ جما رکھا ہے۔ میں مجبور ہوں گڑیا میں معافی کے قابل تو نہیں ہوں پھر بھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' رضا صاحب اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے رو رہے تھے۔

''ابو! ایسے مت کہیے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔'' اس نے ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

''اللہ سے یہی دعا ہے کہ مجھے اتنی زندگی دے کہ میں تمہارے فرض سے سبکدوش ہو کر سکون سے مر سکوں' یقیناً تمہاری ماں کی روح بے حد مضطرب ہوگی۔ آپا نے مجھ سے بات کی ہے عاطر کو جاب ملتے ہی میں تمہیں رخصت کر دوں گا۔ تم خوش رہو گی تو میں خوش ہو جاؤں گا۔'' وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر رو رہے تھے۔ وہ خاموش

بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ابو نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اتنی طویل گفتگو کی تھی اس کے آنسو مسلسل اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔

”رو نہیں میری بچی اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“ اسے خود سے لگائے مسلسل آہ و زاری کر رہے تھے۔ تسخیر مسلسل روئے جا رہی تھی۔

”ابو مت روئیں پلیز۔“ وہ ان کے آنسو صاف کرتے انہیں سوپ پلانے لگی۔ بیٹی کی معصوم صورت دیکھ کر رضا حسن ایک بار پھر رو پڑے۔

دو دن گھر میں گزار کر ابو کچھ بہتر ہوئے تھے۔ ان دو دنوں میں تسخیر نے ان کا بے حد خیال رکھا تھا۔ وہ حیران تھی کہ چچی جان نے اسے عاطر زکی کے لیے مانگا ہے۔ امی اس بات سے بے خبر تھیں۔ امی نے ان دو دنوں میں ابو کو خوب صلواتیں سنائی تھیں۔ ان کے دو دن جاب پر نہ جانے سے وہ تپی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے رضا حسن ہمت مجتمع کر کے تیسرے دن جاب پر گئے تھے۔ تسخیر نے منع بھی کیا تھا۔ ”ابو ابھی جاب پر نہ جائیں پہلے طبیعت تو ٹھیک ہو جائے۔“ جس پر انوری بیگم نے اسے خوب ڈانٹا تھا۔ رضا حسن پھیکی ہنسی ہنس کر اسے ساتھ لگائے جاب پر جا چکے تھے۔ نہ جانے اسے اتنا رونا کیوں آ رہا تھا۔ اپنے باپ کی بے بسی ای بے قدری پہ وہ بے پناہ روئی تھی۔

یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے تو نے جو صبح سے آنسو بہا رہی ہے۔“ اسے مستقل روتا دیکھ کر انوری بیگم نے اسے زوردار دھمو کا جڑا تھا وہ کراہ کر رہ گئی جب ہی دروازے پر بیل ہونے لگی۔

”تو روتی مرتی رہ۔“ اسے دھکا دے کر وہ دروازہ کھولنے لگیں۔ جب ہی فاروق صاحب، مصطفیٰ انکل (ابو کے کولیگز) نمودار ہوئے۔ وہ ایمبولینس سے اترے تھے۔ وہ بھی دروازے پر پہنچ گئی۔

”بھابی! آفس کے قریب ہی رضا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ٹرالر نے بری طرح اسے کچل ڈالا۔ اسی وقت رضا خالق حقیقی سے جا ملا۔ ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کر دی ہے۔“

فاروق صاحب کہہ رہے تھے جبکہ ان کی ڈیڈ باڈی گھر میں آ رہی تھی یہ الفاظ تھے یا بم جو اس کی سماعتوں پر گرے تھے۔ وہ اسی وقت گر کر بے ہوش ہو گئی۔ جبکہ انوری بیگم سکتے کی کیفیت میں تھیں۔ ایمبولینس دیکھ کر اہل محلہ جمع ہو چکے تھے۔ سب نے عاطر زکی اور چچی جان کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ تسخیر مستقل رو رہی تھی۔

”تو ہے ہی منحوس! پہلے اپنی ماں کو کھا گئی اب باپ کو بھی کھا گئی۔“ انوری بیگم موت کے گھر میں بھی اسے مارنے سے باز نہیں آئی تھیں۔ تدفین کی تیاری عاطر زکی نے خود کی تھی۔ ابو کا آخری دیدار کرتے وہ چارپائی پکڑ کر مسلسل آہ و زاری کر رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی باپ کی محبت ملے اسے تین دنوں کا ہی تو عرصہ ہوا تھا اور وہ بھی چھن گیا وہ بین کر رہی تھی۔

”ابو! امی کے بعد آپ بھی مجھے چھوڑ گئے۔ ابو اب تو میرا کوئی بھی نہیں رہا ابو مجھے بھی اپنے پاس بلا لیں میرا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے کوئی بھی نہیں ہے۔“ وہ چارپائی پر سر پٹختی دیوانہ وار رو رہی تھی۔ اس کے اس طرح رونے سے ہر آنکھ اشکبار تھی۔ چچی جان اسے سنبھالنے کی سعی میں ہلکان ہوئی جا رہی تھیں۔

”تسخیر ایسے نہیں کرتے۔“ چارپائی کے پاس سے ہٹاتے چچی جان خود بھی رو رہی تھیں۔

”مت لے جاؤ میرے ابو کو عاطر بھائی میرے ابو کو مت لے جائیں۔“ وہ اس کا بازو پکڑے اسے جھنجوڑ رہی تھی۔ عاطر کا ضبط بھی اس کی ایسی حالت دیکھ کر جواب دینے لگا تھا۔ بہت مشکلوں سے اس نے تدفین کا کام انجام دیا تھا۔ انوری بیگم خاموشی سے تمام کارروائی دیکھتی رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ نہیں گرا

تھا۔ عدت کرنے کی انہوں نے کوئی زحمت گوارا نہ کی تھی اہل محلہ رشتہ دار کے ساتھ ساتھ چچی جان بھی حیران تھیں' جبکہ تسخیر کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ ابو کی وفات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا مگر تسخیر اب تک اس حادثے سے نکل نہیں پائی تھی۔

☆......☆

امی نانی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ وہ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ سفید دوپٹہ خوبصورتی سے اوڑھے وہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ عاطر جو کچھ دیر قبل ہی یونیورسٹی سے آیا تھا اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ کام میں مگن تھی۔

"تسخیر!" وہ دال میں بگھار لگا رہی تھی جب ہی عاطر زکی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جی۔" پتیلی کو ڈھانپ کر وہ مڑی تھی۔ وہ کچن کے دروازے میں ایستادہ تھا۔ وائٹ شلوار سوٹ میں بے حد خوبرو لگ رہا تھا۔ تسخیر نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ کہنے لگا۔

"اچھا صحن میں چلتے ہیں۔" وہ یہ کہتے ہوئے عاطر زکی کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ کین کی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔

تسخیر بھی دوسری کرسی منتخب کیے عاطر سے فاصلے میں بیٹھ چکی تھی۔ عاطر زکی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہیے کیا کہنا ہے؟" ماتھے پر آئے پسینے کو دوپٹے سے صاف کرتی وہ کہنے لگی۔

"تسخیر! زندگی میں بہت سے حادثات رونما ہوتے ہیں' جن حادثات کا تصور ہم خوابوں' خیالوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ ان حادثات کا سامنا نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے' کسی کے چلے جانے سے ہمیں ایسا لگتا ہے کہ سب کچھ بدل گیا ہے مگر ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا۔ کسی کے چلے جانے سے بہت کچھ تو بدل جاتا ہے مگر سب کچھ نہیں بدلتا' میں جانتا ہوں انکل کے چلے جانے سے تمہیں کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تم اپنی تکلیف یوں عیاں کرتی پھرو ابھی تمہاری خود کی زندگی باقی ہے' تمہیں بہت آگے جانا ہے یوں اداس رہ کر تم اپنے ابو کی روح کو کیوں کر تکلیف پہنچا رہی ہو تمہیں ایسے دیکھ کر کیا ان کی روح مضطرب نہیں ہو رہی ہوگی؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھی آنسو تواتر سے اس کے گلابی رخسار پر بہہ رہے تھے۔

"تسخیر! اب تم نے نہیں رونا' ایگزامز بے حد نزدیک ہیں اور مسلسل 3 مہینے سے تم نے کتابیں بھی نہیں کھولی ہیں۔ کل سے تم اسٹڈی کرتی نظر آؤ۔"

عاطر زکی کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کے تمام دکھ چھین لے اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھتے وہ اسے سمجھا کر جا چکا تھا۔ تسخیر اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

☆......☆

امی صبح سویرے ہی نانی کے گھر چلی جایا کرتی تھیں۔ وہ اپنے تمام کام سمیٹ چکی تھی۔ چچی جان اسکول میں تھیں' جبکہ عاطر زکی کی یونیورسٹی سے واپسی نہیں ہوئی تھی۔ وہ چچی جان کے پورشن کی طرف چل دی۔ ان کے کچن سے کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔

"السلام علیکم چچی جان!" دروازہ کھولتے ہی اس نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" چچی جان نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا۔ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتی وہ اوپر جا چکی تھیں۔ تسخیر نے تو ان کے پورشن کا حلیہ ہی بدل دیا تھا۔ وہ فریش ہو کر کچن کی

جانب کھانا پکانے کی غرض سے بڑھیں تو کھانا پکا ہوا دیکھ کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

"تسخیر! تم نے تو کمال کر دیا۔" چچی جان اسے اوپر آتا دیکھ کر کہہ اٹھیں۔

"چچی جان آپ کو اچھا لگا؟" کتابیں میز پر رکھ کر وہ استفسار کرنے لگی۔

"بے حد اچھا لگا۔" وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے کہنے لگیں' اسی وقت عاطر بھی یونیورسٹی سے آ گیا۔

"اوہو گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔" تسخیر کے ہاتھوں سے پانی کا گلاس لیتے ارد گرد نظر ڈالتا ہوا وہ بے ساختہ کہنے لگا۔

"کیوں نہ ہو میری تسخیر نے جو کیا ہے۔" چچی جان پر مسرت لہجے میں کہنے لگیں۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے تسخیر کو دیکھنے لگا کل کے سمجھانے کا اثر ہوتا دیکھ کر اسے بے طرح خوشی ہوئی تھی۔ وہ فریش ہو کر آیا تو تسخیر دستر خوان پر لوازمات سجا چکی تھی۔

"مما! لنچ تو آپ نے آج بے حد شاندار اور یونیک بنایا ہے۔" عربی چکن پلاؤ اسپون میں ڈالتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"بیٹا جی! لنچ تسخیر نے بنایا ہے۔" دہی بوٹی منہ میں ڈالتے ہوئے وہ گویا ہوئیں۔ وہ سراہے بنا نہ رہ سکا۔ تسخیر خاموشی سے لنچ کرنے لگی۔

"بیٹا تم نے اتنا اچھا لنچ بنانا کہاں سے سیکھا؟" وہ عربی چکن پلاؤ' دہی بوٹی اور لب شیریں کو دیکھتی استفسار کرنے لگیں۔

"چچی جان! جب میں اوپر آئی تو آپ کے بیڈ پر رداڈائجسٹ رکھا ہوا تھا۔ یہ ریسپیز مجھے بے حد پسند آئیں۔ گھر پر تمام اشیاء بھی موجود تھیں تو میں نے بنا لیا۔" وہ پانی پیتے ہوئے بتانے لگی۔ عاطر زکی نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا جبکہ چچی جان بے حد خوش ہوئیں۔ بعد میں وہ اسے اسٹڈی روم میں آنے کا کہہ کے اسٹڈی کا رخ کر چکا تھا۔

"جب وہ اسٹڈی میں چائے اور کتابوں کے ہمراہ آئی تو عاطر کو سوچوں میں گم پایا۔ آج اس نے عاطر زکی کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک دیکھی تھی۔ وہ نجانے کن سوچوں کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔ تسخیر رضا یہ سمجھنے سے قاصر تھی' وہ مستقل پانچ منٹوں سے دروازے پر ایستادہ تھی اس کے آ جانے سے بھی اس کی محویت برقرار تھی۔ اس کے دروازے پر ناک کرنے سے اس کا سحر ٹوٹا تھا۔

"آؤ تسخیر!" اسے بغور دیکھتے ہوئے وہ خود کو کمپوز کیے گویا ہوا۔

"چائے لے لیں۔" اس نے چائے کا مگ اسے تھماتے ہوئے کتابیں قالین پر رکھی تھیں۔

"تھینکس الاٹ مجھے چائے کی بے حد طلب ہو رہی تھی۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے چائے کی سپ لینے لگا وہ اس سے کچھ فاصلے پر براجمان ہو کر اکاؤنٹنگ کی کتاب کھولنے لگی۔

"تسخیر تمہارا بے حد شکریہ تم نے میری باتوں پر غور کیا اور دوبارہ اپنی روٹین میں واپس آ گئیں۔" وہ مگ تھامتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کا بے حد شکریہ آپ نے مجھے اتنی اہمیت دی کہ مجھے یوں سمجھانے چلے آئے۔" وہ عاطر زکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنے لگی۔

"تم نہیں جانتیں کہ تمہاری میری زندگی میں کتنی اہمیت ہے۔ زندگی میں جب بھی تمہیں اپنوں کی ضرورت

پڑی تو اس وقت تم مجھے اپنے ہمراہ ضرور پاؤ گی انشاءاللہ۔" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے دل میں سوچ کر رہ گیا اور اسے سوالات سمجھانے لگا۔

☆......☆

انوری بیگم کا روز کا یہی معمول تھا' ابو کے انتقال کے بعد تو وہ اکثر رات میں بھی گھر نہیں آتی تھیں۔ چچی جان اس کے روم میں آ کر سو جاتیں اور وہ دیر رات تک پڑھتی رہتی۔ اکثر ابو یاد آ جاتے تو پڑھائی میں بھی دل نہ لگتا۔ انوری بیگم کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا بس انہیں گھر صاف ستھرا اور کھانا پکا ہوا ملنا چاہیے تھا۔ وہ گھر کے تمام کام دل لگا کے کرتی تھی۔

"کسی کے نہ ہونے سے بہت کچھ بدل جاتا ہے مگر سب کچھ نہیں بدلتا۔" وہ یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ لنچ کے بعد وہ عاطر سے پڑھتی تھی۔ اس کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔

"پرسوں سے میرے پیپرز ہیں۔ امی تو گھر میں ہوتی ہی نہیں ہیں اس بار آسانی رہے گی۔" کاپی پر نظریں مرکوز کیے وہ کہنے لگی۔ عاطر زکی نوٹ کر رہا تھا کہ وہ اب عاطر بھائی کی رٹ نہیں لگاتی تھی' بلکہ اس کا نام لینے سے ہی گریز کرتی تھی۔

"ہوں! ٹھیک ہے میں یونیورسٹی سے آ کر تمہیں پک کر لوں گا۔ پھر تمہیں کالج چھوڑ کر میڈیکل چلا جاؤں گا۔" وہ کتابیں اسے تھماتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں ٹھیک ہے ویسے اس بار میری تیاری اچھی ہو گئی ہے۔" وہ اسے بتانے لگی۔

"گڈ! یہ دیر رات تک پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ پارٹ ون کی طرح پارٹ ٹو میں بھی مجھے تم سے فرسٹ ڈویژن کی امید ہے۔" عاطر زکی نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

"انشاءاللہ آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مطمئن انداز میں مسکرا دی۔ عاطر زکی نے ایک عرصے بعد اسے یوں مسکراتا ہوا دیکھا تھا۔

چار پیپرز تو خیریت سے گزر گئے تھے پانچویں پیپر میں عاطر کی پھوپھو کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں۔ دو دن ہاسپٹل میں گزار کر وہ گھر آ چکی تھیں۔ طبیعت اب بھی بہتر نہ تھی جب ہی انہوں نے چچی جان کو روک لیا تھا۔ انہیں تنہائی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ عاطر بھی پھوپھو کے گھر ہی رکا ہوا تھا۔ انوری بیگم گھر میں کم ہی ٹکتی تھیں اسی لیے چچی جان نے اسے بھی پھوپھو کے گھر روک لیا تھا پھوپھو کی دونوں بیٹیاں شہر سے باہر تھیں۔ چچی جان اور عاطر ان کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ عاطر زکی نے کہہ دیا تھا وہ دونوں پیپر میں اسے پک کر لے گا۔ وہ مطمئن ہو گئی تھی امی کی روٹین اب بھی وہی تھی وہ اس سے بہت کم ہی مخاطب ہونے لگی تھیں۔ وہ تنہا گھر میں پھرتی رہتی تھی' اسے اکیلے پن سے وحشت ہونے لگی تھی' نانی امی گٹھیا کی مریضہ تھیں اور آج کل وہ بالکل معذور ہو چکی تھیں۔ پانچویں پیپر میں وعدے کے مطابق پیپر سے ایک گھنٹہ قبل ہی عاطر نے پک کر لیا تھا۔ پیپر بے حد اچھا ہوا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہو کر عاطر زکی کا انتظار کرنے لگی۔ عاطر زکی اب تک نہیں آیا تھا وہ پریشان ہونے لگی۔ تمام لڑکیاں بھی جانے لگیں تھیں۔ سڑک پر لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے اور وہ کالج خالی ہونے کی وجہ سے بے حد پریشان ہو رہی تھی۔ آنکھیں بے اختیار بھیگ رہی تھیں رونے کی وجہ سے سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا۔

"خیر تو ہے کیوں رو رہی ہو؟ کوئی پرابلم ہو گئی ہے؟" عاطر اس کے پیروں کے پاس آ کے استفسار کرنے لگا۔

"آپ کہاں تھے؟ میں آپ کا کب سے انتظار کر رہی ہوں۔" وہ ٹشو سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔
"ٹریفک بے حد زیادہ تھی' جب ہی آنے میں دیر ہو گئی' اب رونا بند کرو پلیز وعدہ لاسٹ پیپر میں وقت سے پہلے آجاؤں گا۔" وہ اسے سمجھا کر بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ آج اسے اس قدر پریشان ہوتا دیکھ کر اسے اچھی خاصی حیرت ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تو ہو گیا تھا۔ "آگ برابر لگی ہوئی ہے یہ یک طرفہ نہیں دو طرفہ محبت ہے۔" وہ مسکرانے لگا۔
"لنچ کر لینا۔" تاکید کر کے وہ اسے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھنے لگی۔ آج اسے عاطر زکی سے بے پناہ اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔

☆......☆

"سن لڑکی ذرا چل میرے ساتھ نانی کے گھر۔" وہ برتن دھو رہی تھی اور یاد کیے سوالوں کو دہرا رہی تھی' جب انوری بیگم کہنے لگیں آج اس کا آخری پیپر تھا۔
"امی! میرے سر میں بے حد درد ہو رہا ہے' میں نانی امی کے پاس کل چلوں گی آج آپ ہو آئیں۔" وہ دھلے ہوئے برتن شیلف میں رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" انوری بیگم کے دل میں کھٹکا سا ہوا۔ وہ یہ کہہ کر چادر اوڑھنے لگیں۔ پورے راستے وہ سوچتی رہیں کہ آخر کیا وجہ ہے جو تسخیر نے آج ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا وہ حیرت میں مبتلا تھیں کہ آخر ایسی کیا وجہ ہے جو آج تسخیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بدلتے انداز و اطوار تو وہ پہلے ہی سے ملاحظہ کر رہی تھیں وہ پورے راستے سوچنے میں مگن تھیں' جبکہ تسخیر تولیے سے ہاتھ خشک کرتی اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ امی نے اسے آج منع کرنے کے باوجود اٹھایا مارا نہیں۔ وہ خود کو پہلے ہی پٹائی کے لیے تیار کر چکی تھی۔
عاطر زکی اسے پک کرنے آچکا تھا۔ وہ بیگ لیے جلدی سے آ گئی۔
"آج میرا بزنس مینجمنٹ کا پیپر ہے دعا کیجیے گا کہ پیپر بے حد اچھا ہو۔" وہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔
"انٹرسٹنگ سبجیکٹ ہے تم بے فکر رہو ان شاء اللہ پیپر اچھا ہی ہو گا۔" وہ بائیک سڑک پر دوڑاتے ہوئے کہنے لگا۔
وہ اسے کالج میں ڈراپ کر کے جا چکا تھا۔
اس کا پیپر بے حد اچھا ہوا تھا۔ عاطر زکی کا guess بالکل ٹھیک ہوا کرتا تھا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ کالج کے گیٹ سے نکلتے ہی عاطر زکی بائیک کے پاس پاپ کورن تھامے نظر آیا۔
"آج میرا پیپر بے حد اچھا ہوا۔" وہ مسرور ہوتے ہوئے کہنے لگی۔
"ہوں! یہ تو بہت اچھی بات ہے مجھے اندازہ تو تھا پیپر بلاشبہ اچھا ہی ہو گا۔ عصر کی نماز میں میں نے دعا بھی کی تھی۔" وہ پاپ کورن اسے تھماتے ہوئے گویا ہوا۔
"آپ بے حد اچھے ہیں۔ آپ نے میرے لیے اتنا کیا شاید کوئی اپنا بھی نہ کرے جتنا آپ نے میرے لیے کیا ہے۔ میں آپ کی بے انتہا مشکور ہوں۔" وہ اسے بغور دیکھنے لگی جو بلیو جینز' بلیو اینڈ وائٹ پرنٹڈ شرٹ اور وائٹ جیکٹ پہنے بے حد چارمنگ لگ رہا تھا۔
"اوہو اب شرمندہ تو نہ کرو۔" وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا اور وہ دل سے دعا کرنے لگی کہ عاطر زکی کے ہمراہ یہ سفر آخری نہ ہو۔
ابو کی کہی بات اب تک اس کے ذہن میں تھی اور وہ ابو کا انتخاب بھی ہے۔ عاطر زکی اسے اور زیادہ اچھا لگنے لگا

تھا۔ عاطر زکی بلاشبہ اچھا لگنے کے لائق تھا۔ چچی جان نے اس کی تربیت ہی اس انداز کی تھی وہ دونوں ماں بیٹے ہر ایک سے بے لوث محبت کرنے کے عادی تھے۔ وہ عاطر زکی کی ہمراہی کے لیے دعا گو تھی اس کے ہمراہ زندگی بے انتہا سہل اور معصوم ہوتی تھی۔

”تسخیر مجھے یاد دلانا گھر سے مما کا چشمہ لینا ہے مما لینا بھول گئی تھیں۔ انہیں رسالے پڑھنے میں بے حد دشواری ہو رہی ہے۔“ وہ سوچوں کے گرداب میں پھنسی ہوئی تھی جب عاطر زکی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”جی اچھا!“ بائیک رکی تھی۔ سڑک پر ٹریفک بے حد زیادہ تھی۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی پھر دوبارہ اس کا ذہن اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔ کب گھر آیا اسے خبر نہ ہوئی۔

”اپنا دھیان رکھنا۔“ اس کو تاکید کر کے وہ بائیک موڑ چکا تھا اور وہ حسرت سے اسے جاتا دیکھنے لگی۔ عاطر کے چلے جانے سے دل میں عجیب سی خلش نے سر ابھارا تھا وہ مضطرب سی دروازہ کھولے گھر میں داخل ہوئی۔ تالا کھلا ہوا تھا یہ دیکھ کر اس کا دل بند ہونے لگا۔ وہ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوئی‘ جب ہی اس کی نگاہ امی پر پڑی جو کچن میں کھڑی تیکھے چتونوں سے اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

”آ گئی اپنے عاشق کے ساتھ۔“ وہ اسے خشمگین نگاہوں سے گھورتی اول فول کہنے لگیں۔

”امی! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ اس نے بامشکل جملہ ادا کیا تھا۔

”منع کیا تھا ناں کہ تو آگے نہیں پڑھے گی تو میرے ناک کے نیچے رنگ رلیاں منانے سے باز نہیں آئی۔“ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس کے ریشمی بالوں کو نہایت مضبوطی سے انہوں نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور مسلسل اسے مار رہی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ جلادوں جیسا سلوک کر رہی تھیں اس کے ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ وہ دیوار پر اس کا سر ٹکرانے لگیں۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان سے اپنا آپ چھڑا پاتی۔

کچھ دور جا کر عاطر زکی کو یاد آیا کہ وہ مما کا چشمہ لینا ہی بھول گیا۔ وہ دوبارہ گھر کی جانب بڑھا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے میں ہلکی سے دستک دے کر گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ انوری بیگم اس کا گلا دبا رہی تھیں۔ ایک پل کو تو اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا حواس بحال کرتے وہ فوراً آگے بڑھا تھا۔

”کیا جہالت کر رہی ہیں آپ؟ چھوڑیں آپ تسخیر کو۔“ وہ غم و غصے کی کیفیت میں تھا۔

”آ گیا عاشق، بلیلی کی مار پر تجھے چوٹ لگی جو بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔“ وہ فضولیات کہنے لگیں۔

”خالہ چھوڑیں اسے ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔“ ان کی فضول بکواس کو نظر انداز کیے وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح آگے بڑھا تھا۔ محلے کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ تسخیر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ محلے کی عورتوں نے انوری بیگم کو پکڑ لیا تھا۔ محلے والوں کے ہمراہ عاطر زکی تسخیر کو ہاسپٹل لے آیا تھا۔ اس کا حال بے حد برا ہو رہا تھا۔ چچی جان مسلسل روئے جا رہی تھیں۔ آئی سی یو میں دو گھنٹے گزارنے کے بعد تسخیر کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

چچی جان بے حد اطمینان محسوس کر رہی تھیں‘ جبکہ عاطر زکی بھی جان میں جان آ گئی تھی۔ وہ تسخیر کو دوبارہ اس دلدل میں پھینکنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اہل محلہ کو معلوم تھا کہ انوری بیگم تسخیر کے ساتھ کیسا سلوک کرتی تھیں۔ اسی

وقت انکل آفاق (محلے دار) نے کہا تھا۔ "بیٹا! تم اس بچی سے نکاح کرلو' رضا صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے ذکر کیا تھا۔ ورنہ اس کی ماں اس کی جان لے لے گی۔ آج بھی تم اگر بروقت نہ پہنچتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔"

متعدد محلے والوں نے کہا تھا اور چچی جان کی بھی یہی دیرینہ خواہش تھی مگر اس طرح وہ شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ عاطر زکی کو دولہا بنے دیکھنے انہوں نے تصور میں بے شمار مرتبہ دیکھا تھا مگر وہ ولیمہ بڑے پیمانے پر کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

یوں بڑوں کی رضامندی سے ان دونوں کا نکاح کروادیا گیا تھا۔ وہ بے وجہ رو رہی تھی۔ امی نے اسے بے حد دل برداشتہ کردیا تھا۔ چچی جان مسلسل اسے سمجھا رہی تھیں جبکہ اس کا سامنا کرنے میں بے حد ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ اسی وقت امی ہاسپٹل آگئیں۔

"آپا تمہیں پتا تھا اور تم نے مجھے بے خبر رکھا اور ان دونوں کے کھیل میں شریک ہوئیں۔" وہ چچی جان کو کہنے لگیں۔

"رضا بھائی سے میں نے اپنی تسخیر کا ہاتھ مانگا تھا اور وہ بخوشی راضی تھے اور انہوں نے ہی مجھے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔" چچی جان نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"بس بس مجھے صفائی پیش نہ کریں۔" وہ ہاتھ اٹھاتے کہنے لگیں۔

"ویسے آپ کس کھیل کی بات کررہی ہیں ہم نے کونسا کھیل رچایا ہے؟ آپ اسی وقت یہاں سے چلی جائیں تو بہتر ہے۔" وہ جو ڈسپنسری سے دوا لے کر آیا تھا انوری بیگم کو وارڈ میں ایستادہ دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے تھے وہ انہیں تنبیہ کیے بنا نہ رہ سکا۔ نکاح کے بعد پہلی بار اس نے تسخیر کو دیکھا تھا جو چچی جان کے کاندھے سے لگی بیٹھی تھی۔

"میں تسخیر کو لینے آئی ہوں۔" وہ چچی جان سے اسے الگ کرتے گویا ہوئیں۔

"کس حق سے؟" وہ انہیں گھورتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"بیٹی ہے یہ میری۔" وہ کہنے لگیں۔

"یہ آپ کی بیٹی کبھی تھی ہی نہیں' ماں کے حقوق سے واقف بھی ہیں آپ یا نہیں؟ اب یہ میری بیوی ہے' اب آپ جاسکتی ہیں اور آئندہ آنے کی زحمت نہ کیجئے گا۔" وہ بیوی پر زور دیتے گویا ہوا۔ وارڈ انچارج انوری بیگم کو مسلسل جانے کے لیے کہہ رہے تھے وہ فقط بیوی سن کر ہکابکا رہ گئیں تھیں۔

"اگر آپ نہیں گئیں تو میں پولیس بلواؤں گا' کیونکہ یہ پولیس کیس تھا۔" وہ غضبناک لہجے میں کہنے لگا۔ وہ فقط پولیس سن کر ہی وہاں سے جانے میں عافیت سمجھنے لگیں۔

"آپا جو کام آپ کو کرنا چاہیے تھا وہ کام ہم نے کردیا۔ آپ کی بیٹی کا نکاح ایک معزز اور شریف گھرانے میں کرادیا۔" آفاق صاحب کے یہ کہنے کی دیر تھی انوری بیگم نے قہر بھری نظروں سے ہر ایک کو دیکھا تھا اور پاؤں پٹختی جاچکی تھیں' جبکہ تسخیر کے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

☆......☆

وہ بے حد ڈسٹرب تھی۔ وہ لوگ عاطر زکی کے نئے فلیٹ میں رہ رہے تھے۔ انوری بیگم نے خود ہی وہ گھر چھوڑ دیا تھا اور نانی کے گھر شفٹ ہوگئیں تھیں۔ عاطر زکی نے وہ گھر بیچ دیا تھا۔ وہ گم صم سی رہنے لگی تھی' چچی جان اور

عاطر بے حد پریشان تھے وہ اسے اس صدمے سے نکالنے کی تگ و دو میں تھے۔ چچی جان نے چار دنوں بعد ولیمے کا فنکشن ارینج کیا تھا۔ وہ چائے بنانے میں مگن تھی جب ہی عاطرزکی نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' عاطرزکی نے بے حد محبت سے استفسار کیا تھا۔

''چائے بنا رہی ہوں' آپ اور چچی جان تو مجھے کوئی کام کرنے ہی نہیں دیتے۔'' وہ چائے مگ میں انڈیلتی خفگی سے کہنے لگی۔

''سب کر لینا فی الحال مجھے زبردست سی چائے پلاؤ۔'' وہ یہ کہتے ہوئے کچن میں رکھی ڈائننگ کی کرسی پہ براجمان ہوتے ہوئے کہنے لگا۔ تسخیر بھی چائے لئے ڈائننگ کی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''تسخیر! اتنی اداس کیوں رہتی ہو' خوش رہا کرو۔'' عاطرزکی نے اس کی کلائی تھامی تھی۔

''میں خوش تو رہتی ہوں۔'' وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں واقعی بے تحاشہ خوش ہوں' بس کچھ اپنوں کا دکھ ہے جسے یاد کر کے میں اداس ہو جاتی ہوں۔'' وہ بے حد ضبط کر رہی تھی پھر بھی آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر رخسار پر نقش و نگار بنا رہے تھے۔

''تسخیر! روؤ نہیں' کبھی کبھی ہم جس سے توقع کرتے ہیں' وہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس جگہ سے ہمیں وہ چیز ملتی ہے جہاں سے ہمیں امید ہی نہیں ہوتی' جو دل کو سخت چوٹ پہنچائے وہ اکثر اپنے ہی ہوتے ہیں' کیونکہ غیر نہیں جانتے کہ دل کو تکلیف کس بات سے ہوتی ہے۔'' عاطر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تیکھے نقوش' گلابی رنگت والی یہ لڑکی اسے بے حد عزیز تھی۔

☆......☆

آج ان کا ولیمہ تھا۔ چچی جان نے اپنے طور پر اچھے خاصے بڑے پیمانے پر اپنی بساط سے بڑھ کر ولیمے کا فنکشن ارینج کیا تھا۔ تمام انتظامات عاطرزکی نے خود کیے تھے۔ وہ بے حد تھک گیا تھا' تھکن کے باوجود بھی بلیک کوٹ پینٹ' ڈارک پرپل شرٹ اور کوٹ کی شرٹ کی پاکٹ میں شاکنگ پنک روز ڈالے وہ بے انتہا خوبرو لگ رہا تھا' جبکہ تسخیر رضا ڈارک پرپل اور شاکنگ پنک شرارہ پہنے' جیولری چوڑیوں سمیت بے حد حسین لگ رہی تھی۔ عاطرزکی کی تو نگاہ ہی نہیں ہٹ رہی تھی اس نے پہلی بار اسے اتنا تیار دیکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے برابر میں بیٹھے بے حد اچھے لگ رہے تھے' چچی جان نے بے ساختہ ان کی جوڑی کی نظر اتاری تھی۔ اہل محلہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا' جبکہ انوری بیگم نے ولیمے میں آنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ سب ان کی جوڑی کو سراہ رہے تھے۔ عاطرزکی بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اسے پزل کر رہی تھیں۔

''بے حد پیاری لگ رہی ہو۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا۔ تسخیر کی مسکان نے بے ساختہ اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

''آپ بھی اچھے لگ رہے ہیں۔'' وہ کہنے لگی' جبکہ اب کہ مسکرانے کی باری عاطرزکی کی تھی۔ وہ خود کو بے حد مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ ہنستی مسکراتی تسخیر اسے اپنے دل کے بے حد قریب لگی تھی۔ تمام مہمان جا چکے تھے' تمام مہمانوں کو رخصت کر کے ان لوگوں نے بھی گھر کا رخ کیا تھا۔

کمرہ بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ لائٹ پنک کمرے کو سرخ گلاب کی ادھ کھلی کلیوں سے سجایا گیا تھا۔ ہر سو سرخ گلاب کی مہک چھائی ہوئی تھی' جہازی سائز بیڈ کو گول مسہری سے سجایا گیا تھا۔ بیڈ کے چاروں طرف

سرخ گلاب اور موتیے کی لڑیاں نہایت نفاست سے آراستہ کی گئی تھیں۔ بیڈ کے درمیان میں بیٹھ کر تسخیر رضا ماحول کی خوبصورتی کو آنکھوں میں جذب کر رہی تھی' جب ہی دروازہ ناک ہوا تھا اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔

"السلام علیکم!" قدموں کی چاپ کے ساتھ ہی عاطر زکی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ حیا سے اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ وہ بیڈ پر اس کے برابر میں براجمان ہو چکا تھا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔

"خوابوں' خیالوں میں تمہیں اپنے لیے سجا دیکھا ہے۔ آج میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہے۔"

اس کی مہندی اور چوڑیوں سے بھری کلائی تھام کر سلور گولڈ کے کنگن ڈالے وہ کہہ رہا تھا۔

"تسخیر تم خوش ہونا؟" اس کی ٹھوڑی کو اپنی شہادت کی انگلی سے اٹھاتے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے عاطر زکی نے بے حد آس سے پوچھا تھا۔

"جی!" اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ اس کی کالی بھنورا آنکھوں میں اپنے لیے بے شمار محبت کی جلتی شمعیں دیکھ کر اس کا حوصلہ جواب دینے لگا تھا۔

"مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے؟" وہ نظریں جھکائے کہنے لگی۔

"پوچھو!" وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"عاطر! آپ نے میرے اپنوں سے بڑھ کر میرے لیے کیوں کیا؟" آنکھوں سے سیل رواں تھے' بھیگی آنکھوں والی لڑکی نے عاطر زکی کے دل کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ انگلیوں سے اس کے آنسو چننے لگا۔

"تم نہیں رونا میری جان۔ رشتے خون کے نہیں احساس کے ہوتے ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا احساس کا رشتہ ہے۔ میری ہمدردی کب محبت میں بدلی مجھے احساس نہیں ہوا۔ میں خود اپنی اس تبدیلی پر برسوں سے حیران ہوں۔ اب تم رونا نہیں۔" وہ شدت جذبات سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھامے گویا ہوا۔

"کہاں کھو گئیں؟" عاطر زکی نے اسے ارد گرد سے بے نیاز ہوتے دیکھ کر کہا تھا۔

"کہیں بھی نہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

"عاطر! آپ مجھے بے حد اچھے لگتے ہیں۔ آپ کے زندگی میں آ جانے سے زندگی سہل ہو گئی ہے۔" وہ مسرور ہو کر بتانے لگی۔

"رزلٹ آنے سے پہلے ہی M.com کی تیاری شروع کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے تمام پیپر کلیئر ہوں گے۔" وہ محبت سے اس کے ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔

"کیا واقعی؟" وہ متحیر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"جی میری زندگی۔" اس نے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

"آپ مجھے بے حد بے انتہا بے تحاشا اچھے لگتے ہیں۔" وہ اس کے شانے پر سر رکھے دل کی بات کہہ گئی تھی۔

"تم بھی مجھے بے طرح اچھی لگتی ہو۔" اس نے نہایت محبت سے اس کے بال سنوارے تھے۔ عمر بھر اسے خوش رکھنے کا عہد کرتے اس کی صبیح پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔ تسخیر رضا نے نہایت عقیدت سے اپنے ہمسفر کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے وارفتگی دیکھ کر وہ جھینپ گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ عاطر زکی کی ہمراہی میں زندگی نہایت پر مسرت اور خوب صورت ہو گی۔



القریش پبلی کیشنز کے نئے ناول شائع ہو گئے ہیں

ناول	مصنف	قیمت
اب کر میری رفوگری	سائرہ رضا	-/600 روپے
رگِ جاں سے جو قریب تھے	صالحہ محمود	-/600 روپے
دل کی دہلیز پہ	اشتیاق فاطمہ	-/600 روپے
میرے ہمنوا کو خبر کرو	فاخرہ گل	-/600 روپے
زندگی کی حسین راہ گذر	سمیرا شریف طور	-/400 روپے
وہ اک لمحہ محبت	سمیرا شریف طور	-/400 روپے
درِ دل	نبیلہ عزیز	-/900 روپے
زرد پتوں کا شجر	نایاب جیلانی	-/400 روپے

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ، چوک [illegible]
فون: 376[illegible]2546 [illegible]

تہمینہ بانو

ناولٹ

انوکھے رشتے

رات آہستہ آہستہ سرکتی جارہی تھی لیکن نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس وقت وہ گہری سوچوں میں بھٹک رہی تھی۔
''یا اللہ! اور کتنی آزمائش لکھی ہے میری قسمت میں



آخر اور کتنی تکلیفیں ہیں میرے مقدر میں؟"

وہ بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی اور پتہ نہیں کتنی دیر گھورتی رہتی اگر پاس لیٹا سنی رونے نہ لگتا تو۔

☆......☆

"آپی! آج پھر موسم ابر آلود ہے۔" اس نے ایبا کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔ جب کہ وہ ہنوز ویسے ہی بیٹھی رہی۔

"آپی! آج پھر بھیا سے جھگڑا ہوا ہے؟" وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ہاں ہوا ہے۔ جھگڑا اور ہمیشہ کی طرح وجہ صرف تم ہو۔" وہ ایک دم بھڑکی۔

"آپی! آپ دونوں آخر مجھے درمیان میں کیوں لاتے ہیں؟" نیہا سمجھ گئی تھی پھر جی جو جی نے کوئی کامپلیکس پاس کر دیا ہو گا۔

"میں نہیں وہ جان بوجھ کر تمہیں درمیان میں گھسیٹتا ہے اس کی ہر بات کی تان تم پر ہی ٹوٹتی ہے۔" ایبا غصے سے بھری بیٹھی تھی۔

ریحان ایبا کا منگیتر تھا۔ جب بھی اس سے بات کرتا تو کسی بھی بات میں مثال وہ نیہا ہی کی دیتا تھا۔ اسے ایبا میں بہت سی خامیاں نظر آتی تھیں کہ وہ کم



گو وہ بوی ذری سی بھی سی لڑکی ہے۔ اس میں اعتماد کی کمی ہے۔ شوخ چنچل نہیں ہے۔ وہ لیہا کی زندگی کے ہر پہلو کا موازنہ نیہا سے کرتا تھا۔ وہ کہتا اسے وہ لڑکیاں پسند ہیں جو زندگی سے بھرپور اپنا احساس دلائیں۔ ہر طرح سے پرفیکٹ نظر آئیں۔ وہ صاف کہہ دیتا کہ وہ نیہا جیسی لڑکیاں پسند کرتا ہے۔ ایسی باتیں کر کے وہ لیہا کو خوب جلاتا رہتا تھا اور لیہا اپنا غصہ نیہا پر اتارتی تھی۔

ریحان، لیہا کے والد کے دوست کا بیٹا تھا جو زیادہ تر آؤٹ آف کنٹری رہتا تھا جب لیہا کو اس سے منسوب کیا گیا تھا وہ باہر ہی تھا وہاں لیہا کی تصویریں بھجوائی گئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر اسے لیہا بہت پسند آئی تھی۔

لیکن جب وہ انگیجمنٹ کے لیے پاکستان آیا تو فنکشن پر اس نے پہلی دفعہ نیہا کو دیکھا تھا جو اسے لیہا سے زیادہ پسند آئی تھی لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ وہ ہر طرح سے لیہا کو نیہا کی طرح کا دیکھنا چاہتا تھا جو کہ نیہا کے مخالف تھی۔ ویسے وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی خوب صورت بھی تھی اپنی جگہ۔ وہ تین ماہ تک رہا تھا پاکستان میں اور زیادہ وقت اس نے لیہا کے گھر میں ہی گزارا تھا۔

”اب کیا کہہ دیا ہے بھائی نے؟“

”ہائیٹ نیہا کی طرح کی نہیں کر سکتی تو جسامت میں ہی اس کی طرح کی ہو جاؤ۔“ اس نے ریحان کی نقل اتاری۔

نیہا دبلی پتلی بہت پیاری لگتی تھی۔ جب کہ لیہا دن بدن موٹی ہوتی جا رہی تھی۔ ہائیٹ بھی اتنی نہیں تھی۔

”آپی! اس میں غصہ کرنے والی کیا بات ہے وہ مذاق کر رہے ہوں گے۔“ نیہا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”پہلے میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اب مجھے لگتا ہے وہ سیریس انداز میں کہتا ہے۔ میں نے بھی آج اس سے کہہ دیا ہے کہ میں پسند نہیں ہوں تو منگنی توڑ دو حالانکہ یہ مجھے بہت پہلے کہہ دینا چاہیے تھا۔“

”تو بھیا نے کیا کہا؟“ نیہا پریشان ہو گئی تھی اس نے کبھی اس موضوع کو سیریس نہیں لیا تھا۔

”کہتا ہے کہ اب کوئی فائدہ نہیں ہے جس سے چاہتا تھا وہ تو پہلے سے ہی کمیٹڈ ہے اگر بات کمیٹڈ تک کی ہوتی تو پھر بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا، پر یہ نکاح والی بات نے ہی میرے ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں۔“ لیہا بتاتے ہوئے رونے لگی وہ ریحان کو بہت چاہنے لگی تھی۔

”آپی پلیز! پریشان نہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپی میں نے انہیں ہمیشہ بھائیوں کی طرح ٹریٹ کیا ہے مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ وہ ایسی گھٹیا سوچ رکھتے ہیں۔ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ ویسے ہی آپ کو تنگ کرتے ہیں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے فرض کریں اگر آپ جو کہہ رہی ہیں اگر وہ سچ ہے تو پھر بھی اب ایسا ویسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ہر دفعہ انہیں آپ کی طرف سے ہی تنگ کیا ہے۔ انہوں نے کبھی بھی مجھ سے اس طرح بات نہیں کی کہ جس سے مجھے فیل ہو کہ وہ غلط ہیں۔“

☆......☆

ثمن اور عکاش وحید کی دو بیٹیاں ہی تھیں۔ لیہا اور نیہا۔ لیہا نے میٹرک کر رکھا تھا آگے پڑھنے کا شوق نہیں تھا جب کہ نیہا بی اے کر رہی تھی۔

عکاش وحید کا دوست احمد وقاص اس کی بیوی پلوشہ کے دو بیٹے ریحان اور ارمان ایک بیٹی ایشا تھی۔

لیہا کی ڈیڑھ سال پہلے ریحان سے انگیجمنٹ ہوئی تھی۔ جب کہ چھوٹی نیہا کا پھوپھو زاد علی سے دو سال پہلے نکاح ہوا تھا۔ نیہا کی پھپھو سکینہ کے چار بیٹے سمعان، نمیر، عزیر، علی رضا اور ایک بیٹی دعا تھی۔ سکینہ پھپھو کے سب بچے شادی شدہ تھے۔ صرف علی ہی تھا جس کا نکاح کیا گیا تھا۔ ابھی باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی تھی یا شاید وہ ہی نہیں چاہتا تھا ابھی۔

☆......☆

”پچھلے دو گھنٹے سے میں ادھر گھر میں آیا ہوا ہوں۔

وہ بھی صرف تم سے ملنے کے لیے اور تم ہو۔ ایک دفعہ بھی کمرے سے باہر جھانکنے کی کوشش نہیں کی کہ دیکھ ہی لو شاید تمہارا کوئی منتظر ہو۔''

وہ سوچوں کے گہرے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ جب اس کی سماعتوں سے علی کی دلفریب آواز ٹکرائی اس نے سر اٹھا کر دیکھا دروازے کی طرف جہاں وہ جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے پرشوق نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اوہ..... ایم سوری۔''

وہ بھول گئی تھی کہ آج سنڈے ہے کیوں کہ علی سنڈے کو ہی اس سے ملنے آتا تھا۔ وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھا۔

''کیا بات ہے تمہارا موڈ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔''

وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''نہیں آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' وہ خود کو نارمل کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے ریحان والی بات کیسے بتاتی وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم گردان رہی تھی۔

''اب تم مجھ سے باتیں بھی چھپاؤ گی۔''

''علی پلیز! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کیوں پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔'' اس کی آواز تھوڑی تیز ہو گئی تھی۔

''نیہا! یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔''

وہ چپ رہی۔

''نیہا!'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی جسے اس نے جلدی سے پیچھے کر لیا تھا علی کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری تھی۔

''نیہا! ایسا کب تک چلے گا، دو سال ہو گئے ہیں ہمارے نکاح کو لیکن ابھی بھی لگتا ہے تم مجھے دل سے قبول نہیں کر پائیں۔''

''نہیں علی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔

''بس مجھے یہ حرکتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔''

''نیہا! تم بھول رہی ہو میں تمہارا مجازی خدا ہوں۔ یہ استحقاق رکھتا ہوں۔''

''میں مانتی ہوں لیکن.....'' اتنی دیر میں لیہا چائے لے کر آ گئی تو وہ اس سے باتوں میں لگ گیا۔

☆.....☆

کچھ ہی عرصے میں لیہا کی شادی ہو گئی۔ نیہا نے سکھ کا سانس لیا کیوں کہ اب اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیہا اپنے گھر خوش تھی یا شاید اسے دکھانے کے لیے خوش تھی۔ نیہا کچھ بھی قبول کرنے سے قاصر تھی۔ ریحان نے شادی کے بعد اسے مکمل طور پر بدل دیا تھا۔ وہ جو سادگی کا پیکر تھی اب چوبیس گھنٹے میک اپ چھواری میں نظر آتی تھی۔ اب وہ نیہا سے زیادہ پیاری لگتی تھی۔ نیہا کا کہنا تھا کہ وہ تو ہیرا ہے جسے صرف تراشنے کی ضرورت تھی۔ جس پر لیہا پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ نیہا نے کافی دفعہ محسوس کیا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ''خود کو سرتاپا بدلنے کے بعد بھی تمہارے جیسی نہیں بن سکتی۔'' یعنی ریحان بھائی ابھی بھی باتیں بتانے سے بعض نہیں آتے نیہا کو بہت غصہ آیا وہ پہلے سے بھی زیادہ نفرت کرنے لگی تھی ریحان سے۔

☆.....☆

''نیہا! نیہا کہاں ہو بھئی۔'' علی داخلی دروازے سے انٹر ہوتے ہی اسے پکارنے لگا تھا۔

''کیوں چلا رہے ہیں۔'' ڈرائنگ روم سے آواز آئی وہ اس طرف چل دیا۔ وہ ڈرائنگ روم کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

''نیہا! جلدی سے تیار ہو جاؤ آج ہم باہر گھومنے پھرنے چلتے ہیں۔'' اس نے اس کے ہاتھ سے ڈسٹر لے کر ایک کونے میں پھینک دیا۔

''مجھے نہیں جانا۔'' اس نے دوبارہ ڈسٹر پکڑ لیا۔

''میں کوئی انکار نہیں سنوں گا ویسے بھی میں نے مامی سے اجازت لے لی ہے۔'' اس نے ایک دفعہ پھر ڈسٹر پکڑ کر پھینک دیا۔

"پہلے میں کتنا تمہارے ساتھ کہیں گئی ہوں جواب جاؤں گی۔" نیہا کو ایک دم غصہ آیا۔

"پہلے کی بات اور تھی۔ آج میں بہت خوش ہوں اور چاہتا ہوں کہ یہ خوشی تمہارے ساتھ سیلیبریٹ کروں۔"

"Why you happy?" نیہا نے آبرو اچکا کر پوچھا۔

"یار! آج ابو نے مجھے اپنا ذاتی ہاسپٹل بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ نیہا تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ یہ میرا کتنا بڑا خواب ہے۔" وہ بہت ایکسائٹڈ تھا۔

"مبارک ہو آپ کو۔ لیکن میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی ایم سوری ہاں گھر میں سیلیبریٹ کر لیتے ہیں۔"

"نیہا۔" وہ ایک دم بجھ سا گیا۔

"ان دو سال میں مجھے کوئی ایسا لمحہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا جب تم میری خوشی میں خوش ہوئی ہو۔ کبھی بھی تم نے میری خواہش پوری کی ہو۔" اسے غصہ آنے لگا تھا۔

"یہ کس کی خواہش ہے؟" اس نے اسٹیپ کٹنگ بالوں کی طرف اشارہ کیا جن کی پونی نکلی ہوئی تھی۔

"کبھی تم نے اس ریلیشن کے بارے میں کچھ اچھا کہا۔" اس نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

"کبھی تم نے جھوٹے منہ ہی پیار کا اظہار کیا۔" وہ چیخ رہا تھا۔ جب کہ وہ بالکل نارمل تھی۔

"میں شادی کے بعد کی محبت کی قائل ہوں۔"

"ہم ایک دوسرے کے کیا لگتے ہیں؟" اس نے نیہا کا جھکا سر غصے سے اوپر کیا۔

"کیا ہماری شادی نہیں ہوئی ہے۔"

"نہیں......!" نیہا نے دوٹوک کہا۔

"واٹ!" اسے صحیح معنوں میں جھٹکا لگا۔

"کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟"

"میں...... میں تمہاری منکوحہ ہوں فی الحال۔"

"اف اللہ! تو منکوحہ کیا ہوتی ہے۔" علی نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"جس کا صرف نکاح ہوا ہوتا ہے جیسا کہ میرا اس لیے ہمارے درمیان کچھ لمٹ باقی ہیں جنہیں ہم کراس نہیں کر سکتے۔"

"یار! میری نالج کے مطابق نکاح سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے جو ایک میاں بیوی کے تعلق کو ظاہر کرے۔" وہ چپ رہی۔

"آخر تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟"

"میں لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی۔" اس کا اشارہ پھپھو کی طرف تھا۔

"ایسی باتوں سے بچنے کی خاطر میں نے انگیجمنٹ کی بجائے نکاح کو ترجیح دی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم اس کو بھی کوئی اہمیت نہیں دو گی تو میں ڈائریکٹ رخصتی ہی کرواتا۔" اس کا غصے سے منہ سرخ ہو چکا تھا۔

"علی پلیز! مجھے غلط نہیں سمجھیں۔ مجھے آپ کی خوشی و خواہش ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہے۔ لیکن ابھی میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آئی شیور جب رخصتی ہو جائے گی تو میں کوئی خوشی اور کوئی خواہش رد نہیں کروں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی جو بھی تھا اس نے علی کا دل دکھایا تھا۔ جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

"ہم گھر میں بھی اچھے سے سیلیبریٹ کر سکتے ہیں۔" اس نے بے اختیار ہی اس کا بازو پکڑا تھا جسے علی نے بے دردی سے چھڑا لیا۔

"اب جو بھی خوشی ہوگی وہ رخصتی کے بعد اپنے گھر میں ہی سیلیبریٹ ہوگی۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"اور نیکسٹ سنڈے میں تمہارے ساتھ اپنے گھر میں ہی گزاروں گا۔" انگلی اٹھا کر وارن کرتا وہ ایک جھٹکے سے مین گیٹ کراس کر گیا تھا۔ وہ پیچھے سے پکارتی ہی رہ گئی تھی۔

"بیٹا! تم کیوں اپنے ہاتھوں ہی اپنی زندگی برباد کر رہی ہو۔" ڈرائنگ روم سے باہر نکلی تو وہاں مما کو

کھڑے پایا۔ جو یقیناً ان کی ساری باتیں سن چکی تھی۔

''بیٹا! تمہیں اپنے شوہر سے بڑھ کر اور کوئی چیز عزیز نہیں ہونی چاہیے۔ تم سکینہ (پھپھو) کو خود موقع دے رہی ہو۔ ظاہر ہے جب شوہر کو ہی خود سے بدظن کردو گی تو پیچھے کیا باقی رہ جائے گا۔'' مما کہہ کر وہاں رکی نہیں تھیں۔

☆......☆

علی نے اپنے گھر والوں سے نیہا کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو ماں کے علاوہ سب ہی راضی تھے۔ اس نے ایک طرح سے ماں کو رضامند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مانیں۔ جب علی نے گھر چھوڑنے کی دھمکی دی تو انہیں مانتے ہی بنی۔ وہ علی کو اچھے سے جانتی تھیں علی جتنا ان کا لاڈلہ تھا اتنا ہی ضدی بھی تھا۔

اسے ماں پر کچھ خاص بھروسہ نہیں تھا کہ کب کسی چھوٹی سی بات کو جواز بنا کر انکار کردیں۔ اس لیے اس نے منگنی کے بجائے نکاح کو ترجیح دی تھی۔

☆......☆

دو دن ہو چکے تھے علی کی فون کال تو کیا ایک میسج تک نہیں آیا تھا۔ وہ بار بار سیل کو چیک کررہی تھی۔ اس نے بھی اس کو خود سے کال نہیں کی تھی اس لیے جھجک رہی تھی۔ بہت سوچ کر اس نے سوری کا ایس ایم ایس Send کیا۔

اس وقت وہ لنچ کے لیے ہوسپٹل سے باہر نکلا تھا کہ میسج ٹیون کی آواز پر اس نے موبائل چیک کیا تو نیہا کا ایس ایم ایس دیکھ کر اسے ایک پل کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ بے اختیار مسکرا دیا تھا۔

یہ تو وہی جانتا تھا کہ اس نے کال کرنے کے لیے اب تک کیسے خود کو روک رکھا تھا۔ دل میں ابھرتی شدید خواہش کو اس نے بامشکل روکا اور سیل جلدی سے پاکٹ میں ڈال لیا۔

رات گئے تک اس نے کوئی 70 دفعہ سیل چیک کرلیا تھا علی نے کوئی کال یا ایس ایم ایس تک نہیں کیا تھا، نیہا کو جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو کہتی بھاڑ میں جاؤ لیکن اب اس کی مجبوری تھی کہ علی کو خود کال کرکے بات کرے کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ علی بہت ضدی ہے جو کہتا ہے وہ کرکے رہتا ہے۔ وہ نکاح کرواسکتا ہے اچانک۔ تو رخصتی کون سا بڑا مسئلہ ہے اس کے لیے۔

اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ علی کے نمبر پر کال کی لیکن دوسری طرف رسپونس نہیں ملا۔

☆......☆

کافی دیر باتھ لینے کے بعد جب وہ بیڈ روم میں آیا تو اس کی نگاہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل پر پڑی جس کی ایل سی ڈی جگمگا رہی تھی۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور سیل اٹھایا جہاں روشنی مدھم ہوچکی تھی۔

اس نے بار بار سیل کی روشنی آن کرکے دیکھا کہ شاید اس کی نظر کا دھوکہ ہو لیکن نہیں وہاں نیہا ہی کی تین مسڈ کال تھیں ابھی وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک میسج آیا۔

Pleas Ali pick my call.

SMS پڑھ کر علی کے دل کو کچھ ہوا۔ جانے انجانے میں وہ کافی اسے تنگ کرگیا تھا۔ ایک سیکنڈ کا انتظار کروائے بغیر اس نے کال پک کی۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم!'' دوسری طرف آواز سنتے ہی جھٹ سلام بھیجا۔

''ارے میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔'' علی کا لہجہ ہشاش بشاش تھا جب کہ اس کی تو جان پر بنی ہوئی تھی۔

''مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔''

''ارے سویٹ ہارٹ! فون باتیں کرنے کے لیے ہی تو کیا جاتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ کل مجھ سے ملنے آسکتے ہیں؟''

''مجھے لگ رہا ہے کہ میں واقعی کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے دوسرے ہاتھ کی پشت کو دانتوں میں لیا۔

''علی پلیز۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''نہیں اب میں تم سے رخصتی والے دن ہی ملوں گا یار۔ اتنی سی جدائی برداشت نہیں ہو رہی۔'' اس نے اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''علی! کچھ عرصے کے لیے رخصتی ڈیلے نہیں ہو سکتی۔''

''تم کچھ عرصہ کی بات کر رہی ہو میں تو کچھ دن بھی ڈیلے کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' میں نے گھر والوں کو بھی الرٹ کر دیا ہے تیاریاں تو پورے زوروں پر ہیں۔''

''علی پلیز! دو ماہ کے لیے ڈیلے کر لو، مجھے بی اے کے ایگزام دینے دو۔'' آج سے پہلے شاید ہی اس نے اس کی اتنی منت کی ہو۔

''دیکھنا ابھی بھی تمہیں اپنی خواہش عزیز ہے میری خوشی کا کوئی خیال نہیں ہے۔''

''نہیں علی! مجھے آپ کی خوشی سب سے زیادہ عزیز ہے میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ پلیز میرے دو سال ضائع مت کریں۔''

''نیہا! تم بہت سیلفش ہو۔'' علی کو غصہ آنے لگا تھا۔

''میں سیلفش نہیں ہوں۔''

''یہ اور کیا ہے۔ تمہیں اپنے علاوہ کوئی اور نظر ہی نہیں آتا تم اپنی ہی منوانے کے چکروں میں کیوں رہتی ہو؟''

''باتیں بھی تو اس سے ہی منوائی جاتی ہیں جو آپ کو عزیز ہو۔ جس سے آپ کو پیار ہو۔'' نیہا کی اچانک زبان پھسلی تھی۔

''واٹ۔ آج تو مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔'' اس نے دانتوں تلے زبان دبالی مبادا کچھ اور نہ نکل جائے منہ سے۔

''نیہا! کاش میں اس وقت تمہارے سامنے ہوتا۔'' وہ ایک دم ہی اپنی جون میں واپس آیا تھا۔

''نیہا۔'' بڑے پیار سے پکارا گیا۔

''......جج......جی''

''پلیز کھل کر اظہار کرو۔ پھر تم جو کہو گی میں ماننے کو تیار ہوں۔''

''علی پلیز۔'' وہ بلش ہو کر رہ گئی تھی۔

''چلو زیادہ نہیں I love you ہی کہہ دو۔''

''نہیں......''

''چلو پھر ٹھیک ہے میں رخصتی کے دن خود ہی کہلوا لوں گا۔''

''نہیں پلیز بات سنیں۔''

وہ کال ڈراپ کرنے لگا جب ایئر پیس سے آواز آئی۔

''بولو۔'' بہت غصے سے کہا گیا۔

''ابھی نہیں یہ ورڈز میں آپ کے سامنے کہوں گی جب آپ مجھ سے ملنے آئیں گے۔''

''ارے واہ تم کافی چینلس نہیں ہو گئی لیکن میں ابھی اتنا پاگل نہیں ہوا ہوں تم مجھے ٹالنے کے لیے کہہ رہی ہو ناں۔'' وہ بے ساختہ ہی مسکرا دی تھی۔

''نہیں علی! آپ کے خواب کی تعبیر ملنے کی خوشی سیلیبریٹ نہیں کریں گی۔''

''تو کیا تم راضی ہو؟''

''جی ہاں آپ گھر آ جائیں اچھے سے سیلیبریٹ کریں گے۔''

''نہیں گھر پر نہیں تم میرے ساتھ لنچ یا ڈنر کرو کہیں باہر۔''

''علی پلیز!''

''سوچ لو رخصتی کروانی ہے یا لنچ یا ڈنر۔''

''لنچ۔'' اس نے فوراً کہا۔ علی نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

''علی آپ بہت برے ہیں۔''

''اچھا سنو! بند نہیں کرنا تمہیں پتا ہے ان دونوں

میں کتنا تڑپایا ہے تم نے مجھے۔''

''ادھر میرا بھی تو یہی حال تھا۔''

''رئیلی۔''

''آپ کو یقین نہیں آتا۔''

''اگر ایسا ہوتا تو تم کال کرنے میں اتنا ٹائم نہ لگاتیں۔''

''میں آپ کی کال کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اچھا اب میں کال بند کرنے لگی ہوں کافی رات ہوگئی ہے۔''

''یار! کیا کرنا ہے تم نے سونا ہی تو ہے۔ سونے سے اچھا مجھ سے بات کرتی رہو۔''

''مجھے صبح کالج بھی جانا ہے ان دو دنوں میں ٹینشن کی وجہ سے کالج بھی نہیں گئی۔''

''او کے سو جاؤ پھر۔''

''او کے اللہ حافظ۔''

''سنو! تھینک یو میری بات ماننے کا۔''

''علی پلیز مجھ سے ناراض نہیں ہوا کریں آپ کی ناراضی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔''

''اب مجھے پتا چل گیا ہے سویٹی! I Love you!''

''Love you to۔'' کہنے کے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ علی مسکرا کر رہ گیا تھا۔

☆......☆

آدھے گھنٹے تک کال کرنے کا کہا تھا اس نے اب تو گھنٹے سے بھی اوپر ٹائم ہوگیا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تین گھنٹے گزر گئے تھے۔ نیہا کو صحیح معنوں میں پریشانی ہونے لگی تھی۔ اس کا سیل بھی آف جا رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی اتنا انتظار نہیں کروایا تھا۔ وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ مما نے اسے دیکھا تو اس کی طرف چلی آئیں۔

''کیا بات ہے بیٹا اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟''

''مما! علی ابھی تک نہیں آئے آدھے گھنٹے کا کہا تھا اب تو کافی ٹائم ہوگیا ہے۔

''تو بیٹا کہیں مصروف ہوگیا ہوگا۔''

''تو مما مجھے کال کر کے بتا تو دیتے میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ رونے لگی تھی۔

''ارے کیا ہوگیا ہے تمہیں اگر اس نے کہا ہے تو آئے گا ناں، چلو اب پریشان نہیں ہو۔'' اسی وقت لینڈ لائن نمبر پر بیل ہونے لگی۔ مما نے آکر ریسیور اٹھایا چند سیکنڈ کے بعد ان کی چیخ سنتے ہی نیہا ان کی طرف بڑھی۔

''کیا ہوا مما؟'' مما کے ہاتھ سے ریسیور گر گیا تھا۔ اس نے ریسیور پکڑ کر فوراً کان سے لگایا جو خبر اسے سننے کو ملی وہ اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر گئی تھی۔

علی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور اسی وقت اس کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ کافی دیر بعد اسے ہوش آیا تو مما نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ انہوں نے جلدی سے عکاش صاحب کو فون کیا تھا وہ بھی گھر آگئے تھے۔

''مما! مجھے علی کے پاس جانا ہے۔ پلیز مجھے لے چلیں۔'' اس نے یاد آتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ علی کے گھر پہنچ گئے تھے جہاں لاؤنج میں ہی علی کی ڈیڈ باڈی پڑی ہوئی تھی۔ آس پاس کافی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی علی کے پاس پہنچی تھی۔ وہ غور سے علی کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔ وہاں سب کی نظریں اس کی طرف تھیں۔ کچھ ہی گھنٹے پہلے وہ علی کے کہنے پر اچھی طرح تیار ہوئی تھی۔ لنچ پر جانے کے لیے اور وہ ایسے ہی یہاں آگئی تھی۔

لیکن اب حالات کچھ مختلف تھے۔ آنکھوں میں کاجل بکھر گیا تھا۔ آدھی سے زیادہ چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ بال بھی بکھرے ہوئے تھے۔ دائیں کان سے ایئر رنگ بھی غائب تھا۔ ایک پاؤں میں جوتا بھی نہیں تھا۔

وہاں بیٹھی زیادہ تر عورتیں اسے علی کی منکوحہ کی

حیثیت سے جانتی تھیں۔ پھپھو تو اسے دیکھتے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ وہ اسے علی کی موت کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔ اسے منحوس قرار دے رہی تھی۔ وہ تو ادھر ادھر سے بے نیاز یک ٹک علی کو دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆

دو دن بعد اسے ہوش آیا تھا ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اسے رلائیں ورنہ اس کا برین ڈیمج ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اسی صدمے سے باہر نہیں نکلی تھی ایک اور بری خبر اسے سننے کو ملی۔ لیپا کی ڈیلیوری کے دوران ڈیتھ ہو گئی تھی اس نے ایک پیارے سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جسے اسے دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اب تو لیپا کی ڈیتھ کو بھی چھ ماہ ہو چکے تھے لیکن نیہا نارمل زندگی کی طرف نہیں لوٹ رہی تھی۔ وہ تو دنیا سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ گھر سے تو کیا کمرے سے ہی باہر نہیں نکلتی تھی۔ اسے دیکھ کر مما کا دل ہولتا رہتا تھا۔

☆......☆

"دماغ خراب ہو گیا ہے ان کا۔ ہونہہ شادی۔ مجھے کبھی ان کی فیملی میں شادی نہیں کرنی ہے مما۔"
ان کی توقع کے عین مطابق وہ ابلتے لاوے کی طرح پھٹ گئی۔
"بیٹا! ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ ایک بچے کا سوال ہے جو کہ تمہارا بھانجا بھی ہے۔ جس طرح تم اس کی کیئر کر سکتی ہو کوئی اور نہیں کر سکتا۔"
"اب تک کون اسے سنبھال رہا تھا۔"
"اس کی پھپھو علیشا۔ آخر کب تک سنبھالے گی وہ اسے اپنے سسرال واپس بھی تو جانا ہے۔"
"تو مما! آخر میرا ہی انتخاب کیوں کر رہے ہیں وہ لوگ؟"
"بیٹا جو پیار تم اسے دے سکتی ہو وہ اور کوئی نہیں۔"
"مما! سنی کا ہی مسئلہ ہے ناں تو آپ اسے یہاں بلا لیں میں اس کی دیکھ بھال کر لوں گی لیکن جس رشتے سے آپ کہہ رہی ہیں وہ ناممکن ہے۔ جسے میں بہنوئی کے روپ میں نہیں دیکھ سکتی تھی کجا کہ شوہر کے۔" وہ بڑبڑاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆......☆

اسے سنی کو دیکھ کر خوشی بھی ہوئی تھی اور حیرت بھی کہ ان لوگوں نے بلا کوئی تردد کے سنی کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ سنی کے یہاں آنے کے پیچھے جو مقصد تھا اس سے وہ لاعلم ہی تھی۔ بچے تو پہلے ہی اسے بہت پسند تھے۔ سنی تو اس کا بھانجا تھا گول مٹول پھولے گالوں والا سنی اسے بہت پیارا لگا تھا۔ پہلے اس نے کبھی اسے دھیان سے نہیں دیکھا تھا۔ چھ ماہ میں وہ کوئی دو دفعہ دادو کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ نیہا نے غور سے دیکھا نہ تو وہ لیپا جیسا تھا نہ ہی ریحان جیسا تو پھر یہ کسی پر گیا تھا؟ وہ سوچتی رہتی کچھ ہی دنوں میں وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح اٹیچ ہو گئے تھے۔ نیہا اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ مما اسے دیکھ کر خوش ہوتی رہتی تھیں۔

لیپا کے سسرال والے کبھی سنی کو لے جاتے تو کبھی چھوڑ جاتے تھے۔ نیہا کو غصہ تو بہت آتا لیکن مما کے سمجھانے پر چپ رہتی تھی۔

☆......☆

ایک دن ریحان نے سنی کو نیہا کے پاس بھیجنے سے انکار کر دیا تھا وہ رات نیہا نے بہت مشکل گزاری تھی۔ وہ حد سے زیادہ اٹیچ ہو گئی تھی اس سے۔ صبح ہوتے ہی اس نے مما کو سنی کو لینے بھیجا تھا لیکن ریحان نے یہ کہہ کر مما کو واپس بھیج دیا۔ (وہ اسے نیہا کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔) نیہا تو یہ سب سن کر ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔
"مما! پہلے انہوں نے آپی کو ہم سے چھین لیا اور اب سنی۔ نہیں مما نہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"
"بیٹا ہم اس پر اتنا حق نہیں رکھتے، ریحان باپ ہے اس کا وہ جو فیصلہ کرے گا ہمیں ماننا پڑے گا۔"

"ممّا! وہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ اس لحاظ سے میرا بھانجا۔" اس نے بہت کوشش کی سنی کو اپنے پاس لانے کی لیکن ریحان نے نہیں آنے دیا۔ اب اسے سنی کے بغیر رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگی تھی اور سنی کی بھی صحت خراب رہنے لگی تھی وہ بھی ماں جیسی نیہا کے لمس کو تلاشتا تھا۔

☆......☆

تھک ہار کر اسے اپنے والدین اور ریحان کے گھر والوں کی بات ماننی ہی پڑی۔ وہ ریحان سے شادی کر کے ہی سنی کے پاس رہ سکتی تھی۔ اسے سنی کے لیے کمپرومائز کرنا پڑا تھا۔

ایک دن وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر سنی کو لینے ریحان کے گھر گئی تھی۔ داخلی دروازے کے پار اسے سنی کے زور و شور سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ لاؤنج میں آئی جہاں سنی کی دادو اسے فیڈر پلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا چپ ہونے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

وہ سلام کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھی سنی کو ان سے لے لیا تھا۔ وہ کچھ ہی دیر میں نیہا کی گود میں بڑے آرام سے فیڈر پیتے ہوئے سو گیا تھا۔ اس نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سنی کو دیکھا وہ بہت ویک لگ رہا تھا۔ اس نے آنٹی سے سنی کو لے جانے کو کہا تو انہوں نے منع کر دیا۔

"ریحان نے سختی سے منع کیا ہے کہ سنی کو کہیں نہیں جانے دینا۔" وہ اداس دل سے گھر لوٹ آئی۔

☆......☆

اس کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے۔ وہ ابھی تک ریحان کو ایکسیپٹ نہیں کر پائی تھی۔ ہر طرح سے اسے اگنور کرتی تھی سنی کی لک آفٹر بہت اچھی کر رہی تھی باقی گھر والوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک تھا۔ اسے گھر میں ہر طرف لیبا شکوہ کرتی دکھائی دیتی تھی، جیسے وہ اس سے کہہ رہی ہو۔ "تم نے میرے شوہر کو مجھ سے چھین لیا ناں۔" یہی ایک چیز اسے چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اس نے بیڈ روم بھی چینج کروا لیا تھا جہاں کوئی بھی چیز لیبا کی نہیں تھی۔

☆......☆

وہ کھڑکی سے باہر برستی بارش کو دیکھتی کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔

"ارے یار! باہر اتنا پیارا موسم ہے اور تم یہاں کتابوں میں سر کھپا رہی ہو۔"

"Ali dont disturb me ok۔ مجھے نوٹس بنانے ہیں۔"

"بھاڑ میں گئے نوٹس۔" اس نے نیہا کے سامنے پڑی بک بند کر کے پھینکنے کے سے انداز میں ٹیبل پر رکھی اور اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کھڑکی کے پاس لا کھڑا کیا۔

"دیکھو کتنا رومینٹک موسم ہے یار۔" اس نے اسے کندھوں سے پکڑتے ہوئے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

"تو میں کیا کروں پھر۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"تم نے کیا کرنا ہے سیدھی کچن میں جاؤ چائے کے ساتھ پکوڑے بنا کر لے آؤ شاباش۔" اس نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔

"علی! مجھے ہر حال میں آج یہ نوٹس کمپلیٹ کرنے ہیں۔"

"تو کرتی رہنا میں نے منع تھوڑی کیا ہے پہلے چائے تو لے آؤ۔"

"میرا ٹائم ویسٹ ہو جائے گا۔"

"نہیں ہوتا تم جاؤ۔ اتنی دیر میں، میں نوٹس بناتا ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ بیڈ کی طرف بڑھا۔ نیہا اطمینان سے کچن کی طرف بڑھی۔ وہ کچن میں آئی تو لیبا آدھے سے زیادہ کام نمٹا چکی تھی۔ مطلب وہ نیہا کے پاس جانے سے پہلے لیبا کو کہہ کر گیا تھا۔ لیبا

نے پکوڑوں کے ساتھ چپس، کباب وغیرہ بھی بنا دیے تھے۔

علی نے نوٹس کی بجائے اسٹائلش انداز میں موقع کی مناسبت سے رومینٹک سی غزل لکھ دی تھی۔ جب تک وہ چائے لے کر آئی۔ وہ مکمل غزل لکھ چکا تھا۔ اس نے چائے سرو کی اور نوٹس کی طرف بڑھنے لگی کہ علی نے اسے پکڑ کر اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

''پہلے میرا ساتھ دو پھر نوٹس بنانا۔''

''میں تو چائے کا ایک کپ لے کر آئی ہوں۔''

''تو کوئی بات نہیں ہاف ہاف ہی لیں گے۔'' پھر جتنی دیر علی بیٹھا رہا اس کو نوٹس کا پی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ جیسے ہی وہ گیا اس نے جلدی سے کاپی پکڑی کہ دیکھے علی نے کتنا لکھا ہے لیکن وہاں نوٹس کی بجائے غزل دیکھ کر اسے ایک دم غصہ آ گیا۔ پھر دوسرے ہی پل وہ مسکرا دی۔ وہ غزل اس کی بھی فیورٹ تھی۔ بے اختیار ہی اس نے اس پیج کو چوم ڈالا۔

''لگتا ہے تمہیں بارش بہت پسند ہے۔'' آواز پر وہ چونکی پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں ریحان بڑی محویت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے جانے لگی کہ وہ رستے میں آ گیا۔

''آخر میرے سامنے ہی تمہاری بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے۔''

وہ ناگواری نگاہ اس پر ڈالتی سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ اس کی کلائی ریحان کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑی کہ کلائی میں پہنی چوڑیاں آدھی سے زیادہ ٹوٹ گئیں کچھ بے دردی سے اس کی کلائی میں چبھ گئی تھیں۔ نیہا کی ہلکی سی سسکی نکلی تھی۔

''مجھے بلاوجہ کے نخرے نہیں پسند۔''

''اور مجھے آپ نہیں پسند۔'' اس کی آنکھوں میں نمکین پانی جھلملانے لگا۔

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔'' وہ جھٹکے سے کلائی چھڑا کر وہاں سے چلی گئی۔

☆......☆

پورا ایک سال ہو چکا تھا ریحان کو امریکہ گئے ہوئے۔ پاپا کا آدھے سے زیادہ بزنس امریکہ میں اسٹیبلش تھا۔ جس کی لک آفٹر ریحان ہی کرتا تھا اس نے بہت کوشش کی کہ نیہا کو اپنے ساتھ لے جانے کی لیکن نیہا اپنی ضد پر قائم رہی تھی۔ اس عرصے میں ایک دفعہ بھی نیہا نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ کبھی کبھار اس کا دل چاہتا تھا کہ اس سے بات کرے۔ پھر انا آڑے آجاتی تھی۔ اس کے پیچھے ارمان اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ سنی ہم ارمان جیسا تھا۔ سنی ابھی مما پاپا ہی کہتا تھا۔ اسے چاچو کہنا نہیں آتا تھا وہ ارمان کو بھی پاپا ہی کہہ دیتا تھا۔ پاپا کی کمی وہ چاچو سے پوری کرتا تھا۔ ارمان شکل و صورت سے ریحان سے بالکل اپازٹ تھا۔ وہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹ تھا جب بھی فارغ ہوتا زیادہ ٹائم سنی کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ مما کے کہنے پر زبردستی نیہا کو گھمانے لے جاتا تھا۔ ریحان اس پر جو ذمہ داری ڈال کر گیا تھا وہ اسے خوش اسلوبی سے نبھا رہا تھا۔

☆......☆

وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ آج اس پر جو انکشاف ہوا تھا وہ اسے اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گیا تھا۔ جیسا وہ آج تک ریحان کے بارے میں سوچتی رہی تھی ویسا کچھ بھی نہیں تھا۔ ارمان نے جب سے اسے سچ بتایا تھا وہ شرمندگی سے دوچار کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہ ارمان کا انتظار کرتے کرتے خود ہی اس کے روم میں آ گئی تھی۔ آج سنڈے تھا جسے وہ بہت انجوائے کرنے کا عادی تھا۔

''کیا بات ہے ارمان! تم کمرے سے باہر کیوں نہیں آئے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔'' اس نے اسے

کمبل میں دبکے دیکھ کر پوچھا۔
"جی بھابی! میں ٹھیک ہوں خیریت آپ یہاں۔"
"ہاں تم نے ناشتا بھی نہیں کیا اور سنی بھی تمہارا نیچے ویٹ کر رہا ہے۔"
"سوری بھابی۔"
"کیا بات ہے اتنے ٹینس کیوں لگ رہے ہو۔"
"کچھ نہیں بھابی بس ایسے ہی۔"
"کیا ایسی بات ہے جو تم مجھ سے شیئر نہیں کرنا چاہتے۔"
"بھابی! ایک بات پوچھوں آپ سے۔ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"ارے میں کیوں مائنڈ کرنے لگی پوچھو۔"
"آپ بھیا سے ناراض کیوں ہیں؟" ارمان کے پوچھنے پر اس نے سر جھکا لیا۔
"بھابی! معافی چاہتا ہوں مجھے آپ کے پرسنل میٹر میں بولنا تو نہیں چاہیے لیکن میرے انٹرفیئر کے بغیر آپ لوگوں کا ریلیشن ٹھیک نہیں ہوگا۔"
"بھابی! آپ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔" کچھ توقف کے بعد وہ بولا تھا۔
"جیسا آپ سوچتی ہیں ریحان بھائی بالکل ویسے نہیں ہیں۔ آپ سے شادی کے لیے بھائی بالکل رضا مند نہیں تھے۔ وہ ایبا بھابی سے پیار کرتے تھے ان کی ڈیتھ کے بعد مکمل طور پر بکھر چکے تھے۔ آپ دونوں کی شادی بڑوں کا فیصلہ تھا۔ بھیا آپ کی اور سنی کی حالت دیکھ کر راضی ہوئے تھے۔ یہ سچ ہے کہ شادی کے بعد بھائی آپ کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کر رہے تھے۔ اگر آپ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سن لیتیں تو بہت پہلے یہ سب کلیئر ہو جاتا۔"
"یہ تو آپ کی شادی کے بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے کی باتیں انہوں نے نہیں بتائیں۔" نا چاہتے ہوئے بھی نیہا کی آواز غصے میں چیخ ہو چکی تھی۔
"وہ بھی ایک غلط فہمی ہی تھی ایبا بھابی کی۔ لائیکنگ تو کوئی بھی کسی کو بھی کر سکتا ہے لیکن محبت صرف ایک سے ہوتی ہے جو انہیں صرف ایبا بھابی سے تھی۔"
"پلیز بھابی! پھر بھی ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو انہیں معاف کر دیں۔ وہ ہرٹ ہو رہے ہیں۔ وہ آپ کے اور سنی کے بغیر نہیں رہ پا رہے۔"
"تو میں نے تو انہیں جانے کو نہیں کہا تھا۔" آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے تھے جو بھی تھا وہ اس کا شوہر تھا۔
"آپ نے انہیں روکا بھی تو نہیں تھا۔"
"تو اب کون سا روک رہی ہوں آ جائیں۔" اس نے بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو ارمان مسکرا دیا تھا۔
"تو آپ آنے کو بھی تو نہیں کہہ رہی ناں۔ وہ وہاں آپ کی ایک پکار کے منتظر ہیں۔ پلیز بھابی انہیں واپس بلا لیں۔ وہ ایک دفعہ پھر ٹوٹ رہے ہیں۔ سنی کو بھی اپنے باپ کی ضرورت ہے۔"
"انہیں کہہ دینا کہ وہ آ جائیں میں خفا نہیں ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی۔
"بھابی! میں تو پچھلے آٹھ مہینوں سے کہہ رہا ہوں لیکن وہ آپ کی پکار کے منتظر ہیں۔ پلیز آپ خود فون کر کے انہیں بلائیں۔"
"او کے جلدی نیچے آؤ ناشتا کرو۔ سنی بھی بضد ہے تمہارے ساتھ ناشتا کرے گا۔"
"او کے میں آ رہا ہوں۔" کہنے کے ساتھ وہ واش روم میں گھس گیا۔

☆......☆

آج وہ بہت خوش تھی۔ آج دن گیارہ بجے کی فلائٹ سے وہ پاکستان آ رہا تھا۔ رات اس نے پورے دو گھنٹے اسکائپ پر اس سے بات کی دونوں نے خوب دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ دونوں ہی خوب روئے تھے بالآخر نیہا نے اسے منا لیا تھا۔

لیکن یہاں پر بھی قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ زندگی ایک دفعہ پھر اس سے روٹھ گئی تھی۔ ریحان جس فلائٹ کے آرہا تھا وہ جہاز کریش ہو گیا تھا۔ شاید اس کی قسمت میں جیون ساتھی کی خوشیاں نہیں لکھی تھیں۔

☆......☆

آج اس کی عدت پوری ہوئی ہی تھی کہ زندگی نے اسے ایک اور امتحان میں ڈال دیا تھا۔ اس کی ساس کا کہنا تھا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی سوائے ایک طریقے کہ وہ ارمان سے نکاح کرے۔ اگر اس سگا بیٹا ہوتا تو بات کچھ اور تھی۔ لوگوں کی زبانوں کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

بھائی کی ڈیتھ کے بعد ارمان نے پڑھائی کو خیر آباد کہہ دیا تھا اور پاپا کے ساتھ ان کے بزنس کو سنبھالنے میں لگ گیا۔ اس نے کچھ ہی عرصہ میں امریکہ میں بزنس وائنڈ اپ کر کے پاکستان میں ٹرانسفر کر لیا تھا۔ آج کل وہ کافی بزی تھا۔

☆......☆

''ارمان تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔'' آج بہت مشکل سے اسے ارمان سے بات کرنے کا ٹائم ملا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے فائل سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''تم مجھ سے کیسے شادی کر سکتے ہو۔''

''جیسے اور لوگ شادیاں کرتے ہیں۔ کیوں آپ سے شادی کرنا گناہ ہے۔'' اس نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

''یہ ارومہ کے ساتھ زیادتی ہے تم اسے دھوکا دو گے۔'' اس نے ارومہ کے بارے میں نیہا کو معمولی سا بتا رکھا تھا۔

''میں اپنے پیرنٹس کے ساتھ نافرمانی نہیں کر سکتا اور رہی بات ارومہ کی تو وہ شادی کر چکی ہے جس دن بھیا کی ڈیتھ ہوئی تھی اسی دن اس کی شادی تھی۔ ویسے بھی وہ میری کوئی جنونی ٹائپ محبت نہیں تھی۔ جسٹ لائیکنس تھی۔'' وہ اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔

''تو تم اور کسی سے شادی کر لو آخر مجھ سے ہی کیوں؟'' جب سے اسے پتا چلا تھا کہ ارمان راضی ہے اسے بہت غصہ آ رہا تھا۔

''آپ میرے پیرنٹس کی چوائس ہیں اور ویسے بھی آپ میں کیا خرابی ہے۔ اچھی ہیں ہر لحاظ سے۔ سب سے بڑھ کر اس گھر کا ہر فرد بلکہ دیواریں بھی آپ سے مانوس ہیں۔'' آج اس کا لہجہ دیکھنے کا انداز ہر چیز ہی نیہا کو بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ نیہا کی اچانک ہی نظریں جھک گئی تھیں۔

''میں تم سے بڑی ہوں۔'' اس نے بودا سا جواز پیش کیا تھا۔

''بڑی تھیں وہ بھی رشتے میں ویسے تو مجھ سے عمر میں ایک ڈیڑھ سال چھوٹی ہی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''پلیز نیہا میرے ممی پاپا کو ہرٹ مت کرنا۔ وہ پہلے ہی بہت ٹوٹ چکے ہیں۔''

نیہا کی حالت عجیب سی ہونے لگی وہ وہاں زیادہ دیر ٹھہری نہیں رہ سکی۔

''نیہا تمہیں کیا بتاؤں ممی پاپا سے زیادہ میری اپنی مرضی ہے۔'' وہ سوچ کر ہی مسکرا دیا۔

☆......☆

اس کے پاس اس آفر کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اس کے پیرنٹس بھی تو نہیں تھے۔ جن کے پاس وہ واپس جا سکتی۔ اس کی شادی کے کچھ ہی عرصے بعد کیے بعد دیگرے دونوں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

نکاح کے بعد ارمان پہلے سے بھی زیادہ اس کا خیال رکھنے لگا تھا۔ سچ میں تو پہلے ہی اس کی جان تھی۔ کچھ ہی دنوں میں نیہا جان گئی تھی کہ ارمان نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنایا ہے۔ نا کہ اپنوں کی فرمائش پر۔ پھر بھی اسے پرانے زخم کو بھرنے میں وقت درکار

تھا جس میں ارمان نے اس کی بہت ہیلپ کی تھی۔ اکثر اسے ارمان میں علی کی جھلک نظر آتی اس کے بالوں کا اسٹائل سیم علی جیسا تھا۔ اس کی زیادہ تر چوائس علی سے ملتی تھی وہ بھی علی کی طرح کھانے کا بہت شوقین تھا جب سنی چھوٹا تھا وہ رات بھر سنی کے ساتھ جاگتی تھی لیکن مما کے منع کرنے کے باوجود وہ دیور کی پرزور اصرار پر اس کے لیے ناشتا بنا کر دیتی تھی۔ لیکن وہ ڈرتی تھی کہ اگر اس سے بھی نزدیک ہوئی تو کہیں وہ بھی نہ چھن جائے۔

☆......☆

پچھلے دو دنوں سے سنی اپنی دادو کے ساتھ علیشا پھپھو کے گھر گیا ہوا تھا۔ وہ علیشا کے بچوں کے ساتھ کافی اٹیچ تھا اور پاپا پچھلے 15 دنوں سے آؤٹ آف سٹی گئے ہوئے تھے۔ ارمان بھی آج جلدی میں چلے جاتے تھے۔ اس لیے وہ جلدی ہی گھر کا کام نمٹا لیتی تھی۔ آج بھی وہ جلدی ہی فارغ ہو چکی تھی۔ مصروفیت کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وال کلاک کی طرف نظر پڑی جو شام کے سات بجا رہا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا کسی چینل پر فلم آرہی تھی۔ اس نے بیزار سے انداز میں چینل چینج کیا۔ اسے کبھی بھی فلموں سے لگاؤ نہیں رہا تھا۔ اس نے نیوز چینل لگایا۔ یہاں بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔ لاہور کے مشہور شاپنگ مال اور پبلک پیلس پر بم بلاسٹ ہوا تھا ہزاروں لوگ شہید ہو چکے تھے۔ جو زخمی تھے ان کی کنڈیشن بے حد سیریس تھی۔

بم دھماکے، تباہیاں، افراتفری، ہڑتالیں، ایکسیڈنٹ ہر طرف گویا قیامت صغریٰ مچی ہوئی تھی۔ نہ گھر کے اندر رہنے والے محفوظ تھے نہ گھر کے باہر۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے ہیں۔ بے گناہ مر رہے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ بے حس و بے ضمیر لوگ حکمرانی کا تاج اپنے سروں پر سجانے والے اپنی ذمہ داریوں سے اور حقوق کی ادائیگیوں سے لاپرواہ لاتعلق بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنی غیر ذمہ داریوں، لاپرواہیوں کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔ سارا الزام ایک دوسرے پر ڈالتے خود کو بری الذمہ سمجھنے لگتے ہیں۔ کیا بنے گا ہمارے معاشرے کا؟ نہ جانے کب امن و امان قائم ہوگا۔ بربریت سفاکیت کے مظاہرے کرنے والے کب پکڑ میں آئیں گے۔ اس کے آگے بڑا سوالیہ نشان تھا۔ وہ نظریں جمائے یونہی ساکت سی اسکرین کو گھور رہی تھی۔ گالوں پر بے ارادہ ہی آنسو پھسل رہے تھے۔ اس کا ذہن اب سے بیتے کچھ عرصے قبل ماضی کے ایسے ہی کسی سانحے میں گم ہونے لگا تھا۔ اچانک ہی سیل پر ہونے والی بیپ نے اس کا دھیان اپنی طرف کھینچ لیا۔ جہاں ارمان کالنگ جگمگا رہا تھا۔

”نیہا مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی تم پریشان مت ہونا آرام سے کھانا کھا کر سو جانا۔“ کال پک ہوتے ہی اس نے ہدایات سے نوازہ تھا۔

”آپ کیوں دیر سے آئیں گے؟“

”اچانک ہی کلائنٹ کے ساتھ ارجنٹ میٹنگ ارینج ہو گئی ہے۔ مجھے آدھے گھنٹے میں ریسٹورنٹ پہنچنا ہے۔ میں بس نکل ہی رہا ہوں۔“ وہ یقیناً جلدی میں تھا اس لیے اس کی آواز کے بھاری پن کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔

”پلیز آپ کہیں مت جائیں گھر آجائیں جلدی۔“ نہ جانے کیوں اس کا دل اس قدر گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

”کیا بات ہے نیہا سب خیریت ہے؟“ اس کے لہجے کا غیر معمولی پن فوراً محسوس ہوا تھا۔

”بس آپ جلدی سے گھر آجائیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ اس کی آواز میں نمی گھلنے لگی تھی۔ اس نے جواب سنے بنا ہی فون بند کر دیا۔ تقریباً 25 منٹ کے بعد اسے پورٹیکو میں گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تھی وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی کچھ ہی لمحوں میں وہ سامنے موجود تھا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' پریشان سا اس کے اترے ہوئے چہرے اور سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کا دل اس وقت اتنا حساس ہو رہا تھا کہ وہ بے اختیار ہی برابر بیٹھے ارمان کے کندھے پر سر رکھے گھٹ گھٹ کر سسکیاں لینے لگی۔ وہ اس عمل پر دنگ سا بیٹھا رہ گیا۔

''مجھے کچھ بتاؤ گی تم اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' نرمی سے اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''ایسا کب تک چلے گا ارمان! یہ بم بلاسٹ، فائرنگ، ایکسیڈنٹ کب تک لوگ اسی طرح اپنے پیاروں کے لیے تڑپتے سسکتے رہیں گے۔ کب تک بستے بستے گھر کھنڈر بنتے رہیں گے۔ کب تک لوگ مر مر کر جیتے رہیں گے۔ آخر کب تک لوگ اپنے عزیز از جان لوگوں کو لحد میں اتارتے رہیں گے۔ وہ اس کے کندھے سے سر لگائے ایک ہاتھ سے کوٹ کا کالر پکڑے تواتر سے بولتی چلی گئی تھی اور ارمان کی جان میں جان آئی تھی فون پر اس کی روتی روتی آواز سن کر اس قدر بوکھلا گیا تھا کہ اتنی اہم میٹنگ کینسل کی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ لاکھوں کا نقصان ہوگا۔ وہ ایک گھنٹے کا سفر 25 منٹ میں طے کر کے آیا تھا۔

اس نے آہستگی سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''خود کو سنبھالو نیہا یہ بم بلاسٹ، فائرنگ، ایکسیڈنٹ، لوٹ مار، قتل و غارت یہ سب تو اب عام سی باتیں ہو گئی ہیں۔ لوگوں نے ان حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے بے چارے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ تم بھی ڈرنا چھوڑ دو۔ جو قسمت میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ہر چینل پر اسی طرح کے پروگرام چلتے رہتے ہیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی تگ و دو میں لگا ہے کوشش کیا کرو اس طرح کے پروگرام و نیوز نہ سنا کرو۔ کیا فائدہ اپنا ہی دل جلانے کا۔''

اسے سمجھاتا وہ خود بھی اداس ہو گیا تھا۔ وہ اسے ہی یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ ''ایک نقصان ہو گیا مگر کسی اور نقصان کو سہنے کی سکت نہیں ہے مجھ میں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی بول کر ایک دم سے اٹھی اور تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ جب کہ وہ اس کے لفظوں پر غور کرتا دنگ بیٹھا رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کب اس نے ایسا احساس دلایا تھا۔

☆......☆

خوشیوں نے اس کے در پر دستک دے دی تھی۔ آج اسے اکٹھی دو دو خوشیاں ملی تھیں۔ آج ہی اس کے بی اے کا رزلٹ آیا تھا اس نے پورے ضلع میں ٹاپ کیا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ ہاتھ ارمان کا تھا۔ آج کے دن ہی اس کی پہلی ویڈنگ اینورسری تھی۔ ارمان اور باقی گھر والوں کے پرزور اصرار پر سیلیبریٹ کرنے کا ارادہ کیا گیا سب اکٹھے تھے کیوں کہ ساتھ ہی سنی کے عقیقے کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔ ایک دفعہ پھر زندگی خوشیوں کی بہار لے آئی تھی۔ ان کے جیون میں۔ نیہا کافی عرصے بعد آج دل سے تیار ہوئی تھی اس نے ارمان کا گفٹ کیا ہوا ڈریس پہنا تھا جو کہ ڈارک بلیو اور وائٹ کلر کے کنٹراسٹ کی کامدار ساڑھی تھی۔ میچنگ ہی جیولری تھی۔

ساڑھی کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے اس نے سنی کو بیڈ پر کھڑا کیا۔ اس کے بال بنا کر اس کے رخسار کو چوما سنی نے بھی اس کے گلے میں بازو ڈال کر اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔ وہ کھلکھلا اٹھی۔ کمرے میں آئے ارمان نے مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھا اور اپنے اچھے خاصے سیٹ کیے بال بکھیر دیے۔

''ہٹو یار! اب مجھے بھی اپنی بیگم سے بال بنوانے دو۔'' اس نے پیار سے سنی کو بیڈ سے نیچے اتارا تو وہ بھاگتا ہوا باہر چلا گیا۔ نیہا نے مسکراتے ہوئے اس کے بال بنا دیے۔

''اب خوش۔'' ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

''خوش تو تب ہوں گا جب مجھے بھی سنی کی طرح ٹھوڑی سے پکڑ کر فائنل ٹچ دو گی۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس ہی اسٹول پر بیٹھ گیا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر باہر جانے لگی تو اس نے ساڑھی کا پلو پکڑ لیا۔

''او کے یار تم نہ سہی میں ہی تمہاری تیاری کو فائنل ٹچ دے دیتا ہوں۔''

جھٹکے سے نیہا کو قریب کیا اس کے چہرے پر جھکا ہی تھا کہ وہ پھرتی سے اسے پرے دھکیلتی باہر کو بھاگی۔ پانچ منٹ کے بعد وہ بھی باہر آیا نیہا نے اسے دیکھا جب کہ ارمان نے اسے دیکھتے ہی نگاہیں پھیر لیں۔ نیہا نے پاس کھڑے سنی کو کچھ کہہ کر بھیجا تو وہ ہنستا ہوا پاپا جی کے پاس پہنچا۔ ارمان نے مسکراہٹ دبائے نیہا کو دیکھا جو معصوم سی شکل بنائے کان پکڑے کھڑی تھی۔ جیسے ہی ارمان نے اوکے کا سگنل دیا وہ مسکرادی۔

☆......☆

''کیا بات ہے؟'' وہ کافی دیر سے خود پر نیہا کی نظروں کا حصار محسوس کر رہا تھا۔ صوفے پر بیٹھے لیپ ٹاپ پر کام کرتے ہوئے کافی دفعہ نظر اٹھا کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیہا کو دیکھا۔ جو پلک جھپکے بغیر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سنی آج علیشا کے کمرے میں اس کے بچوں کے پاس ہی کھیلتے ہوئے سو گیا تھا ورنہ اس وقت وہ سنی کو سلانے کے لیے سر کھپا رہی ہوتی۔ وہ صبح سے ہی مما پاپا کو لفٹ نہیں کروا رہا تھا۔ اس نے اکثر نوٹ کیا تھا کہ نیہا اسے دیکھتے ہوئے کہیں کھوسی جاتی ہے اور اب بھی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال بناتے ہوئے مڑا تو اسے ویسے ہی محویت سے دیکھتے پایا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔ آج تو اسے ارمان علی سے کسی بھی طور کم نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جس تھری پیس میں ملبوس تھا سیم اسی طرح کا علی نے اپنے نکاح والے دن پہنا تھا۔ اوپر سے بالوں کا اسٹائل رہی سہی کسر ان قطروں نے پوری کر دی جو وہ صبح سے وقفے وقفے سے اس پر اچھال رہا تھا۔ اب وہ کس طرح خود کو بھٹکنے سے روک سکتی تھی۔ صبح سے ہی بار بار اس سے نظریں الجھ رہی تھیں۔ جسے ارمان نے خود بھی کئی دفعہ نوٹ کیا تھا۔

''اچھا لگ رہا ہوں ناں میں۔'' نیہا کا نظر کے ساتھ ساتھ سر بھی جھک گیا۔

''تو یار تعریف کرنے میں کیا حرج ہے شوہر ہوں تمہارا کوئی غیر تو نہیں اور ویسے بھی کچھ باتیں تو کہہ دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اتنی بھی کنجوسی دل کے لیے اچھی نہیں ہوتی۔''

اچانک ہی صوفے پر پڑے موبائل کی بیپ ہونے لگی تو وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ نیہا بیڈ سے اتری چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ کال تو اٹینڈ نہ ہو سکی وہ نمبر چیک کرنے لگا۔ جیسے ہی فون بند کر کے اس نے سر اٹھایا تو نیہا کو اتنے قریب دیکھ کر ایک پل کو حیران ہوا تھا۔

''I Love you Arman۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔ ''واؤ از آ ونڈر فل سرپرائز۔'' ارمان کو اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

''ارے یار! رنگ میں بھنگ تو نہ ڈالو۔'' اس نے اس کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

''ارمان آپ تو مجھ سے جدا نہیں ہوں گے ناں۔''

''نہیں ہوں گا میری جان۔ جب تک اللہ نہ چاہے۔ بس تم دعا کرتی رہا کرو کہ جتنی بھی اللہ نے ہماری زندگی لکھی ہے وہ ہنسی خوشی بسر کرنے کی توفیق دے۔'' ارمان نے اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔ ''آمین'' دونوں نے اکٹھا کہا۔ آگے زندگی خوشیوں سے بھرپور تھی۔

......☆......

اقراء چنا

افسانہ

بیت گئے وہ پل

برق رفتاری سے کچن کو چمکا کر میں نے اطمینان سے ایک بھرپور نگاہ کچن پر ڈالی، میں اس قدر تیزی سے ہر کام نمٹانے کی عادی ہو گئی تھی کہ مجھے ایسا لگنے لگا تھا کہ گویا میں ایک کام کرنے والی مشین بن گئی



ہوں۔

اور یہ ہی شاید ہر عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ شادی اور پھر بچوں کے ہونے کے بعد زندگی میں بہت ساری تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ سر پہ بھاری بھرکم ذمہ داریاں پڑ جاتی ہیں، ہر چیز کا اچھے سے خیال رکھنا پڑتا ہے اور خود سے بڑھ کر خود سے جڑے رشتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے، میں بھی انہی خواتین میں سے ایک تھی جس کی زندگی کا مقصد اپنے شوہر، بچوں اور گھر کو مطمئن اور خوش رکھنا تھا۔

میری شادی کو دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ میرے چار بچے، سب سے بڑی فاطمہ جو آٹھ سال کی تھی۔ اس سے چھوٹا چھ سال کا راحیل تھا۔ اس سے دو سال چھوٹا ساحل تھا اور پھر سب سے چھوٹا دانیال دو سال کا تھا۔ بڑے تینوں بچے اسکول جاتے تھے۔ میرے سر پہ ذمہ داریوں اور گھر داری کا ایک اونچا پہاڑ تھا۔ کب دن شروع ہوتا اور کب ختم ہوتا، یہ تو پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ صبح چھ بجے سے جو کام شروع ہوتے تھے وہ رات گئے اختتام پذیر



ہوتے۔

مجھے کبھی کبھار وہ بے فکری والی زندگی بہت یاد آتی تھی۔ جب امی کے گھر اپنی مرضی سے مزے سے اٹھتی، امی مزیدار ناشتہ لگاتیں، پورا دن آرام کرنے کے بعد اگر تھوڑا بہت امی کام بول بھی دیتیں میں غصے سے کہتی۔

''کیا ہے بھئی، ٹی وی دیکھنا یا کچھ پڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا اس گھر میں۔'' ان دنوں ٹی وی دیکھنا ایک پسندیدہ مشغلہ ہوتا تھا زندگی کا، لیکن اب تو اتنا وقت بھی نہیں ہوتا تھا کہ دو گھڑی بیٹھ کر ٹی وی دیکھوں۔ ذیشان صبح کے گئے رات کو تھکے لوٹتے تھے، میں ان سے کسی قسم کا شکوہ نہیں کرتی تھی۔ وہ بہت اچھے تھے وہ جو بھی کرتے تھے آخر میرے اور میرے بچوں کے لیے ہی۔

صبح بچوں کو اٹھانا، ناشتہ کروانا، تیار کرنا، ان کو اسکول بھیجنا اور اس کے بعد گھر کا جو کام شروع ہوتا تو بس......اس سب کے علاوہ چھوٹے دانیال کو سنبھالنا، اسے بہلانا، سہلانا، بچوں کے اسکول سے آنے سے پہلے میں جیسے تیسے کر کے کھانا تیار رکھتی تاکہ بچوں کو بھوکا نہ بیٹھنا پڑے، شام کو راحیل اور ساحل کے لیے ان کو ٹیوشن پڑھانے کا وقت نکالنا، فاطمہ اپنی ٹیچر کے پاس ٹیوشن پڑھتی تھی۔ بس یہ ہی میری زندگی تھی، ہر ماں کی طرح مجھے بھی اپنے بچوں سے بے انتہا محبت تھی۔

''ماما! منڈے کو ہمارے اسکول میں پارٹی ہے اور اس کے لیے نیو ڈریس چاہیے۔'' فاطمہ میرے پہلو میں میرے بازو پر اپنا سر رکھے لاڈ سے بول رہی تھی۔ کچھ پل کے لیے میرے ہونٹوں پر چپ بھی لگ گئی۔ ذیشان کی اتنی زیادہ آمدنی نہیں تھی۔ ہم بڑی مشکل سے گھر چلاتے تھے۔ چار بچوں کے اخراجات پورے کرنا اور پھر تین بچوں کو اسکول پڑھانا، ایک فرد کی آمدنی میں وہ بھی اس مہنگائی کے دور میں بہت مشکل تھا۔ ہم خود کم کھا کر بچوں کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ ذیشان اور میں نے نئے کپڑے نہیں بنائے تھے اور اب تو ویسے بھی مہینے کا آخر چل رہا تھا۔ گھر کے خرچے کے پیسے بھی ختم ہو گئے تھے۔

اچانک میرے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا۔ میں نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائیں، وہ میرے جواب کی منتظر تھی اور مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں منڈے تک ایک پیاری سی فراک بنا کر دوں گی۔ دیکھنا وہ تمہارے سب فرینڈز کو بھی بہت پسند آئے گی۔'' میں پیار سے بولتے ہوئے اس کا سر سہلا رہی تھی۔ میں نے دیکھا اچانک اس کے چہرے پر جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ میرے گلے لگ کر خوشی کا اظہار کرنے لگی تو میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

☆......☆

زندگی کا ایک ایک لمحہ کیسے رینگتا چلا گیا، معلوم ہی نہ ہو سکا۔ کب ہمارے بچے جوان اور ہم بوڑھے ہو گئے۔ پتا ہی نہ لگا۔ کل وہ بچے تھے اور ہم جوان اور آج وہ جوان ہیں۔ کبھی ایسا وقت تھا کہ دو گھڑی سکون سے بیٹھنے اور لیٹنے کا وقت بھی نہ ہوتا تھا اور آج ایسا وقت ہے کہ گھنٹوں آرام کروں، ٹی وی دیکھوں مگر وقت تو ابھی تھوڑا ہی گزرا ہے۔

اس عمر میں آ کر دن بڑے ہو گئے تھے یا ہماری ذمہ داریاں ختم ہو گئی تھیں۔ ذیشان اور میری باتیں ختم ہو جاتیں مگر دن ڈھلنے کا نام نہ لیتا۔

ان دنوں مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ فالتو سامان کی طرح ہمیں بھی ایک کمرے میں بند کر دیا گیا ہے، جیسے ان دو بوڑھے، سانس لینے والے نفوس سے کسی کو کوئی سروکار ہی نہیں تھا نہ تو کوئی ہم سے ملنے آتا اور نہ ہی کوئی کچھ دیر بیٹھ کر اپنے

والدین سے حال چال پوچھنے آتا، مگر میں یہ احساس ذیشان کو نہیں دلانا چاہتی تھی۔ ذیشان ذہنی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ہر بات وہ بار بار دہراتے اور چیزیں کہیں رکھ کر بھول جاتے۔ میں اب ان کا اور بھی دھیان رکھنے لگی تھی۔ میں نے اور ذیشان نے جن بچوں کے لیے دن رات محنت کی تھی، اس کا پھل تو ہمیں مل گیا تھا، آج ہمارے بچے کامیاب زندگی گزار رہے تھے اب وہ ہر ضرورت سے آراستہ تھے۔ فاطمہ لیکچرار بن چکی تھی اور ساتھ ہی لیکچرار کے ساتھ اس کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ اب وہ دو بچوں کی ماں تھی۔ وہ اپنی زندگی میں اس قدر مصروف تھی کہ اپنے بوڑھے والدین کے لیے اس کے پاس دو گھڑی کا بھی وقت نہیں تھا۔ راحیل ایم بی اے کر چکا تھا۔ ساحل ڈاکٹر بن چکا تھا۔ راحیل کی ایک اچھی لڑکی کے ساتھ شادی بھی ہو چکی تھی۔ سب سے چھوٹا دانیال ان دنوں بیچلرز سے فری ہو گیا تھا۔ اب ہمارا گھر بھی وسیع ہو گیا تھا۔ گھر میں ہر چیز اعلیٰ قسم کی تھی، کھانے بہت لذیذ بنتے تھے لیکن اب ایک گھٹن سی ہونے لگی تھی۔

ایک بات دل و دماغ میں بہت چبھنے لگی تھی کہ ہمارے بچے ہمیں بوجھ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ اب اپنی زندگی کے کسی فیصلے میں ہماری اجازت تو کیا ہماری رائے لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ نہ ہمیں وقت دیتے اور نہ ہمارا اس طرح سے خیال رکھتے جس طرح کبھی میں اور ذیشان ان کا خیال رکھا کرتے تھے۔

''یہ کس چیز کا شور ہے؟ باہر کچھ ہو رہا ہے کیا؟'' ٹی وی والیوم کم کرتے ہوئے ذیشان نے مجھے مخاطب کیا۔ میں غیر مرئی نقطے پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھی، میں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''آں...... میں نے غور نہیں کیا ابھی دیکھتی ہوں۔'' میں انہیں کہہ کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔

کھڑکی کے پردے ہٹا کر میں نے دیکھا۔ لان خوب صورت لائٹس سے سجایا گیا تھا۔ وہاں مختلف قسم کے ہشاش بشاش لوگ نظر آ رہے تھے۔ ان اجنبی چہروں میں کچھ شناسا ہمارے بچے بھی تھے۔

مجھے جھٹکا لگا کیوں کہ اس تقریب کے بارے میں ہم سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ دکھ سے میری بوڑھی آنکھیں بھرا گئیں۔

میں نے واپس کھڑکی پر پردے کر دیے۔

ذیشان مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''لان میں بچوں کی تقریب ہے۔ انہی کے دوست احباب آئے ہوئے ہیں۔'' میں نے اس بات کو ہوا میں اڑانا چاہا۔

''تو پھر انہوں نے ہمیں کیوں نہیں بلایا تقریب میں؟'' انہوں نے کسی چھوٹے معصوم بچے کی طرح مجھ سے استفسار کیا جو کہ حقیقتوں سے بہت دور ہوتے ہیں میں کوئی ایشو نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اسی لیے لہجے میں بے فکری ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

''بچوں نے مجھے کہا تھا مگر میں نے ہی انکار کر دیا، ارے یہ بچوں کی تقریبات ہوتی ہیں۔ ہم اس شور شرابے میں جا کر کیا کریں گے۔ الٹا ہمیں اپنا دماغ تھوڑی خراب کرنا ہے، اسی لیے میں نے سہولت سے انکار کر دیا۔'' انہوں نے میری تائید میں سر ہلایا اور دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئے میں بیڈ پر دراز ہو گئی۔

ہم نے اپنی محنت کا پھل حاصل کر تو لیا تھا مگر وہ پھل بد قسمتی سے میٹھا نہیں نکل پایا، کچھ دیر بعد ملازم ہمارے لیے کھانا لے کر آیا میں رات دیر تک بچوں کا انتظار کرتی رہی کہ شاید کوئی ہمارے پاس آئے مگر......

☆......☆

''بیٹا! تم ٹھیک سے دیکھو، یہیں کہیں ہوں گی میری دوائیاں۔''

لیٹے لیٹے میری آنکھ لگ گئی تھی۔ ذیشان کو لگ

رہا تھا کہ وہ دوائیاں لینا بھول گئے ہیں۔ ذیشان کو بڑھتی عمر کے ساتھ گھٹنوں میں درد رہنے لگا تھا۔ اس وجہ سے بھی اب وہ خود کہیں آنے جانے سے گریز کرتے تھے۔ وہ دانیال کو اس کے روم سے لے کر آئے تھے اور دانیال بجائے انہیں تسلی دینے اسے مطمئن کرنے کے غصہ ہو رہا تھا۔

''پاپا پلیز! میں خود کی چیزیں بڑی مشکل سے یاد رکھتا ہوں تو آپ کی چیزوں کی خبر کیسے رکھوں گا۔'' بیزاریت سے بولتا ہوا وہ جانے لگا۔ میری آنکھ کھل گئی میں نے پہلے ناسمجھی سے انہیں دیکھا اور پھر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا دانیال؟'' میں نے جاتے ہوئے دانیال کو روک کر پوچھا۔ اس کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔

''ماما! پاپا اپنی دوائیاں ڈھونڈ رہے ہیں، آپ پلیز یہ ذمہ داری خود ہی نبھائیں۔ اب مجھے کیا معلوم کہ ان کی دوائیاں کہاں رکھی ہیں۔'' اسے خود بھی شاید یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ کتنی بڑی بات بول گیا تھا اور اس کا مفہوم کیا ہو سکتا تھا۔ میں نے دکھ سے رنجور ہو کر ذیشان کی طرف دیکھا، وہ اپنی خجالت دور کرنے کے لیے سر کھجا رہے تھے۔ یہ وہی دانیال تھا جس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پر بھی میں رات بھر جاگا کرتی تھی، یہ وہ دانیال تھا جسے ذیشان اپنے کندھوں پر گھماتے تھے اور پیار سے اس کی ہر ضد پوری کرتے تھے، اس کی ہر ضرورت کو پوری کرنے کے لیے وہ محنت کرتے تھے۔

''میں نے انہیں دوائیاں دے دی ہیں۔ یہ شاید بھول گئے ہوں گے۔'' میں چاہ کر بھی اپنا لہجہ سخت نہ کر پائی۔

''بھول جاتے ہیں تو آپ ان کی روٹین کی ایک لسٹ بنا کر اس سامنے والی دیوار پر لگا دیں تاکہ اگر ان سے کچھ بھول جائے تو یہ پڑھ لیں۔ کم از کم اس سے دوسرے لوگ ڈسٹرب نہیں ہوں گے۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولتا ہوا باہر نکل گیا میں نے زہر کا ایک گھونٹ اپنے اندر اتارا۔ مجھے آج احساس ہو رہا تھا کہ ہمارے بچے واقعی میں بڑے ہو گئے تھے اور ہم لاچار بوڑھے۔

☆......☆

''فاطمہ! تم آئی ہوئی ہو؟ تم کب آئیں؟'' میں کمرے سے ذرہ باہر نکلی تو فاطمہ کو لاؤنج میں دیکھ کر میری خوشی کسی سے ڈھکی نہیں ہوئی تھی، وہ بہت دنوں بعد آئی تھی اور جب بھی آتی بہت کم وقت ہمارے ساتھ گزارتی۔

''جی ماما! تقریباً ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔'' وہ تھوڑا سرک کر بیٹھی تاکہ میں اس کے برابر میں بیٹھ سکوں، وہاں میرے سب بچے موجود تھے میں فاطمہ کے پہلو میں بیٹھی تو دل کو تازہ ہوتے محسوس کیا۔

''ایک گھنٹہ ہو گیا ہے اور مجھے کسی نے اطلاع نہیں کی۔'' میں نے فاطمہ کی گود میں بیٹھے اس کے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے دوسروں پر جتایا۔

''وہ...... ماما! مجھے لگا آپ آرام کر رہی ہیں، اس لیے میں نہیں آئی۔'' میری بہو راحیل کی بیوی نے جواب دیا۔ وہ بہت نیک بچی تھی۔ وہ ہمارا، ہمارے بچوں سے زیادہ خیال رکھتی تھی۔

''ہاں تو ساحل پھر کیا کہتے ہو؟ اس سنڈے کا پکا پروگرام ڈن ہے اوکے۔'' فاطمہ نے مجھ سے دو لفظ بھی بات نہ کی اور نہ ہی اپنے پاپا کے بارے میں کچھ دریافت کیا۔ بلکہ وہ اپنے عین سامنے بیٹھے ہوئے ساحل سے مخاطب ہوئی۔

''ٹھیک ہے پھر ڈن۔'' اس نے فاطمہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا۔

''کس چیز کا پروگرام بن رہا ہے؟'' میں نے بلاوجہ بات کرنی چاہی۔

''ماما! ہم سوچ رہے تھے کہ بہت عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم سب کہیں باہر گھومنے نہیں گئے تو اس

سنڈے ہم نے کہیں باہر جانے کا پروگرام بنایا ہے۔" فاطمہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا۔

"ہاں! یہ تو بہت اچھا خیال ہے ہم بھی گھر میں بیٹھے بیٹھے اکتا گئے ہیں۔ تمہارے پاپا کو تو بہت ضرورت ہے اس طرح کے ماحول کی۔ وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔" میں اس وقت ان بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی جنہیں اچانک ہاتھوں میں آئس کریم تھما دی ہو اور وہ اچانک جس طرح خوشی کا اظہار کر رہے ہوں۔ میں نے دیکھا۔ فاطمہ کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوگئی۔

"ماما! میرے خیال سے پاپا اور آپ کا گھر پر ہی رہنا زیادہ بہتر ہے۔ اب اس عمر میں۔" اس کے ان دو جملوں میں کیا کچھ نہیں تھا، میں آنکھوں میں اس قدر تیزی سے آنسو جمع ہوئے۔ جیسے اس معصوم بچے کی آئس کریم اچانک ٹوٹ کر نیچے گر گئی ہو۔

"لیکن تمہارے پاپا کو اچھا لگے گا۔" میں مری ہوئی آواز میں بولی۔

"کم آن ماما! آپ کو پاپا کی عادت کا معلوم تو ہے۔ وہ ہر بات بھول جاتے ہیں۔ اور ان کے گھٹنوں میں کتنا درد رہتا ہے۔ خواہ مخواہ سب کا مزہ بھی خراب ہو جائے گا ان کی وجہ سے؟ وہ دوسروں کو ڈسٹرب کتنا کرتے ہیں۔ میں چل نہیں پا رہا۔ مجھے سہارا دو، یہاں بٹھاؤ، وہاں لے جاؤ۔ یہ کرو، وہ کرو۔" ساحل کو میری بات شاید اتنی بری لگ گئی تھی اسی لیے تو وہ ساری بھڑاس نکال رہا تھا۔

مجھے معلوم نہیں کیا ہو گیا تھا۔ میں آج تک انہیں بچے سمجھ کر معاف کرتی آئی تھی لیکن اب مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میرے بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ یہ ایک شوہر کے لیے بیوی کا احساس تھا یا ایک ماں کو اپنے بچے کی غلطی کا احساس دلانا تھا۔ میں ہذیانی انداز میں اٹھی اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کیا۔ وہ بے یقینی سے بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔ باقی سب بھی مجھے حیرانی و پریشانی کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔ آنسو میری بوڑھی آنکھوں سے پھسل کر باہر آ گئے۔ میری آواز کانپنے لگی۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں اور تم سب کو بھی، ایسے بچوں کو اپنی اولاد کہتے ہوئے مجھے آج شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"تم لوگ اس قدر اپنے والدین سے بے زار ہو گئے ہو، تم لوگ اتنی آسانی سے وہ دن کیسے بھول سکتے ہو، جب یہ ہی ذیشان احمد تم لوگوں کو اچھا پڑھانے، اچھا کھلانے کے لیے نہ دن دیکھتے نہ رات۔ تم لوگ اس ماں سے اتنی بیزاریت کیسے ظاہر کر سکتے ہو، جس نے ہمیشہ تم لوگوں کو اپنے گلے سے لگائے رکھا۔ ہم نے تم بچوں کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اتنا بدتر سلوک کوئی اپنے والدین سے کیسے کر سکتا ہے۔ ہم نے تو کبھی اپنے والدین کے ساتھ ایسا نہیں کیا تھا۔ تم لوگ ڈاکٹر، انجینئر بن گئے تو آسمان پر چڑھ گئے۔ یہ سب کس کی وجہ سے ممکن ہو پایا ہے۔ کبھی سوچا؟ اگر ہم اپنا وجود فراموش نہ کرتے تو کیا تم لوگ اس مقام پر ہوتے؟ ہمیں نہیں چاہیے اب تم لوگوں کا یہ احسان، ایک کمرے میں ہمیں ڈال کر آپ بچوں نے ہم بوڑھے والدین پر بہت احسان کر لیے ہیں، اب ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ بہت سے لوگ اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو ہم بوڑھوں کو دو وقت کا کھانا کھلا سکیں۔"

میں نے بہت سالوں کی بھڑاس آج نکال دی تھی۔ میری برداشت ختم ہو گئی تھی۔ ساحل کا سر جھک گیا تھا اور باقی سب بھی خاموش تھے۔ ماحول کافی سوگوار ہو گیا تھا۔ میں باقاعدہ رو رہی تھی۔ پھر میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی خالی دامن لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

......☆......

آسیہ مجید

افسانہ

نفرت سے محبت تک

"میں اس سے شادی کیوں کروں کوئی وجہ بھی تو ہو اس سے شادی کروں کہ وہ دیور ہے میری بہن کا۔
اس آوارہ سے شادی کرنے کی صرف اس وجہ سے آپ اپنی ایک بیٹی کا گھر بچانے کے لیے دوسری کی



زندگی برباد کرنا چاہتی ہیں؟" فزا نے اپنی ماں سے کہا۔

"بتاؤ ہم کیا کریں؟ کیا کمی ہے آخر آریان میں؟ کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا ہے، خوش شکل ہے اور سب سے بڑی بات تم دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں رہو گی۔" جہاں آراء بیگم نے فزا سے کہا۔

"امی زندگی گزارنے کے لیے صرف خوش شکل اور کھاتے پیتے گھرانے کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ایسے تو کئی اچھے گھرانے کے رشتے آئے باجی فزا کے لیے جو خوش شکل اور خاندانی بھی تھے محض آپ اس لیے منع کر دیتے تھے کہ لڑکے کا کردار ٹھیک نہیں اب آپ کو لڑکے کا کردار نظر نہیں آ رہا؟"

عمر حیات صاحب اور جہاں آراء بیگم کی دو بیٹیاں تھیں فزا اور فائزہ۔ عمر حیات صاحب ٹیچر تھے اور انہوں نے فائزہ کی منگنی اپنے کولیگ کے بیٹے کے ساتھ کی تھی۔ وہ ڈاکٹر تھا اور فزا ایم اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔



آج فائزہ کی مہندی تھی اور گھر کو لائٹوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ لڑکیوں کی تیاریاں تو دیکھنے لائق تھیں ایسے موقعوں پر تو لڑکیاں ویسے ہی پُرجوش ہوتی ہیں۔ بارات کے بیٹھنے کا انتظام باہر لان میں ہی کیا گیا تھا۔ لان کو بہت خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔

''بھئی فائزہ! تمہارے سسرال میں تو بہت خوبصورت لڑکے ہیں' اب میں تو تم سے ملنے ضرور آیا کروں گی۔'' نوشین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' فائزہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''سمجھا کرو نا اتنا خوبصورت دیور ہے تمہارا تم بھی سسرال میں میری ہر وقت تعریفیں کرتی رہنا' خاص کر جب تمہارا دیور پاس ہو۔''

''لڑکیوں کو ایسا ہونا چاہیے کوئی ان کی طرف دیکھنے سے پہلے سوچے لیکن یہ کیا جہاں خوبصورت لڑکا دیکھا' وہاں اس پر مرنے کو تیار بیٹھ گئیں۔'' فزا جو ابھی کمرے میں آئی نوشین کی بات سن کر ہنستے ہوئے بولی۔

''تم تو اتنی خوبصورت ہو تم پر تو ہر لڑکا مرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور ہم ہیں قبول صورت مجبوراً پھر ہمیں لڑکوں پر مرنا پڑتا ہے کہ کوئی تو بدلے میں ہم پر مرنے کو تیار ہوگا۔'' نوشین نے ہنستے ہوئے کہا' نوشین فزا کی محلے دار تھی اور بڑی اچھی نیچر کی تھی۔

''میں تو تمہاری باتوں میں لگ کے بھول گئی کہ دلہن کو باہر بلا رہے ہیں چلیں فائزہ باجی اٹھیں۔'' فزا نے کہا اور وہ فائزہ کو باہر لے گئیں۔

''فزا دیکھو وہ لڑکے مسلسل ہمیں دیکھ رہے ہیں کہیں مجھے نظر نہ لگا دیں میں لگ بھی تو اتنی پیاری رہی ہوں۔''

''نوشین کہیں نہیں تمہیں نظر لگتی' چپ کر کے کھڑی رہو۔'' فزا نے نوشین کی بات پہ ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ... فزا باجی! فائزہ کا دیور تمہیں دیکھ رہا ہے وہ دیکھو۔'' فزا نے وہاں دیکھا جہاں نوشین کہہ رہی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھنے میں مگن تھا' رخصتی کا شور اٹھا فائزہ کو قرآن کے سائے تلے رخصت کیا گیا ہر آنکھ اشکبار تھی۔

دوسرے دن ولیمہ تھا۔

فائزہ باجی! آج تو آپ کل سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی ہیں'' فزا نے فائزہ سے کہا۔

''ماشاء اللہ آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں' بھابھی اجازت ہو تو اندر آجاؤں؟'' آریان نے فائزہ سے پوچھا' فائزہ نے اثبات میں سر ہلایا' آریان بیڈ پر ہی فزا کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''چلو بھئی تم کیا میری بیوی کو تنگ کر رہے ہو' آرام کرنے دو انہیں۔'' عالیان نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

''اوہو اتنی فکر بھابھی کی۔''

عالیان اور آریان دو ہی بھائی تھے۔ عالیان ڈاکٹر تھا اور آریان چھوٹا ہونے کی وجہ سے کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کر سکا اس نے اپنے لاڈلے ہونے کا خوب فائدہ اٹھایا اور بڑی مشکل سے بی اے پاس کیا۔ ویسے پڑھنے میں تو ٹھیک ٹھاک تھا لیکن پڑھتا نہیں تھا آریان کوئی بھی کام دلجمعی سے نہیں کرتا تھا۔ آریان حسن پرست تھا' خود بھی بلا کا خوبصورت تھا' بہت سی لڑکیوں کے ساتھ اس کے افیئر چلے لیکن کوئی بھی لڑکی اس کو لائف پارٹنر کے طور پر پسند نہیں آئی۔ دوسرے لڑکوں کی طرح آریان کی بھی یہ خواہش تھی کہ اس کی لائف پارٹنر بہت اچھی ہو۔

☆......☆

''آنٹی! فزا کا فون آیا تھا۔ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں تھوڑی دیر کے لیے امی کے پاس چلی جاؤں؟''

''کیوں کیا ہوا تمہاری امی کو یہ عمر ایسی ہی ہوتی ہے کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی رہتا ہے تم کیا روزانہ جایا

کروگی؟ ویسے بھی عالیان ابھی آیا نہیں۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''میں بھی اسی سائیڈ پر جا رہا ہوں بھابی! چلیں آپ کو بھی چھوڑ دیتا ہوں۔ اسی بہانے اس مغرور حسینہ کا دیدار بھی ہو جائے گا۔'' آریان نے دل میں سوچا۔

''آ گیا یاد آپ کو ہمارا گھر تھوڑے ہی فاصلے پر ہے کبھی کبھار چکر ہی لگا لیا کریں۔'' فزا شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''فزا بہن کے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤ باتیں بعد میں کر لینا' رات تو رکو گی ناں فزا بیٹا؟''

''نہیں امی! میں تھوڑی دیر تک چلی جاؤں گی آنٹی اکیلی ہیں گھر میں اور ویسے میں عالیان کو بتا کر نہیں آئی۔'' وہ جلدی سے وضاحت کرتی ہوئی بولی۔

''بھابی میں چلتا ہوں واپسی پہ آپ کو لے جاؤں گا۔'' وہ باہر نکلتے ہوئے بولا۔

''آپ کے دیور کے ساتھ پرابلم کیا ہے جب بھی آتا ہے مجھے ہی گھورتا رہتا ہے۔''

''یار فزا! وہ کیا کرے تم ہو ہی اتنی پیاری اس میں اس کا قصور نہیں۔''

''کیا باتیں کر رہی ہو دونوں بہنیں۔''

''امی اپنی صحت کا خیال رکھا کریں جب سے فزا نے مجھے آپ کی طبیعت کا بتایا ہے مجھے اتنی ٹینشن ہو رہی تھی۔'' فائزہ بولی۔

''تمہیں تو ایسے ہی فزا نے تنگ کیا اچھی بھلی تو ہوں میں۔'' وہ محبت سے اپنی بیٹیوں کو دیکھنے لگیں۔

☆......☆

''عالیان! آپ آنٹی کو سمجھائیں ناں امی لوگ کبھی اس بات کے لیے نہیں مانیں گے اور آنٹی کہہ کے گئیں ہیں انکار کسی صورت نہیں ہونا چاہیے۔'' فائزہ عالیان سے بولی۔

''تم فکر نہ کرو جو بھی ہوگا انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا' تم اپنی صحت کا خیال رکھا کرو میں امی کو سمجھاؤں گا۔'' وہ تسلی بھرے لہجے میں بولا۔

''ویسے فائزہ تمہاری ساس کو یہ بات کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا' منہ پھاڑ کے کہہ دیا ہمیں فزا کا رشتہ چاہیے پہلے دیکھ تو لیتیں اس آوارہ بیٹے کے ساتھ میری بیٹی کا کوئی جوڑ بھی ہے۔''

''امی! آنٹی کہہ رہی تھیں آریان نے خود فزا کے لیے کہا ہے میں اب کیا جواب دوں آنٹی کو۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''کہنا کیا ہے انکار کر دو اور تم سناؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

☆......☆

''امی اتنے دن ہو گئے بھابی نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔

''آریان تم ٹینشن نہ لو اس گھر میں فزا ہی تمہاری دلہن بن کے آئے گی۔''

''امی جلدی کریں ناں مجھ سے اور انتظار نہیں ہوتا میرا دل کرتا ہے میں ابھی سوؤں اور صبح مجھے فزا اٹھائے اور کہے ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ محبت سے بولا۔

''ایسا ہی ہوگا تم فکر نہ کرو۔''

''کب امی؟''

''بس تھوڑی دیر اور۔''

''اگر امی وہ لوگ نہ مانے تو؟'' وہ گھبرا کر بولا۔

''تو پھر انگلی ٹیڑھی کر لوں گی۔ میں ہر حال میں فزا کو ہی اپنی بہو بناؤں گی۔'' وہ پُرعزم لہجے میں بولیں۔

''فائزہ کیا جواب دیا تمہارے گھر والوں نے تم نے بتایا ہی نہیں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آنٹی! وہ میں نے پوچھا ہی نہیں۔'' فائزہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''کیوں...... پوچھا کیوں نہیں؟ چلو جلدی پوچھ

کے بتاؤ مجھے۔"

"آنٹی! میں ابھی کچن سے فارغ ہو کے پوچھتی ہوں۔" وہ گھبرا کے بولی۔

"چلو ملاؤ نمبر میں خود تمہاری بات کرواتی ہوں۔" وہ فون کی جانب بڑھیں۔

"السلام علیکم! امی وہ آریان کے متعلق پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔" وہ جلدی سے فون ملا کر بولی۔

"دیکھو فائزہ! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ ایسا ممکن نہیں۔"

"کیوں آخر میرے بیٹے میں کیا کمی ہے؟ اگر تم فزا کا رشتہ دیتی ہو تو ٹھیک ورنہ اپنی دوسری بیٹی میرے گھر سے لے جاؤ۔" فائزہ کی ساس نے فائزہ کے ہاتھ سے ریسیور لیتے ہوئے کہا۔

"جو بھی فیصلہ ہو مجھے بتا دینا۔" وہ فون رکھتے ہوئے فائزہ کو گھورتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

☆......☆

"میں اس سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔" فزا نے پریشانی میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا ہم لوگ کیا کریں ایک طرف بیٹی کی خوشیاں ہیں تو دوسری طرف دوسری بیٹی۔"

"آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ میں اس سے شادی کرلوں یہ تو آپ صرف ایک بیٹی کا سوچ رہے ہیں دوسری کا بھی تو سوچیں۔ ایک بیٹی کا گھر بچانے کے لیے دوسری کو کنویں میں دھکیل رہی ہیں۔ یہ تو خود غرضانہ سوچ ہے آپ کی۔" فزا نے تلخی سے کہا۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں ہے۔" جہاں آرا بیگم نے بے چارگی سے کہا۔

"آپ آنٹی کو سمجھائیں کوئی عورت اتنی سنگدل کیسے ہوسکتی ہے۔" فزا کو اپنے ماں باپ کا جھکا ہوا سر دیکھ کے افسوس ہوا۔

☆......☆

"تمہاری ساس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تمہیں بھیج دیا ناں گھر اور عالیان نے کچھ کہا نہیں اپنی ماں سے۔"

"امی وہ جاب کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"فون کر کے دیکھو تم۔"

"فون بند جا رہا ہے امی ان کا۔"

"اچھا تم ٹینشن نہ لو اللہ اچھا کرے گا۔" جہاں آرا بیگم اور عمر حیات صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆......☆

"بھابھی بھوک لگی ہے، کھانا دیں۔"

"یہ لو کھانا۔"

"یہ کیا آج آپ نے پکایا ہے کھانا؟ بھابھی کدھر ہیں؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"اسے میں نے گھر بھیج دیا ہے۔"

"وہ کیوں؟" وہ تعجب سے بولا۔

"فائزہ کے گھر والوں نے فزا کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔" وہ آریان کو ساری بات بتانے لگیں۔

"امی آپ کو انہیں تھوڑا سوچنے کا ٹائم دینا چاہیے تھا۔" آریان نے بات سنتے ہوئے کہا۔

"جتنا کم ٹائم دیں گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔"

"اگر عالیان بھائی بھابھی کو واپس لے آئے تو......" وہ انہیں دیکھ کر بولا۔

"وہ میرا بہت فرمانبردار بیٹا ہے تمہارے جیسا نہیں ہے۔"

"اس فرمانبرداری کو میرے لیے سزا نہ بنائیں۔" عالیان پیچھے سے بولا۔

"بیٹا تم کب آئے؟"

"جب آپ لوگ پلاننگ کر رہے تھے میں آپ لوگوں کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا آپ نے مجھے سرپرائز دے دیا میں فائزہ کو لینے جا رہا ہوں۔"

"عالیان! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔" وہ اسے روکتے ہوئے بولیں۔

"کیوں امی؟"

"میں تمہیں طلاق دینا کا نہیں کہہ رہی۔"

"صرف کچھ دنوں کی بات نہیں ہے بیٹا اگر وہ فزا کا رشتہ نہیں دے رہے تو اس میں فائزہ کا کیا قصور میں فائزہ کو تھوڑی دیر تک لینے جا رہا ہوں۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"اگر تم نے ایسا کیا، تو میں تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی عالیان۔" وہ غصے میں بولیں۔

"میں بہر حال میں فائزہ پر زور نہیں ڈالوں گا۔" عالیان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆......☆

"آریان ذرا فون تو ملاؤ اتنے دن ہو گئے کوئی جواب نہیں دیا۔" ادھر عالیان کملا ہوا جا رہا تھا فائزہ کو لانے کے لیے۔

"ہاں بہن آپ لوگوں نے کچھ سوچا یا نہیں۔ آپ ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اتنا بھی کوئی مشکل فیصلہ نہیں ہے جو آپ سے ہو نہیں رہا۔ ذرا جلدی کریں جو بھی کرنا ہے اگر آپ سے فیصلہ نہیں ہو رہا تو پھر ہم فائزہ کو طلاق دے دیتے ہیں۔"

"یہ لو پکڑو اسے۔" آریان کو ریسیور دیتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آنٹی؟" وہ پوچھنے لگا۔

"مجھے کیا پتہ میں نے تو ان کی کوئی بات سنی ہی نہیں۔"

"امی آپ میں ایک بات بہت بری ہے آپ اگلے کی کوئی بات سنتی ہی نہیں اپنی ہی سنائی جاتی ہیں۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

☆......☆

"فزا بیٹا! اب ہماری عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تم جو فیصلہ کرو گی ہمیں منظور ہوگا ویسے آریان دل کا اچھا ہے اور میری عالیان سے بات ہوئی تھی وہ کہہ رہا تھا جو دکانیں ان لوگوں نے کرائے پر دی ہوئی ہیں اب ان میں کپڑا ڈلوا دیتے ہیں اللہ اس کے رزق میں برکت ڈالے گا۔ بیٹا فیصلہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا تم اپنی بہن کا گھر بچا بھی سکتی ہو اور......" عمر حیات صاحب کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆......☆

"فزا تم یقین نہیں کر سکتیں آج میں کتنا خوش ہوں۔" آریان نے فزا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین کرنے کی ضرورت بھی نہیں مجھے میری مرضی کے بغیر پا کے بہت خوش ہو تم تمہیں بہت پچھتانا پڑے گا اپنے فیصلے پر اب میں تھک گئی ہوں میں چینج کر کے سونے لگی ہوں۔" فزا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یار آج کے دن تو ایسی باتیں نہ کرو ادھر آؤ میری بات سنو۔" وہ محبت سے بولا۔

"خبردار مجھے ہاتھ بھی لگایا۔" فزا نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

☆......☆

"بہو بات سنو میری کافی دن آرام کر لیا تم نے اور ویسے بھی فائزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اب تم کام کاج میں فائزہ کا ہاتھ بٹایا کرو دن چڑھے تک سوتے رہنا شریف گھرانے کی بہو بیٹیوں کی عادت نہیں ہوتی بڑے دنوں سے میں تمہاری عادتیں برداشت کر رہی تھی دن چڑھے تک تم سوتی رہتی ہو اٹھتی ہو تو اس موئے ٹی وی کے آگے بیٹھ جاتی ہو اور تم آریان کا بھی بالکل خیال نہیں رکھتیں اب وہ تمہاری ذمے داری ہے تمہیں چاہیے کہ تم اس کی ہر چیز کا خیال رکھا کرو۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام وام گر اتنا ہی آپ کو فائزہ کا خیال ہے نا تو کوئی نوکر رکھ لیں مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں میں کوئی فائزہ نہیں ہوں کہ چپ چاپ

کام بھی کروں اور آپ کی باتیں بھی برداشت کروں اور ہمارے معاملات میں آپ کو بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" فزا کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے روم میں چلی گئی۔

☆......☆

فزا نے جونہی کمرے میں قدم رکھا آریان نے لائٹ آن دی۔

"اوہ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟" فزا نے بے ساختہ کہا۔

"جی بیگم صاحبہ! آپ کی کوشش تو ہوتی ہے کہ آپ میرے سونے کے بعد کمرے میں آئیں' لیکن آج بد قسمتی سے ابھی تک میں نہیں سویا' ادھر بیڈ پر آجاؤ فزا!" جونہی فزا صوفے پر بیٹھنے لگی آریان نے کہا۔

"میں ادھر ہی ٹھیک ہوں' پلیز لائٹ آف کردو۔"

"فزا! میرا وعدہ ہے تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر ہاتھ نہیں لگاؤں گا' بیڈ پر آجاؤ' کسی کو پتہ چل گیا تو کیا سوچے گا۔"

"کسی نے سوچا تھا میرا جو میں کسی کا سوچوں' نہ تم نے' نہ میرے ماں باپ نے' نہ فائزہ نے' کسی نے میرا نہیں سوچا' کیا مانگا تھا میں نے؟ ایک مخلص شوہر' ایسا شوہر جس کی زندگی میں آنے والی میں پہلی لڑکی ہوتی۔" وہ دُکھ سے بولی۔

"میں نے سب چھوڑ دیا ہے فزا میں صرف تمہارا ہوں فزا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے اب میں سونے لگی ہوں۔" وہ ہاتھ چھڑا کر بولی' وہ وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔

☆......☆

فزا کا رویہ سب کے ساتھ ٹھیک ہو چکا تھا اگر نہیں ٹھیک ہوا تھا تو آریان کے ساتھ لیکن دو تین دنوں سے فزا کو اپنے دل کی سمجھ نہیں آ رہی تھی' جو آریان کی توجہ چاہتا تھا' اب آریان نے بھی فزا کو بلانا کم کر دیا تھا' اگر کام ہوتا تو بلاتا۔

"یہ لیں چائے۔" جب فزا روم میں چائے لے کر آئی تو وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ فزا کو نظر انداز کر کے باہر چلا گیا' فزا کی آنکھوں میں اپنے یوں نظر انداز کیے جانے پر آنسو نکل آئے' آریان کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا تھا کہ فزا کچھ بدلی بدلی سی ہے جیسے وہ آریان سے اُمید کرتی ہو کہ وہ ناراضی ختم کرنے میں پہل کرے' لیکن آریان جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا' فزا نے آریان کو بہت تنگ کیا تھا' اتنا سا تو وہ بھی حق رکھتا تھا' فزا خاموشی سے کھانا بنا رہی تھی وہ بہت دکھی ہو رہی تھی اسے دکھ اس بات کا تھا اس نے اتنی مشکل سے اپنے آپ کو سمجھایا تھا اور آریان کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی اور اتنے ہی قدم آریان پیچھے ہٹ رہا تھا۔ فون کی بیل ہوئی فزا آنچ ہلکی کر کے فون سننے آئی اس سے پہلے ہی فزا کی ساس نے اٹھا لیا۔

"جی آریان کا گھر ہے کیا؟" پتہ نہیں آگے سے کیا کہا گیا جو وہ سن کے بے ہوش ہو گئیں' عالیان نے فون پکڑ کے ایڈریس پوچھا اور ایک ہاتھ سے ماں کو سنبھالا۔

"عالیان بھائی کیا ہوا ہے؟"

"وہ آریان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے تم لوگ امی کا خیال رکھو میں جاتا ہوں۔" وہ اسے بتاتے ہوئے آگے بڑھا۔

"بھائی میں بھی جاؤں گی۔"

"نہیں فزا میری آن ڈیوٹی ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے ایسی کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔" وہ تسلی بھرے لہجے میں بولا۔

"آریان کیسا ہے؟" عالیان نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

جس ہاسپٹل میں آریان کو لایا گیا تھا اسی میں عالیان جاب کرتا تھا' اس لیے آریان کا خاص خیال رکھا گیا۔

”ڈاکٹر احمد! ہم آریان کو کب تک گھر لے جاسکتے ہیں؟“ عالیان نے آن ڈیوٹی ڈاکٹر سے پوچھا۔

”ڈاکٹر عالیان! ٹینشن کی کوئی بات نہیں ہے اللہ کا شکر ہے زیادہ چوٹ نہیں آئی ہے میں نے میڈیسن لکھ دی ہیں آپ تھوڑی دیر تک انہیں گھر لے جاسکتے ہیں۔“

”تھینک یو ڈاکٹر احمد“ عالیان نے کہا۔

☆......☆

”یہ لیں دودھ پی لیں۔“ وہ اسے گلاس پکڑاتے ہوئے بولی۔

”مجھ پہ ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کوئی مجبوری ہے یہاں بیٹھنے کی جاسکتی ہو یہاں سے۔“ آریان نے کہا اور آنکھوں پہ بازو رکھ کے لیٹ گیا۔ حالانکہ دل تو کر رہا تھا کہ فزا پاس ہی بیٹھی رہے فزا سوگوار حسن کے ساتھ پیاری بھی بہت لگ رہی تھی وہ بازو کے پیچھے سے فزا کو دیکھ رہا تھا دل تو کر رہا تھا کہ ناراضی ختم کردے لیکن یہ سوچ کے چپ تھا تھوڑا سا حق تو وہ بھی رکھتا ہے آخر محترمہ کو پتہ تو چلے۔

”کھانا کھالیں۔“ فزا نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے اگر بھوک لگی تو خود ہی کھالوں گا۔“ آریان نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔

”اوہ!“ فزا نے جلدی سے آریان کو پکڑا آریان کی دائیں ٹانگ پہ چوٹ لگی تھی ابھی وہ ٹانگوں پہ زور نہیں ڈال سکتا تھا آریان خود سے اٹھنے لگا تھا درد کی وجہ سے کراہ نکلی۔

”میں چل سکتا ہوں پیچھے ہو جاؤ۔“ آریان نے فزا کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا واش روم چلا گیا۔

آدھی رات کو آریان سسکیوں کی آواز سے اٹھا اس نے دیکھا فزا گھٹنوں میں منہ دیے رو رہی تھی۔

”جب میں مر جاؤں ناں پھر جتنا مرضی رونا ابھی میں زندہ ہوں تھوڑا انتظار کرلو۔“ آریان نے سخت لہجے میں کہا۔

”اللہ نہ کرے کوئی سیدھی بات بھی منہ سے نکال لیا کریں۔“ فزا نے دہل کر کہا۔

”کیوں تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟“ آریان کا دل فزا کے منہ سے اقرار سننے کو چاہ رہا تھا اس لیے آریان نے جان بوجھ کے ایسا کہا۔

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ نے کوئی اور ڈھونڈ لی ہوگی جو میرے ساتھ ایسی بات کر رہے ہیں آپ کا دل چاہ رہا ہوگا کہ میں یہاں سے چلی جاؤں اور آپ اس سے شادی کرلیں لیکن سُن لیں میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔“ فزا اب زور و شور سے رونے میں مصروف تھی۔

”ساری غلطی تو میری ہے تمہاری تو کوئی غلطی ہی نہیں ہے۔“ آریان نے کہا۔

”ہاں تو اور کیا ساری غلطی آپ کی ہے۔“ وہ بھی ترخ کے بولی۔

”اچھا جو تم کرتی ہو وہ کیا ہے؟ جب تم مجھے اگنور کرتی تھیں اس ٹائم کا نہیں پتہ تمہیں اور اب اگر میں اگنور کرتا ہوں تو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔“ آریان نے کہا۔

”مجھے تو دکھ نہیں ہو رہا میں تو بس ایویں رو رہی تھی کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے۔“ فزا چڑتے ہوئے کہہ رہی تھی اور آریان فزا کی چالاکی پہ ہنسنے لگ گیا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی محبت کی مہر اس کے ماتھے پہ ثبت کردی اور دو دلوں کے اس خوبصورت ملن پہ چاند بھی بادلوں میں مسکرا دیا۔

......☆......

سحر مبین

افسانہ

گھر اور گر



میری نظریں اس وقت میز کے اس پار رکھی کرسی پر براجمان اریبہ کو تک رہی تھیں۔ مجھے اریبہ کی آمد پر کوئی حیرت نہیں تھی۔ یہ صرف میرا خیال تھا کہ وہ یونہی آئی تھی۔ حالانکہ مقصد سے تو وہ مجھے آگاہ کر چکی تھی۔ میری نظریں چند لمحوں کے لیے اس کے چہرے سے بھٹکی تھیں اور اس دوران بلاوجہ ہی اپنے آفس کی اکھڑی پلستر والی دیواروں' گردوغبار سے اٹے چھت والے پنکھے' موٹی موٹی کتابوں سے بھری الماری اور میز پر پڑی فریم میں جڑی اپنی ڈگری تھامے ہوئے کی گئی تصویر سے ہوتی ہوئی پھر اس پر جم گئی تھیں۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ آفس کافی گندا ہو رہا ہے۔ چھت سے جھولتے جالے بھی میری بات کی تصدیق کر رہے تھے مگر میں ابھی صفائی کرانے کا نہیں سوچ رہی تھی۔ میرا ذہن تو اریبہ میں اٹکا ہوا تھا بلکہ......

اس سے زیادہ اس کے لفظوں میں۔ میں ایک دفعہ پھر سے اریبہ کو جانچتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ خوشبوؤں میں بسا اس کا وجود' اضطراری کیفیت' سرخ پڑتا چہرہ میں سب کچھ باآسانی محسوس کر رہی تھی مگر میں خود نہیں جان پا رہی تھی کہ اس کے لفظوں کے جواب میں اسے کیسے لوٹاؤں شاید نہیں یقیناً مجھے اسے لتاڑنا چاہیے تھا غصہ کرنا چاہیے تھا یا پھر کم از کم اسے سمجھانا چاہیے تھا۔ میں نے ایک لمبی سانس بھر کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''اریبہ! آخر اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو؟ تفصیلاً بتاؤ ہوا کیا ہے؟! ایسے فیصلے اتنی جلدی اور جلد بازی میں نہیں کرنے چاہیے کول ڈاؤن اریبہ!''۔ وہ بڑے تیز لہجے میں بولی۔

''پلیز مجھے لیکچر نہ دو۔ تم میرے خلع کا کیس دائر کرتی ہو یا میں کسی اور وکیل سے رجوع کروں۔'' میں اس کی بات کا خاصہ برا مان گئی تھی۔ تاہم ضبط کیا۔

''صرف یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟''

''ہونا کیا ہے عمیر سے کل خاصہ جھگڑا ہو گیا ہے میں اس کا لہجہ برداشت نہیں کر سکتی سارا دن ساس صاحبہ کی بھی خدمت کروں' کچن سنبھالو مگر ہر آئے گئے کو یہی بتایا جائے کہ بہورانی کو تو ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہوا ہے۔ رشتہ دار خاتون بھی یہی لیکچر دیں کہ بیٹا! ساس تمہاری بہت اچھی ہیں ان کی خدمت کیا کرو۔''

وہ تو گویا پھٹ ہی گئی تھی بھنا کر بولی میں نے جھگڑے کی بھونڈی سی وجہ پر سر پیٹ لیا اریبہ ایسی ہی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کرنے والی مجھے اس سے اس درجہ حماقت کی توقع نہیں تھی کہ خلع کے لیے میرے آفس دوڑی آئے گی۔

یہ سچ تھا کہ میں نے آج شدت سے کسی کلائنٹ کے آجانے کی دعا کی تھی مگر خدا نے شاید میری دعا کے جواب میں ایک قدرے غلط انسان کو بھیج دیا تھا۔ بقرعید سر پر تھی اور والدہ محترمہ ہر بار کی طرح اس بار بھی گائے کو ہی قربان کرنا چاہتی تھیں میری جیب اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتی تھی ابھی کل ہی کی تو بات تھی انہوں نے واش روم بنوانے کے سلسلے میں میرا پرس خالی کیا تھا حالانکہ پہلا واش روم بھی ٹھیک ہی تھا مگر میں سمجھتی ہوں والدہ محترمہ بہت فضول خرچ واقع ہوئی ہیں۔ آج کل میں گائے کی تلاش میں تھی اور اس سے زیادہ پیسوں کی تلاش میں۔ ڈاکہ ڈالنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میری تربیت بہت اچھی طرح سے کی گئی تھی سو پیسوں کے لیے میں خدا تعالیٰ سے ہی رجوع کر رہی تھی اے خدا! کوئی کلائنٹ تو بھیج دے کوئی بڑی آسامی ہو اتنی بڑی کہ جتنی بڑی گائے...... مگر اریبہ کی آمد فضول تھی سوائے اسے سمجھانے کہ میرا کوئی کام نہیں تھا لہٰذا اس ناشکری کی طرف پھر سے متوجہ ہوئی۔

''ارے احمق اتنی چھوٹی سی بات پر اتنا بھڑک رہی ہو تمہیں بالکل بھی شرم نہیں ایسی فضول بات منہ سے نکالتے ہوئے۔'' میں نے لہجے کو کافی ہلکا پھلکا

بنایا۔ میں اس کی دوست بھی اور ایک وکیل بھی بحیثیت دوست میں اسے سمجھاتی تو ساری ہمدردی اس کی طرف جاتی اور بحیثیت وکیل سمجھاتی تو شاید قاعدے قوانین بھی ساتھ گھسیٹ لاتی مگر میں ان دونوں حیثیتوں کو یکجا کر کے ایک تیسری حیثیت بنانا چاہ رہی تھی یا پھر ان دونوں حیثیتوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک تیسری حیثیت اپناتی۔ کچھ بھی تھا میں ابھی سوچ رہی تھی اور الفاظ ترتیب دے رہی تھی۔

”نہیں مجھے ایک دوست کی حیثیت سے ہی اسے سمجھانا چاہیے۔“ دل کی بات پر میں نے بھی لبیک کہا۔ اریبہ کافی خطرناک تیور لیے مجھے گھور رہی تھی اس کے گولڈ کے ٹاپس، نازک لاکٹ، ہونٹوں کی لپ اسٹک، سلیولیس ڈریس اور جدید طرز کے تراشیدہ بال مجھے ہمیشہ سے اچھے اور اس کی مطمئن زندگی کا پیغام دیتے ہوئے لگتے تھے وہ غصے کی تیز تھی مگر چہرے پر ہمیشہ ایک مسکان رہتی تھی۔ آج شاید زیادہ غصے میں تھی۔

”میری بات فضول نہیں کل عمیر نے خود مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا جیسے جارہی ہو ویسے ہی لوٹ آنا میں اب ہرگز لوٹ کر نہیں جاؤں گی۔“ وہ روہانسی ہو کر قطعی لہجے میں بولی میں پریشان ہو گئی۔

”تو اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے اریبہ ڈیئر! اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر نہیں چھوڑا جاتا، خیر عمیر کی تو میں خود خبر لوں گی۔“ کافی نرم اور دلاسہ دینے والے لہجے میں کہا۔

”نہیں تم عمیر سے کوئی بات نہیں کرو گی۔“ وہ تیزی سے بولی۔ میں مسکرا دی اس کا لہجہ ایسے ہی تھا جیسے عزت نفس کھو دینے کا اندیشہ ہو۔ وہ ڈر رہی تھی کہ اگر میں اس کی وکالت کروں گی تو وہ عمیر کی نظروں میں ہلکی ہو جائے گی کہ وہ ان ڈائریکٹلی مجھے آگے کر رہی ہے۔

”تم فکر نہ کرو دیکھنا کیسے میں عمیر کے کان کھینچتی ہوں۔“ میں واقعی اسے تسلی دے رہی تھی عمیر کے کان کھینچنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا میں حقیقتاً اس کے کئی بار کان کھینچ چکی تھی ایسے کہ اس کے کان واقعی میرے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔

اریبہ، میں اور عمیر کالج کے زمانے کے دوست تھے ہم تینوں نے گریجویشن ایک ساتھ کیا تھا پھر میں تو قانون پڑھنے چل دی جبکہ ان دونوں نے اپنی شادی خانہ آبادی رچالی۔ ان کی شادی کی جتنی مجھے خوشی تھی شاید ان دونوں کو نہ ہو۔ اس کے بعد بھی ہم کئی بار اکٹھے ہوئے تھے مگر یہ اریبہ خدا کرے اس کا غصہ کچھ کم ہو جائے خدا اسے ہدایت دے کیونکہ عمیر بہت نرم مزاج تھا۔ وہ لڑائی میں ہرگز پہل نہیں کرتا ہو گا۔ شادی سے پہلے بھی اچھے دوستوں کی طرح رہ کر بھی اریبہ اور عمیر کی لڑائی ہو گئی تھی۔ مجھے لڑائی کی فکر نہیں تھی چھوٹی موٹی تو ہو ہی جاتی تھی مگر اتنا شدید ردعمل میں کرسی سے اٹھ گئی پشت سے لٹکایا کالا کوٹ اٹھا کر پہنا۔ چند فائلیں الماری کی دراز میں رکھیں اور ایک خود اٹھالی۔ آفس کے باہر منشی کو ہدایت دے کر میں پلٹی۔

”اٹھو گھر چلتے ہیں چائے ہی پی لینا۔“ میں اریبہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”میں تمہاری چائے کی بھوکی نہیں ہوں۔“

میں ہنس دی۔ ”بھوکی نہ سہی پیاسی تو ہو گی اٹھو۔“ میرے کہنے پر وہ میرے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆

گھر میں داخل ہوتے ہی میری نظر چارپائی پر بیٹھی سونیا پر پڑی۔ والدہ محترمہ چارپائی پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں سلام دعا کے بعد میں تعارف کرانے لگی۔

”اریبہ! یہ سونیا ہے مڈل تک مجھ سے ٹیوشن لیا ہے اس نے لاسٹ ایئر اس کی شادی ہو گئی تھی اور آج ایک کیوٹ سی بچی کی والدہ محترمہ ہیں اور سونیا! یہ اریبہ ہیں میری پیاری دوست۔“

دونوں نے مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا تھا۔ سونیا نے

مڈل تک مجھ سے مفت ٹیوشن لیا تھا۔ کافی اچھی لڑکی تھی پھر پچھلے سال ہی اس کی شادی ہو گئی تھی بمشکل سترہ سال کی تھی وہ۔

"اور سناؤ سونیا بیٹی! گھر والا ٹھیک ہے ساس سسر سب ٹھیک ہیں۔" والدہ محترمہ کی وہی پرانی عادت ٹوہ لینے والی شاید ہمدردی ہی ہو۔

"ہاں جی، خالہ جی! ٹھیک ہی تو ہے گھر والا۔ باجی نے دیکھا ہی ہوا ہے۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا اور مجھے پینتیس چالیس سال والا اس کا دولہا یاد آ گیا اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پھر سے بولی۔

"ساس سسر بھی ٹھیک ہیں جی! ایک ساس ہے سسر ہے میں ہوں گھر والا ہے اور چار نندیں ہیں چھوٹی سی فیملی ہے۔" اس کی چھوٹی سی فیملی پر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ تاہم اریبہ پر مجھے گمان ہوا کہ وہ شدید حیرت میں مبتلا ہے۔

"جی کہتے تھے کہ گھر والا ماسٹر ہے مگر وہ تو اسکول میں کلرک ہے خیر سرکاری نوکری تو ہے ناں ساس سسر کی خدمت بھی میرا فرض ہے اور شوہر کی تابعداری بھی۔ چار نندیں ہیں آخر ان کے شادی بیاہ کے لیے ہمیں ہی جوڑنا ہے انہوں نے اپنا نصیب کھانا ہے گھر کے سارے کام کر کے گڑیا کو سنبھال لیتی ہوں۔" کہتے کہتے اس نے پیار سے اپنی بچی کو دیکھا اس کا لہجہ کسی بھی احساس سے عاری تھا نہ تو وہ ہمدردی سمیٹ رہی تھی نہ وہ [illegible] رہی تھی بس بات تھی اس نے کر دی۔ میں حیرانگی سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

"ہاں اچھی لڑکیاں تو گھر سنبھالتی ہیں۔" والدہ محترمہ نے تائید کی تھی۔

"باجی اب میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو گھر آنے سے رہی۔ گھر والوں نے تو ہمیں رخصت کر کے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ اب روز روز گھر آتے بندہ اچھا تو نہیں لگتا ماں باپ بے چاروں کو پریشانی ہی دیتے رہیں۔ اب تو شوہر کا گھر ہی میرا گھر ہے اس کے بہن بھائی ہی میرے بہن بھائی ہیں اس کے ماں باپ میرے ماں باپ ہیں میری اماں کہتی تھیں کہ بیٹی! لڑکی کو گھر بنانے کے لیے گُر کی ضرورت ہوتی ہے اور گُر یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو درگزر کیا جائے اور سسرال کے مسئلے سسرال میں ہی نمٹائیں جائیں۔"

سونیا رسانیت سے کہہ رہی تھی۔ اس کی گفتگو میں بہت سچائی تھی اس کا لہجہ بہت متاثر کن تھا وہ چھوٹی سی لڑکی وہ سب کہہ رہی تھی جو بڑے بڑے بھی نہیں کہہ سکتے۔

ہم کچھ دیر بیٹھے رہے تھے۔ پھر سونیا اٹھ کر چلی گئی۔ والدہ محترمہ میرے اور اریبہ کے لیے کچن میں چل دیں۔ میں عمیر کو کال کرنے لگی۔ ہائے ری قسمت بیلنس زیرو تھا میں نے موبائل تقریباً پٹخ ہی دیا۔

"اریبہ ذرا اپنا موبائل دینا عمیر کو کال کرنی ہے میرے پاس بیلنس نہیں ہے۔ ذرا اس کے کان تو کھینچوں۔" اریبہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ وہ کہیں کھوئی ہوئی تھی۔ خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ لڑکی ٹھیک کہہ رہی تھی گھر بنانے کے لیے گُر سیکھنے پڑتے ہیں اور یہ لڑکی مجھے سکھا گئی ہے۔ میں پچیس چھبیس سال کی ہو کے بھی نہیں سیکھ سکی اور یہ سولہ سال کی لڑکی مجھے بتا گئی۔ تم عمیر کو کال نہ کرنا بلکہ میں خود ہی چلی جاؤں گی میرے والدین نے تو مجھے ایک دفعہ رخصت کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں بوجھ کیوں بنوں۔" میں نے اریبہ کو کہتے ہوئے سنا اور خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی میں جو بات اسے سمجھانا چاہ رہی تھی وہ اسے سونیا سمجھا گئی تھی۔ وہ غصے کی تیز ضرور تھی مگر عقل سے پیدل نہیں تھی۔ واقعی گھر گُر سے بنتے ہیں۔ یہ میں چائے پیتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆

طاہرہ حسن

مکمل ناول

(آخری حصہ)

تمہیں مجھ سے محبت ہے

"سر یہ کھیر کھا لیجیے۔" علیشا نے اندر آتے ہوئے کہا اور کھیر کی پلیٹ اس کی جانب بڑھائی تو اسفند نے فوراً پکڑ لی اور کھانے لگا۔ اسفند کی حالت دیکھ کر علیشا کافی ندامت محسوس کر رہی تھی۔



''آئی ایم ریئلی سوری سر!'' اسفند کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو کہا۔

''اٹس او کے علیشا!''

''سر مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ آپ لائٹ کھاتے ہیں۔'' وہ شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

''تو علیشا اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے میں نے شاید کچھ زیادہ ہی کھا لیا جبکہ مجھے نہیں کھانا چاہیے تھا وہ آپ لائی تھیں تو اس لیے میں......'' وہ اپنے جملے کو ادھورا چھوڑ گیا جبکہ ثانیہ کچھ کچھ سمجھنے لگی۔

''علیشا جلدی سے باہر آؤ۔'' رضا کے پکارنے پر وہ فوراً باہر آئی' دیکھا تو سب درخت کے نیچے کھڑے نشانہ لگا کر سیب گرانے کی کوشش کر رہے تھے اور کچھ تو کامیاب بھی ہو رہے تھے۔ اسفند بھی ان کے پیچھے چلا آیا تھا مگر یہ دیکھ کر واپس چلا گیا جبکہ ثانیہ ان میں شامل ہو گئی۔

''چلو علیشا تم بھی اپنا نشانہ چیک کرو نشانے پرسے باتیں۔'' رضا نے زمین سے پتھر اٹھا کر اسے تھمایا۔

''رضا! یہ باغیچہ نہیں سر کا فارم ہاؤس ہے۔''



"ارے چھوڑو یار! چلو آؤ نشانہ لگاؤ۔" رضا اسے پکڑ کر درخت کے نیچے لے آیا۔علیشا بھی سب بھول کر نشانہ لگانے لگی۔

"ہیلو مس تانیہ! کتنی کامیاب رہیں آپ؟" رضا نے تانیہ کے پاس آ کر پوچھا جس نے ابھی تک ایک سیب بھی نہیں گرایا تھا۔

"مسٹر رضا! ابھی تو شروعات ہے۔"

"اوکے کیری آن۔" وہ اس پر ہنس کر آگے چلا گیا اور خود بھی نشانہ لگانے لگا اور کامیاب بھی رہا۔علیشا سے ابھی تک ایک سیب بھی نہیں گرا تھا لیکن تانیہ آخر کامیاب ہو ہی گئی۔

"رضا دیکھو! میں نے ایک بار میں دو سیب گرائے۔"

"اوہ گریٹ آپ نے تو کر لیا مگر ادھر دیکھیں لگتا ہے واپسی پر بھی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آنے والا۔" رضا علیشا کی طرف اشارہ کر کے مسکرا دیا۔

"علیشا مان لو کہ تم سے نہیں ہوگا۔"

"جی نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں اور ویسے بھی میں نے ابھی تک ٹھیک سے نشانہ لیا ہی نہیں۔" علیشا انسلٹ سے بچنے کے لیے بولی مگر رضا بھی کہاں باز آنے والا تھا ہاتھ میں پکڑے سیب اس کی طرف بڑھا کر کہنے لگا۔

"میری مانو یہ تم لے لو اور باہر جا کر سب سے کہنا تم نے گرائے ہیں۔"

"نو تھینکس مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں اور تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ نہیں توڑ پاؤں گی۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"اوکے پھر دیکھو میں تمہیں توڑ کے دکھاتی ہوں۔"

"آل دی بیسٹ شام میں ملتے ہیں چلو تانیہ ہم اپنی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔" رضا نے اسے مزید تپایا اور تانیہ کو لے کر وہاں سے چلا گیا۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو میں کر نہیں سکتی اب میں کر کے دکھاتی ہوں اسے۔" کئی بار ٹرائی کرنے کے بعد بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا اب تو اسے غصہ آنے لگا' اچانک اسے ایک ترکیب سوجھی اس نے جلدی سے ادھر اُدھر دیکھا جب وہ مطمئن ہو گئی کہ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تو درخت پر چڑھ گئی اور ہاتھ بڑھا کر کئی سیب نیچے گرا دیے۔

"آئی تھنک اتنے کافی ہیں اب میں تمہیں بتاتی ہوں کہ نشانہ کیسے لگاتے ہیں وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اسفند کی نگاہیں کب سے اس پر ٹکی ہیں جو اس وقت کھڑکی میں کھڑا کافی دیر سے اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا' جلدی اترنے کی کوشش میں اچانک اس کا بیلنس بگڑا تھوڑا ہی فاصلہ تھا کہ دھڑام سے نیچے آ گری اسفند یہ دیکھ کر بھاگتا ہوا اس تک آیا۔علیشا انسلٹ کی وجہ سے چل بھی نہیں پائی اس کا پاؤں مڑ گیا تھا درد کی شدت سے وہ اپنے آنسوؤں کو روک نہیں پائی۔

"کس نے کہا تھا آپ کو اوپر چڑھنے کو؟" اپنے قریب مانوس سی آواز سن کر سر اٹھایا۔آنکھوں میں موجود پانی آنسوؤں کی صورت میں اس کے رخسار پر بہہ رہا تھا یہ دیکھ کر اسفند نے مزید اسے کچھ نہیں کہا اور سہارا دے کر اسے اندر لے آیا۔

"آر یو اوکے؟" اس کا لہجہ بہت نرم تھا علیشا کو چیئر پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی سر!" اسے بٹھا کر خود اس کے قریب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

”دکھائیے مجھے۔“

”تو سرایس اوکے۔“

”علیشا پلیز!“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ سخت ہوگیا‘ تو اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا پاؤں آگے بڑھایا اسفند نے جیسے ہی اس کا پاؤں دبایا وہ درد سے کراہ گئی۔ اسفند نے اس کی طرف دیکھا آنسوؤں سے تر چہرہ بہت معصوم لگ رہا تھا اسفند نے اس کے پاؤں کو دوبارہ موڑ کیا وہ زور سے چلائی۔

”ریلیکس اب ٹھیک ہے۔“ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

”سر آپ نے تو کمال کردیا۔“ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی اور اٹھ کر چلنے کی کوشش کی تو درد کی شدت کم گئی جس سے وہ با آسانی یہاں سے وہاں آسانی سے چل رہی تھی علیشا کے چہرے پر مسکان دیکھ کر وہ بھی اب ریلیکس ہوگیا تھا وہ باہر چلی گئی۔

”کہاں گئے تمہارے سیب؟“ رضا نے اسے خالی ہاتھ آتے دیکھا تو پوچھا اس سے پہلے کہ علیشا کوئی جواب دیتی اسفند نے پلیٹ میں بہت سارے سیب رکھ کر رضا کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر کہا۔

”علیشا آپ یہ سیب وہیں بھول آئی تھیں۔“ وہ پلٹ کر واپس ہولیا۔

”اب بولو رضا! تمہاری بولتی کیوں بند ہوگئی۔“

”ارے واہ تم نے تو ہمیں بھی پیچھے چھوڑ دیا۔“

”اوکے کیا خیال ہے ایک گیم اور کھیل لیں شام ہونے سے پہلے پہلے اور اب کی بار اسفند کو بھی شامل کریں گے کیا کہتے ہیں آپ؟“ تانیہ کے پوچھنے پر سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اوکے میں سر کو بلاتی ہوں کوئی میرے ساتھ نہیں چلے گا۔“ مڑ کر دیکھا تو کوئی بھی آگے نہیں بڑھا پھر مسکرا کر کہنے لگی۔

”ٹھیک ہے میں اکیلی ہی بلالاتی ہوں۔ اسفی اب تھوڑا سا ٹائم ہمیں بھی دے دو۔“ اسفند اس وقت پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھا۔

”او ہو اسفی! میں تم سے بات کررہی ہوں۔“ تانیہ نے اس کے ہاتھ سے پائپ لے کر کہا۔

”ارے تانیہ دو منٹ۔“ وہ اس سے پائپ لینے لگا۔

”نو اسفی!“ تانیہ نے گرفت مضبوط کرلی۔

”تانیہ چھوڑ دو نا پلیز مجھے نہیں کھیلنی کوئی بھی گیم تم لوگ انجوائے کرو۔“

”اوکے تم ایسے نہیں ماننے والے یہ لو پھر۔“ تانیہ نے پائپ کا رُخ اس کی طرف کردیا۔ اسفند پر جیسے ہی پانی پڑا وہ اچھل کر دوسری طرف ہوگیا۔

”تانیہ یو......“ وہ اسے بھگو کر مزہ لے رہی تھی۔

”ایک بار پائپ میرے ہاتھ میں آجائے پھر دیکھنا۔“ وہ بھیگنے کی پرواہ کیے بغیر اس کی طرف بڑھا اور اس سے پائپ لینے میں کامیاب ہوگیا‘ تانیہ جھٹ سے بھاگنے کے لیے دوڑی اسفند نے فوراً پائپ کا رُخ اس کی طرف کیا تانیہ تیزی سے دوسری جانب مڑی اس کے عین پیچھے علیشا چلی آرہی تھی جو اس سچویشن کو سمجھ نہیں پائی تھی اور پانی کی تیز دھار سیدھی علیشا پر آگری۔ اچانک اس افتاد پر وہ بری طرح چونک گئی۔ نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تمام غصہ دور ہوگیا۔ وہ بری طرح سے بھیگ گئی تھی اس سے پہلے اسفند اس سے سوری کہتا وہ وہاں سے

بھاگتی ہوئی سیدھی سامنے والے کمرے میں گھس گئی رضا سامنے کھڑا یہ دیکھ رہا تھا اسے ثانیہ کے بچ جانے پر خوشی اور علیشا کے زد میں آ جانے پر ہنسی آ رہی تھی علیشا کمرے میں آ کر اپنے بھیگے بالوں کو سنوار رہی تھی جبھی رضا کمرے میں چلا آیا۔

''کیوں مزہ آیا؟''

''تم؟''

''ہاں میں۔''

''سچ رضا! اگر سر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اچھی خاصی سنا دیتی اس کو سارا ڈریس خراب کر دیا۔'' علیشا تپ گئی۔

''علیشا! لو یہ ڈریس پہن لو ایسا نہ ہو کہ تمہیں ٹھنڈ لگ جائے۔'' اندر آتے ہوئے کہا اور ہاتھ میں پکڑا سوٹ بیڈ پر رکھ دیا۔

''اٹس او کے ثانیہ! ابھی سوکھ جائیں گے۔''

''دیکھو علیشا اسفند واقعی بہت شرمندہ ہیں اسے بُرا لگے گا۔''

''کم آن علیشا! ثانیہ کہہ رہی ہے تو پہن لو ویسے بھی اتنی سردی ہے بیمار پڑ گئی تو آپی کو تو مجھے جواب دینا پڑے گا۔'' رضا نے اسے ڈریس اٹھا کر تھمایا تو اس نے لے لیا۔

''گڈ او کے تم چینج کر لو ہم چلتے ہیں۔'' علیشا ان ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں چھپ سی گئی تھی مرر کے آگے اپنا جائزہ لے رہی تھی۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے ممّا کا سوٹ پہن لیا ہو۔'' ان کپڑوں میں باہر جانے کا دل نہیں ہوا تو وہیں کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی جہاں سب باہر باسکٹ بال کھیل رہے تھے اچانک اسفند کمرے میں چلا آیا اپنی ہی دھن میں مگن ہاتھ میں پکڑا کوٹ بستر پر پھینکا تو چونک گیا علیشا نے اپنا دوپٹہ پھیلا رکھا تھا نظر اٹھا کر سامنے دیکھا علیشا اس کی آمد سے بے خبر تھی اس نے گرم شال اوڑھ رکھی تھی اور فرش پر بچھے کارپٹ پر ننگے پاؤں کھڑی تھی وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''یس ہم جیت گئے۔'' اچانک ہی باہر کی سمت سے آواز آئی تو وہ چونک گیا اس نے خود کو دروازے پر کھڑا پایا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

''لگتا ہے آج زوروشور کی بارش ہو گی۔'' رضا نے موسم کے تیور دیکھ کر کہا۔

''کیوں تمہیں گھر نہیں جانا؟'' ثانیہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

''مجھے تو کوئی ٹینشن نہیں آپ اپنے اسٹاف کی فکر کریں۔ وہ دیکھیں سب ہی چلے آ رہے ہیں۔''

''میڈم اب واپس چلتے ہیں بارش ہوئی تو جانا بہت مشکل ہو جائے گا۔''

''او کے میں اسفند سے بات کرتی ہوں۔''

علیشا کی نظریں جب کوٹ پر پڑیں تو آگے بڑھ کر اٹھا لیا اچانک زمین پر کچھ گرا علیشا نے جھک کر دیکھا تو رنگ تھی۔

''رنگ اس کوٹ میں یہ تو سر کا ہے رنگ تو لیڈیز ہے اور ہے بھی بہت نفیس مگر سر کی جیب میں کیا کر رہی ہے۔ سر نے کسی کو دینے کے لیے رکھی ہے ہو سکتا ہے ارے یار! مجھے کیا ہو گیا ہے کسی کے لیے بھی رکھی ہو۔'' رنگ واپس کوٹ میں رکھ کر باہر چلی آئی گارڈن میں کوئی موجود نہیں تھا اس کی نظر جھیل کے اس پار گئی جہاں سب بیٹھے تھے وہ

ان کی طرف آنے لگی تو رضا نے آواز دے کر روکا۔
''علیشا! اگر بارش میں یہ کپڑے بھی بھیگ گئے تو بہتر ہے وہ بھی رکھ لو۔'' دوسری طرف سب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
''میں وہاں آ بھی نہیں رہی سمجھے۔'' وہ تپ کر واپس ہو گئی۔
''بارش تھم جائے تو ہم واپس نکلتے ہیں۔'' اسفند نے کافی پیتے ہوئے کہا۔ علیشا کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی سب کے ساتھ جا کر بیٹھے اکیلے کمرے میں بور ہو رہی تھی۔
''اب اگر گئی تو رضا پھر شروع ہو جائے گا۔'' اسفند بھی وہاں بیٹھا تھا اس لیے جانے کا ارادہ ترک کر کے سامنے والے کمرے میں چلی آئی جس کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اسے لگا شاید کوئی اندر ہے۔ یہی سوچ کر اندر چلی آئی وہ بھول گئی تھی کہ یہ وہی کمرہ ہے جہاں اسفند نے کسی کو بھی آنے سے منع کیا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا یہ روم اسفند کا ہے اس لیے وہیں دروازے پر کھڑے کھڑے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ بلیو کلر کے پردے کافی اچھے لگ رہے تھے سائیڈ پر جدید طرز کا سنگل بیڈ اور اس کے کچھ ہی فاصلے پر ڈریسنگ ٹیبل موجود تھی جس پر مختلف قسم کے پرفیومز اور دوسری اشیاء رکھی تھیں اور دوسری طرف صوفے سیٹ کے ساتھ ٹیبل پر کچھ فائلز اور بک ریکس اور کھڑکی کے ساتھ فریج بھی تھا۔ کمرے کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہ وہاں سے جانے لگی تو اچانک اس کی نظر ٹیبل پر موجود ڈائری پر گئی تو تجسس کے ساتھ اندر چلی آئی اس نے آگے بڑھ کر ڈائری اٹھائی جو کھلی ہوئی تھی۔ جیسے ہی بند کرنے لگی تو یکدم رک گئی اس پر آج کی ڈیٹ درج تھی نہ چاہتے ہوئے بھی سب کچھ بھول کر پڑھنے بیٹھ گئی۔
''مما! آپ جانتی ہیں آج وہ بھی یہاں آئی ہے۔ مما وہ بالکل آپ کی طرح ہے وہی مسکان، وہی آنکھیں، وہی سادگی، وہی معصوم چہرہ پتہ ہے مما جب وہ میرے ساتھ ہوتی ہے مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور جب وہ نہیں ہوتی تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے وہ میرے ساتھ نہ ہو کر بھی مجھے ہر سمت دکھائی دیتی ہے اب بھی ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ میرے پاس ہے میرے بہت قریب میرے دل کے پاس میں اسے محسوس کر رہا ہوں یا شاید اس لیے کہ میں اسے لکھ رہا ہوں یا پھر یہ سمجھوں کہ مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے۔ مما! میں اپنی اس فیلنگ کو کیا نام دوں اگر یہ واقعی پیار ہے تو سن لیجیے میں اس کے بغیر نہیں جی پاؤں گا اگر وہ مجھے نہ ملی تو نہیں مما میں ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتا نہیں مما میں آپ کے بغیر تو جی رہا ہوں لیکن اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پتہ نہیں مما وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے بتاؤں کیسے آپ یہاں ہوتیں تو دیکھتیں کہ وہ آپ کے ڈریس میں بالکل آپ جیسی......''
''اس کا مطلب ہے سر کسی پر مرتے ہیں مگر وہ ہے کون؟'' ڈائری پڑھنے کے بعد وہ سوچنے لگی۔
''بہت پیاس لگی ہے یہاں تو پینے کے لیے پانی بھی نہیں ہے۔'' ٹیبل پر خالی جگ دیکھ کر وہ بولی۔
''ارے میں تو بھول گئی کہ یہاں پر تو فریج بھی موجود ہے کچھ نہ کچھ تو ملے گا ہی۔'' فریج میں ڈرنک اور کچھ بوتلیں وغیرہ تھیں اس نے کین اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔
''او گاڈ! کتنا کڑوا سا ٹیسٹ ہے پتہ نہیں کیسا فلیور ہے بالکل بھی مزے کا نہیں۔'' خود کلامی کرتی ہوئے بولی اور کین پی کر اپنی پیاس بجھائی۔
''اوکے بھئی اس سے پہلے کہ بارش ہو جائے یہ سب اپنا سامان گاڑی میں رکھ لیں جاؤ رضا علیشا کو بھی بلا

لاؤ۔" سب کو ہدایت دے کر وہ اپنے روم کی طرف چلا آیا۔
"علیشا! کیا ہوا تمہیں؟" اندر آتے ہی اسفند علیشا کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا وہ کارپٹ پر گری ہوئی تھی۔ جلدی سے آگے بڑھا علیشا دھیرے دھیرے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"سر درد میں نے۔" اسے اس حالت میں دیکھ کر یکدم ہی اس کے دل کو کچھ ہوا خود پر قابو پاتے ہوئے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔
"بولو علیشا کیا ہوا؟"
"سر درد میں......" اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے کی طرف اشارہ کیا اسفی نے نظریں اٹھا کر سامنے ٹیبل پر دیکھا اور گھبرا گیا۔
"اوہ گاڈ علیشا! یہ تم نے کیا کیا؟" یہ دیکھ کر اسے غصہ آ گیا اور نظریں واپس گھما کر اسے دیکھنے لگا مگر اب اسے ہوش کہاں تھا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اگر کسی کو پتہ چل گیا تو اچانک ہی ایک ڈر نے اسے آ لیا۔
"علیشا! کیا ضرورت تھی تمہیں میرے کمرے میں آنے کی اور تمہیں کولڈ ڈرنک اور شیمپین میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جو یوں چڑھا گئی ہو۔ جی میں آ رہا ہے ایک الٹے ہاتھ کا تھپڑ رسید کروں مگر افسوس میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔" اس کا غصہ عروج پر تھا مگر وہ بے جان مورت کی طرح اس کی باہوں میں تھی۔ اسفند نے اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر لٹا دیا۔
"کیوں علیشا! کیوں کیا ایسا؟" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔
"جب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ میرے کمرے میں نہیں آنا تو پھر کیوں آئیں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا تو علیشا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مڑ کر دیکھا تو چہرے پر ابھی بھی معصومیت تھی۔ اس کی پلکوں میں نمی واضح تھی جس نے اسے روکنے پر مجبور کر دیا وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔
"علیشا مجھے میرے احساسات کا جواب مل گیا ہے۔" اسفند خود پر مزید کنٹرول نہیں رکھ پایا۔
"علیشا! جانتی ہو میں نے تمہیں اس حالت میں دیکھا تو ایک پل کے لیے مجھے ڈر لگا۔ علیشا اس ڈر کے احساس نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا۔ آج مجھے احساس ہو گیا کہ پیار کسے کہتے ہیں ہاں علیشا جب سے میں نے تمہیں دیکھا اپنے اندر ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب محسوس کرنے لگا تھا نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن اب اچانک جانا کہ میرے دل کو سکون مل گیا ہو۔ اتنے دنوں کی بے قراری کو جیسے قرار مل گیا ہو۔ آج اس پل نے مجھے احساس دلا دیا کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرنے لگا ہوں نہیں جانتا کہ یہ سب صحیح ہے یا غلط بس اب ایک بار تم بھی مجھ سے کہہ دو کہ میرے دل میں اٹھنے والے یہ جذبات اور احساسات بے معنی نہیں ہیں۔ غور سے سنو ان دھڑکنوں کو جن میں صرف تمہارا نام ہی گونج رہا ہے۔" علیشا کا ہاتھ اپنے بائیں جانب سینے پر رکھ کر کہا۔
"سنا تم نے علیشا۔" وہ اپنی محبت میں بہت مسرور ہو رہا تھا۔
"علیشا! اسفند درانی آج تمہیں اپنا پیار اپنا آپ سونپ رہا ہے اس کا خیال رکھنا۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی محبت میں اور آگے بڑھتا یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔
"اوہ گاڈ! یہ میں کیا کرنے جا رہا تھا۔ وہ نہیں مگر میں تو ہوش میں ہوں۔" اسے جب علیشا کا خیال آیا تو کہا۔
"اسفی کیا کر رہے ہو جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔" اچانک تانیہ اندر چلی آئی۔
"کیا ہوا اسے؟" علیشا پر نظر پڑتے ہی وہ قدرے چونک کر اسفی کو دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچتی

اسفند نے خود آگے بڑھ کر اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا یہ سُن کر وہ بھی پریشان ہوگئی۔

رضا کو تو بتانا ہی تھا اس لیے اسے سب کہہ سنایا۔

"اب کیا کریں اس حالت میں تو میں اسے گھر نہیں لے جاسکتا۔" رضا نے گھبراتے ہوئے کہا۔ لہٰذا اسفند نے ہی مسئلے کا حل نکالا۔ اسفند کے کہنے پر تانیہ اسٹاف کے ساتھ چلی گئی اور ان سے کہا کہ علیشا الگ سے رضا کے ساتھ جائے گی اور خود اسفند یہیں ٹھہرے گا۔ فارم ہاؤس اس کا ہی تھا اس لیے کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ علیشا کے گھر موسم کی خرابی کا بہانہ بنا کر رضا نے آج رات یہیں ٹھہرنے کا کہا سب کچھ آرام سے ہوگیا۔ اب صرف علیشا کی ہی ٹینشن تھی۔ کافی دیر سے وہ بارش میں بھیگتے ہوئے باسکٹ بال کھیل رہا تھا اس کے اندر عجیب سی بے چینی اور بے سکونی تھی۔ جتنا اسے سوچ رہا تھا اتنا ہی اس میں ڈوب رہا تھا۔ رہ رہ کر اس کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا تصور پوری طرح سے اس پر حاوی تھا۔ اسے اپنا بالکل بھی ہوش نہیں تھا۔ بھی تو اتنی دیر سے اتنی تیز بارش میں اکیلا ہی بال سے اُلجھ رہا تھا۔ شاید اس فعل سے وہ اپنی بڑھتی ہوئی بے قراری اور دیوانگی کو کچھ کم کر سکے۔

"سر! اتنی تیز بارش میں آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" رضا نے جب اسے یوں بھیگتے ہوئے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"بس ایسے ہی مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے باہر چلا آیا۔" وہ خود میں اُلجھا اُلجھا سا بولا۔

"اوکے آئیں اندر چل کر باتیں کرتے ہیں۔" رضا سردی سے کانپتے ہوئے بولا۔

"نو ایٹس اوکے تم جاؤ اندر اور آرام کرو۔" وہ تیزی سے بال لے کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"سر! یہاں اتنی ٹھنڈ ہے آپ بیمار پڑ جائیں گے۔" اس وقت وہ وائٹ شرٹ کے ساتھ بلیک پینٹ پہنے ہوئے تھا شرٹ کی آستینیں فولڈ کی ہوئی تھیں اور شرٹ کے اوپر والے بٹن کھلے ہوئے تھے سر سے پاؤں تک مکمل بھیگ چکا تھا سردی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی وہ اب بھی کھڑا کھیل رہا تھا تو رضا نے اسے اندر چلنے کو کہا جو خود گیلری میں کھڑا تھا اس کے بار بار کہنے پر آخر وہ اندر آ ہی گیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور اب وہ رضا کے کہنے پر چینج کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ یہاں آ کر وہ اور بے چین سا ہوگیا۔ وہ اس کا جواب سننا چاہتا تھا۔ اس کی ہاں...... اس کا اقرار سننے کے لیے من مچل رہا تھا۔ بے قرار ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ وہ اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔ علیشا دنیا اور مافیا سے بے خبر اس کے روم میں سو رہی تھی مگر وہ جانتا تھا وہ کسی پل جاگے گی ضرور۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اچانک ہی کچھ گرنے کی آواز آئی وہ گہری نیند سے اٹھ بیٹھا۔ ٹائم دیکھا تو دو بج رہے تھے۔ اٹھ کر باہر چلا آیا۔ باہر آ کر جگہ کا سرسری سا جائزہ لینے کے بعد واپسی کے لیے مڑنے لگا تو پھر سے کھٹ پٹ کی آوازیں آئیں۔ اب کی بار غور کیا تو آواز کچن سے آ رہی تھی جلدی سے اس طرف آیا تو اسے دیکھ کر چونک گیا علیشا سر پکڑے کرسی پر بیٹھی تھی۔

"سر! آپ؟"

"کیا ہوا بھوک لگی ہے۔" اس کی حالت دیکھ کر پیار سے پوچھا۔

"ہاں پتہ نہیں سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔" ابھی بھی بے زاری لگ رہی تھی اس نے اس کے لیے لائم جوس بنایا۔

"یہ لو اسے پی لو۔"

"مجھے نہیں پینا۔"

"دیکھو یہ پی لو پھر جو کھانا ہو کھا لینا۔" نہایت نرم لہجے میں کہا تو وہ مزید ناک چڑھا کر قریب کر بولی۔

"تم نہیں جانتی تم میرے لیے کیا ہو گئی ہو۔"
"سر! میں نہیں وہ۔" وہ روانی میں بول گیا تو علیشا نے کہا۔
"ہاں وہ میرے لیے کیا ہے جانتی ہو۔ میری خوشی' میری چاہت' میری کل کائنات اس کے ساتھ دل کا نہیں روح کا رشتہ جڑ چکا ہے۔ اب تو وہی میرے جینے میرے سانس لینے کی وجہ بن گئی ہے اگر وہ کبھی مجھ سے جدا ہوئی تو نہیں علیشا پہلے ہی اس خیال نے مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا۔" اضطراب، کبھی آنکھیں، بے چین نگاہیں عجیب ہی داستان سنا رہی تھیں۔ وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔ کتنا الگ تھا اس کا یہ انداز' کتنا درد تھا اس کی باتوں میں کتنا جذباتی ہو رہا تھا وہ اگر اسے بتاتا کہ وہی اس کی چاہت' وہی اس کا پیار' اس کی دیوانگی' اس کی محبت کا حاصل ہے کیسے بتاتا کہ وہی تو اس کے پیاسے صحرا کا سمندر ہے۔ اس کی زندگی کا محور صرف اس کی ذات تھی۔
"علیشا! آپ کس سے پیار کرتی ہیں؟" بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ متوجہ ہوا۔ انداز بالکل نارمل تھا مگر وہ یکدم گھبرا گئی۔ کیا جواب دیتی وہ اس کے سوال کا پیار تو واقعی اسے ہوا نہیں تھا تو پھر کیا کہتی عدنان کا نام وہ لینا نہیں چاہتی تھی۔
"سر! آپ کافی تھک گئے ہوں گے اور مجھے بھی اب نیند آنے لگی ہے۔" وہ بات کو ٹال کر بولی اور جمائی لینے لگی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ باتوں باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔
سورج نکلتے ہی وہ واپسی کے لیے تیاری کرنے لگے۔ تینوں اکٹھے ہی وہاں سے نکل آئے۔ تھکن کے باوجود بھی اسفند آفس چلا آیا۔ رضا نے آنا ضروری سمجھا لیکن علیشا نہیں گئی گھر آ کر اس نے دن بھر آرام کیا۔ اب وہ خود کو کافی ریلیکس فیل کر رہی تھی آفس سے واپسی پر رضا سیدھا ادھر چلا آیا۔

☆......☆

"ہاں مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر چونکی تو وہ نارمل انداز میں بولا۔
"کیا بات ہے؟"
"بتاتا ہوں آپی کافی ملے گی؟"
"ہاں بالکل ابھی لاتی ہوں۔" تحریم وہیں پاس بیٹھی تھی اس لیے پہلے اسے چلتا کیا اور پھر خفیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"رضا کیا بات ہے؟"
"کیا ضرورت تھی تمہیں یہ سب کرنے کی؟" دھیما مگر سخت لہجہ تھا۔
"میں نے کیا کیا؟"
"تمہیں کچھ یاد نہیں؟" اس کے انداز پر اسے حیرت ہوئی۔
"رضا ہوا کیا؟"
"واقعی تمہیں بالکل یاد نہیں۔"
"نہیں۔" اس کے لہجے میں حیرانگی کے ساتھ لاعلمی تھی اسے یقین ہوا واقعی اسے کچھ یاد نہیں کل جو کچھ ہوا کہہ سنایا۔ جوں جوں وہ انکشاف کر رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑتی جا رہی تھیں۔
"او گاڈ! یہ میں نے کیا کیا؟" حقیقت جان کر وہ صدمے کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔
"کتنی آسانی سے انہوں نے مجھ سے سچ چھپایا تھا۔ تا کہ مجھے شرمندگی نہ ہو اور میں نادان سمجھ نہیں پائی رضا مگر

میں کسی کو......"

"نہیں تم نے مجھے پاگل سمجھا ہے کیا۔ اچھا یہ چھوڑو یہ بتاؤ کل چلو گی؟"

"آفس تو دے اتنا سب کچھ ہو گیا میں اب کیسے جاؤں گی۔ سب میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

"ڈونٹ وری یار آفس میں کسی کو علم نہیں۔" نمرا سے ٹینشن ہونے لگی۔

"وہ تو سب جانتے ہیں کیسے نظریں ملاؤں گی میں ان سے نہیں اب میں آفس نہیں جاؤں گی۔"

"کم آن علیشا! سر کو اگر کچھ کہنا ہوتا تو کل ہی کہہ دیتے اور ویسے بھی تم یوں اچانک آفس چھوڑ دو گی تو سب کیا سوچیں گے۔ اس لیے پلیز آفس چھوڑنے کی غلطی مت کرو۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن دو تین دن تک تو میں نہیں جاؤں گی جب تک یہ بات پرانی نہ ہو جائے"۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" آج بھی جب رضا آفس آیا تو اسفند کی بے چینی مزید بڑھ گئی کل تو سمجھ سکتا تھا مگر آج کیوں نہیں آئی۔ رضا نے اس کے گھر والوں کو کچھ بتا تو نہیں دیا۔ ہاں شاید یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ خود سے یہ سوچتا ہوا رضا کے کیبن کی طرف چلا آیا۔

"رضا! علیشا آج آفس کیوں نہیں آئیں؟" رضا نے جب اسے اپنے کیبن میں دیکھا تو کام چھوڑ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی بے تابی اپنی جگہ تھی اس کے تاثرات اپنی جگہ تھے جسے وہ نظر انداز کر گیا۔

"سر! اسے بخار ہے۔" وہ بری طرح چونکا تھا۔

"تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں انفارم کیا؟"

"وہ سر میں آپ کے پاس آنے ہی والا تھا مگر کام میں بزی تھا۔" وہ صفائی دیتے ہوئے بولا۔ وہ بجھے چہرے کے ساتھ واپس چلا آیا۔

"مجھے اس سے ملنے جانا چاہیے پتہ نہیں وہ کیسی ہو گی؟ مجھے دیکھ کر نہ جانے کیا سوچے میرا جانا اسے اچھا لگے یا نہ لگے آئی ہوپ اب کی بار اچھا سوچے۔" اسے آج بھی وہ دن یاد تھا۔

"سر! وہ آ گئی ہے۔" نمرا نے آ کر اسے انفارم کیا۔

"آپ کو کسی کی پرواہ ہے کوئی مرے یا جیے آپ کو تو بس اپنے کام سے مطلب ہے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ سامنے والا اس پوزیشن میں ہے یا نہیں مگر آپ کو اس سے کیا۔ یہ لیجیے اپنی فائلز۔" وہ اندر آتے ہی کسی طوفان کی طرح برسی تھی اسے بخار تھا تبھی تو اس نے چھٹی کی تھی مگر اسفند کو یہ علم نہیں تھا جب ہی تو اس نے گھر سے فون کر کے بلایا تھا۔ آنکھوں میں شدید اشتعال تھا۔ چہرہ جو بخار میں تپ رہا تھا اس کا حلیہ بھی بے ترتیب ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بستر سے اٹھ کر چلی آئی ہو۔ نہ ہی کندھے پر گرتی شال کی پرواہ تھی نہ ہی بالوں کا خیال اپنے حال سے بے خبر وجود ایک پل میں اسے بے کل کر گیا تھا اپنی اس حرکت پر وہ پشیمان بھی تھا۔

"آئی ایم رئیلی سوری۔" سر جھکا کر اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

"سر مے آئی کم ان؟" ندا کے پکارنے پر ایکدم ہی اپنی سوچوں سے باہر آیا۔

"یس کم ان۔" آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے کہا اس پل نے اسے واقعی تکلیف پہنچائی تھی۔ جس علیشا کو اس نے ہمیشہ ہنستے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر وہ خود بھی تو کتنے ہی پل بے چین رہا تھا اور اب یہ جان کر کہ وہ بیمار ہے کسی بھی پل اسے قرار نہیں تھا اسے دیکھے بغیر اسے قرار آ جائے یہ ممکن ہی کہاں تھا۔

''مجھے یہ ذرا اچھا نہیں لگتا میں یہ نہیں پیوں گی۔''

''لگتا ہے اسے کچھ یاد نہیں۔'' اس لیے وہ اسے اصل وجہ بتا نہیں رہا تھا۔

''علیشا پی لو اس سے تمہارے سر کا بھاری پن ختم ہو جائے گا۔''

''علیشا میں کہہ رہا ہوں اس لیے چپ چاپ پی لو۔'' اس نے مصنوعی غصے میں ذرا سخت لہجے میں کہا تو اس نے جھٹ گلاس منہ سے لگا لیا اور ایک ہی سانس میں پی گئی کچھ دیر تک وہ اپنے منہ کے زاویے ہی بدلتی رہی۔ یہ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو خود کو اس ماحول میں دیکھ کر چونک گئی اور حیرت بھری نظروں سے اس کو دیکھنے لگی جو اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''کچھ نہیں۔'' وہ نظریں جھکا گئی لیکن اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

''علیشا! آپ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اس لیے ہمیں یہاں رکنا پڑا اسٹاف تانیہ کے ساتھ جا چکا ہے اور اس وقت میں اور آپ......'' استانبول کر وہ جان بوجھ کر رک گیا۔ جبھی اس نے اس کی طرف دیکھا کیا کچھ نہ تھا اس کے چہرے پر گھبراہٹ، ڈر، خوف من ہی من وہ اس کی حالت پر ہنس دیا۔ اسے مزید پریشان نہ کرتے ہوئے کہا۔

''رضا سامنے والے کمرے میں سو رہا ہے۔'' یہ سُن کر وہ جیسے پُرسکون ہو گئی۔

''علیشا! اب آپ کیسی ہیں؟'' وہ اسے چھوڑنے کمرے تک چلا آیا اُسے بستر پر بٹھا کر پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''ایم سوری میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔''

''اٹس او کے۔'' اس نے جھک کر شال اس کے کندھے پر ڈال دی۔

''سر! مجھے کیا ہوا تھا؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں کیا واقعی اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اس کے انکشاف پر وہ بہت حیران ہوا۔ اگر اسے کچھ یاد نہیں تو اس نے سوری کیوں کیا۔ اب وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جو کافی انجان بن کر اسے دیکھ رہی تھی تو اس نے نظریں جھکا کر گہری سانس لی۔

''وہ ایکچوئلی علیشا! وہ تمہیں اچانک چکر آ گئے اور تم بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔'' اسے کچھ یاد نہ ہونے کا اس نے فائدہ اٹھایا۔

''لیکن سر......''

''ارے چھوڑیے لیکن ویکن، کیوں اپنے دماغ پر زور ڈال رہی ہیں آپ آرام کریں۔'' وہ مسکرا کر بولا اور واپسی کے لیے مڑا جبھی اس نے کہا۔

''سوری سر! مجھے آپ کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔''

''ارے ہاں میں تو بھول ہی گیا۔'' پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''اٹس او کے علیشا! مجھے بُرا نہیں لگا۔''

''سر! میں نے ایک اور غلطی کی ہے۔''

''علیشا جو ہوا اسے بھول جائیں مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔'' اسے لگا وہ اپنی ڈرنک والی حرکت کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے اس لیے اگنور کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھنے لگا۔

''سر! میں نے آپ کی ڈائری پڑھی۔'' وہ فوراً بولی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے مڑا وہ ساکت ہو گئی۔ اس کا نقش نقش

دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا کمال کا بھول پن سادگی تھی اس کے چہرے پر اس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''سر! میں نے صرف آج ہی کی رائٹنگ پڑھی ہے۔'' کتنا معصوم سا تھا اس کا انداز بے اختیار اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔ وہ نا سمجھی میں اسے دیکھنے لگی۔ اس نے ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا جس پر وہ اس قدر ہنس رہا تھا وہ کنفیوژ سی ہو گئی۔ پھر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''ٹیک اِٹ ایزی علیشا!'' وہ خوش ہو گئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں کہیں کھو سا گیا کہیں دور بہت دور۔

''سر! آپ کسی سے پیار کرتے ہیں؟'' یہ سوال جو وہ کب سے پوچھنے کی ہمت کر رہی تھی اس وقت خود بخود زبان پر آ گیا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر نا جانے کیا سوچ کر پُرسکون سا ہو گیا اور اس کے سامنے صوفے پر آ بیٹھا۔

''پوچھو کیا کہہ رہی تھیں تم آج میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔'' وہ بھی سب کچھ بھول بھال کر بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''ہاں علیشا! میں کسی سے محبت کرنے لگا ہوں بے پناہ بس اپنی مما سے تھوڑی کم لیکن باقی سب سے بہت زیادہ۔'' نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی لیکن ان خوبصورت آنکھوں میں کتنا پیار تھا ایک عجیب سا نشہ تھا محبت سے سرشار تھیں اسفی کی یہ آنکھیں مگر وہ تو جیسے انجان تھی محبت کے اس بہتے دھارے سے ابھی تو یہ اقرار سُن کر اسے کچھ نہیں ہوا تھا شاید اس کا دل اس جذبے سے عاری تھا۔

''انجان ہے محبت کے افسانوں سے اس کے سلگتے ارمانوں سے یہ جانتی ہی نہیں کہ محبت کیا چیز ہے محبت کسے کہتے ہیں۔'' محبت شاید اسے ابھی ہوئی نہیں تھی ورنہ محبت تو وہ ہے جو آنکھوں سے پڑھ لی جائے۔ محبت ہو پھر کہنے کی ضرورت ہی کہاں رہتی ہے اسے تو بند آنکھوں سے بھی محسوس کیا جا سکتا ہے مگر جب سامنے والا ہی نا سمجھ نادان ہو تو یہ اقرار بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسفند کی نظریں خود پر ٹکی دیکھیں تو اس کی اٹھی پلکیں دوبارہ جھک گئیں۔

''سر! کون ہے وہ؟'' اس کی جھکی نظریں دوبارہ سے اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

''بتا دوں؟'' اس کے لہجے میں شوخی تھی اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

''تم۔'' بنا کسی ہچکچاہٹ کے کہا یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے دل پر کیا بیتے گی۔

''میں؟'' یکدم ہی اس کا دل بے قابو ہو گیا تیزی سے چلتی سانسوں پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھی وہ بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔

''ریلیکس علیشا! میرے کہنے کا مطلب ہے کہ تم جان کر کیا کرو گی؟'' اس میں جان جیسے واپس آ گئی ہو اس کی حالت دیکھ کر ایسا لگا جیسے شاید یہ ابھی اس سب کے لیے تیار نہیں اس لیے بات کو گھما گیا اس کا سکون اسے بے چین کر گیا۔

''علیشا! وہ ابھی اس سب کے لیے تیار نہیں مجھے ڈر ہے میں اس کا اقرار سننے سے پہلے اسے کھونا نہیں چاہتا۔'' کتنی تڑپ کتنی بے چینی تھی اس کی آواز میں مگر وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

''سر اس کا مطلب وہ آپ سے پیار نہیں کرتی۔'' اسفند نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے شاید وہ اقرار سے ڈرتی ہے۔''

''لیکن کیوں سر؟''

''نہیں جانتا۔'' وہ بے دل سا ہو گیا۔

''مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ بھی مجھ سے اتنا ہی پیار کرتی ہے۔'' جبکہ اسے دیکھ کر ایسا نہیں لگتا تھا۔

☆......☆

''علیشا! دیکھو دروازے پر کون ہے؟''

''آپی پلیز آپ دیکھ لیں میں کچن میں ہوں۔'' گیٹ کھولا تو سامنے نہایت اسمارٹ ہینڈسم لڑکے کو کھڑے پایا تو حیران ہو کر پوچھا۔

''جی آپ کون؟''

''میں اسفند درانی، علیشا کا باس۔''

''آئیے آپ اندر آئیے۔'' وہ اندر چلا آیا۔

''علیشا! تمہارے باس آئے ہیں۔'' ڈرائنگ روم میں مما کے ساتھ بٹھا کر تحریم سیدھی کچن میں چلی آئیں۔ علیشا کے لیے یہ خبر انہونی تھی جسے سن کر وہ گلاس کا نقصان کر چکی تھی۔

''آپ سچ بول رہی ہیں۔'' وہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

''ہاں مگر تمہیں کیا ہوا؟'' اس کا ری ایکشن دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''او گاڈ! پتہ نہیں یہ سر کیوں آئے ہیں مما سے میری شکایت کرنے تو نہیں آئے۔'' من ہی من سوچ کر گھبرا گئی۔

آپی! آپ ذرا چائے وغیرہ دیکھیں میں دیکھ کر آئی۔''

''ارے سنبھل کر زمین پر کانچ بکھرے پڑے ہیں۔'' ان سے بچتی ہوئی اندر چلی آئی۔

''آؤ علیشا! تمہاری ہی باتیں ہو رہی تھیں۔'' مما نے جب اسے پکارا تو اسفند نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس تھی شرٹ کی آستینوں پر اور گلے پر خوبصورت موتی جگمگا رہے تھے اور بڑے سے دوپٹے کے کنارے پر بھی سیاہ موتی چمک رہے تھے ایک لمحے کے لیے اسفند کی نگاہیں اس کے چہرے پر آ کر رک گئیں۔ اس کا چہرہ بالکل پھول کی مانند کھل رہا تھا۔ بخار یا اس جیسی کوئی اور بات اس کے چہرے پر بالکل عیاں نہیں تھی۔ یہ دیکھ کر اس کے اندر تک سکون اتر گیا۔ بے قرار روح کو جیسے قرار مل گیا ہو۔ ہر پل بڑھتی بے چینی دور ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ریلیکس ہو گیا۔

''سر آپ یہاں؟'' اس کے حیران کن لہجے نے اسے چونکا دیا ابھی بھی ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''ایکچوئلی مجھے پتہ چلا کہ آپ بیمار ہیں اس لیے خیریت پوچھنے چلا آیا۔'' یہ سن کر اس کی جان میں جان آئی۔ گہری سانس لی۔

''ایسی کوئی بات نہیں مگر کچھ کام تھا اس لیے۔'' وہ نارمل انداز میں بولی۔

''اوکے تو پھر کل آپ آ رہی ہیں ناں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''جی سر۔'' یہ سن کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''اوکے اب میں چلتا ہوں۔''

''ارے سر ایسے کیسے نہ چائے نہ ٹھنڈا۔''

''نو تھینکس اوکے پھر بھی۔''

''ارے بیٹا! جب آئے ہو تو تھوڑی دیر تو بیٹھ جاؤ۔'' مما نے جب اتنی اپنائیت سے کہا تو وہ انکار نہ کر سکا اور بیٹھ گیا۔ علیشا بھی یہ دیکھ کر جلدی سے چائے لینے چلی آئی۔

''آپی! مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی کہ سر میری خیریت پوچھنے آئے ہیں۔'' اسفند کے جانے کے بعد وہ

تحریم سے اپنی حیرانگی کا ذکر کر رہی تھی۔

''اوہو علیشا! تم تو اس طرح ان سے ڈرتی ہو جیسے وہ تمہیں کھا جائے گا۔ کتنے اچھے اور نائس انسان ہیں مگر تم نے انہیں ہٹلر سے بھی زیادہ سنگین بنا رکھا ہے۔''

''ہاں بھئی بڑے اچھے اخلاق کا لڑکا ہے۔'' تحریم کی مما نے بھی اس کی تعریف کی تو وہ چپ ہو گئی۔ خاموشی سے ان کی باتوں پر سر ہلانے لگی۔ اسفند سے کہہ دیا تھا اس لیے خود کو بھی آفس جانے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ روز کی طرح آج بھی ہارن عروج پر تھا جلدی سے چیزیں لے کر باہر چلی آئی۔

''ارے واہ رضا یہ تمہاری ہے کس کی ماری؟'' باہر آ کر جب اس نے رضا کی بائیک کی جگہ گاڑی کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ رضا تو اس کے یوں کہنے پر تپ گیا۔

''اسفند سر نے مجھے میری سکسیس پر دی ہے۔''

''لیکن تم نے کونسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جو سر نے تمہیں گاڑی دے دی۔''

''یار! وہی جو میں ثانیہ کے ساتھ اسلام آباد گیا تھا۔''

''ڈیل کا کنگریچولیشن۔'' علیشا نے اسے مبارکباد دی۔

☆......☆

''سر! آپ نے یہ فائل منگوائی تھی۔'' علیشا نے فائل اس کے سامنے بڑھائی۔

''جی ہاں۔'' اس وقت روم میں انیتا بھی موجود تھی۔ جو اپنی شادی کی وجہ سے ریزائن دینے آئی تھی۔

''علیشا انیتا تو اب جا رہی ہیں اس لیے اب آپ میری پرسنل سیکریٹری اپائنٹ کی جاتی ہیں۔'' علیشا کو یہ سن کر حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔

''سر میں جاؤں۔'' دونوں ایک ساتھ بولیں۔ اسفند نے انہیں دیکھا۔

''اوکے جائیں۔''

''واہ علیشا اب تو آپ پرسنل سیکریٹری ہو گئی ہیں پھر تو ہماری ٹریٹ بنتی ہے۔'' رضا نے سب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

''اوکے لنچ بریک میں سب کو میری طرف سے ٹریٹ ہے۔''

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' اچانک ہی اسفند کی آواز پر سب یکدم خاموش ہو گئے۔

''سر وہ ہم علیشا سے ٹریٹ مانگ رہے تھے۔'' اسفند نے سامنے کھڑی علیشا پر نظر ڈالی جو اٹھتی گرتی پلکوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بھئی ضرور لیجیے گا چھوڑیے گا مت۔'' اس کا مسکراتا لہجہ سب کو حیران کر گیا وہ واپس چلا آیا۔

''ارے واہ کمال ہو گیا سر تو آج بڑے ہی اچھے موڈ میں تھے۔'' اسفند کے جانے کے بعد فہد نے کہا۔

''ایکسکیوزمی یور ٹائم از اوور۔''

''واٹ اتنی جلدی۔'' رضا نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ سب فوراً وہاں سے نکلے۔ علیشا ہاتھ میں پکڑی آئس کریم کھاتی مزے سے جا رہی تھی کہ سامنے سے آتے شخص سے ٹکرا گئی وہ غصے سے بولی۔

''دیکھ کر نہیں چل سکتے سارا ڈریس خراب کر دیا۔'' بنا دیکھے ہی برس پڑی۔

''آئی ایم سوری۔'' ایک مانوس سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اس نے جلدی سے سر اٹھا کر دیکھا۔

''سس......سر آپ۔'' وہ اسے دیکھ کر جلدی سے اپنی آئس کریم چھپانے لگی یہ خیال ہی نہیں رہا کہ وہ پہلے

ہی دیکھ چکا تھا۔ اس کی حرکت پر وہ مسکرانے لگا۔

''ایس او کے علیشا! کیا آپ ہمیں ٹریٹ نہیں دیں گی۔'' اس کا یہ انداز حیران کر دینے والا تھا۔

''لیکن سر! اب تو لنچ بریک ختم ہو گیا۔''

''ہمارے لیے بھی یہ پابندی ہے؟'' وہ سرگوشی کرتے ہوئے بولا تو وہ اس کے انداز پر اسے دیکھتی رہ گئی۔

''چلیں؟''

''جی ہاں سر آپ کو کیا پسند ہے؟'' وہ کافی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔

''جو آپ کو پسند ہو۔'' اس کے ساتھ چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اچانک اس کا موبائل رنگ کرنے لگا۔ دیکھا تو ثانیہ کا نام فلیش ہو رہا تھا۔

''علیشا! جسٹ آ منٹ۔'' وہ ریسیو کرتے ہوئے سائیڈ پر چلا آیا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد واپس آیا۔

''علیشا آئی تھنک یہ کسی اور کی ہے۔'' نظر جب ٹیبل پر گئی تو رک گیا۔

''تو سر! یہ ہماری ہی ٹیبل ہے۔'' وہ بری طرح چونکا کیونکہ ان کی ٹیبل پر اس وقت کینٹین سے ملنے والی تمام چیزیں موجود تھیں۔ کتنا بے ساختہ تھا اس کا قہقہہ۔ کچھ پل کے لیے تو وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی۔

''اوہ گاڈ علیشا! تم بھی ناں۔'' وہ ابھی تک مسکرا رہا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

''سیریس یہ ٹریٹ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''علیشا! کیا تم بعد میں بھی ایسا کرو گی۔'' مگر وہ نجانے خود کو کہاں تصور کر رہا تھا۔ یہ پل تو جیسے اس کے لیے آب حیات تھے۔ اس کی ایک ایک ادا اور اس پل کو اپنے کل میں سمو رہا تھا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ جس کی وہ تمنا کر رہا تھا جسے اپنے خیالوں میں اپنے سپنوں میں اپنے کل میں بھیج رہا تھا وہ محض اس کی ادھوری محبت ہے۔ جسے وہ اپنے اندر باہر محسوس کر رہا تھا کیا وہ اس کی بن سکے گی کیا وہ اسے حاصل کر پائے گا' کل کی کسے خبر؟

''آج کا یہ حسین پل میری زندگی کے خوبصورت پلوں میں سے ایک تھا۔ وہ میرے بالکل سامنے بیٹھی تھی۔ کاش میں اسے بتا سکتا کہ میں اس کے بغیر کیا ہوں وہ میری محبت' میری چاہت' میری تشنگی سے ناآشنا ہے؟ کیا اسے میری محبت نظر نہیں آتی کیا وہ جان نہیں سکتی کہ میرا دل ہر وقت اسے دیکھنے کے لیے مچلتا رہتا ہے کیا اسے ان آنکھوں میں اپنا عکس اپنا وجود دکھائی نہیں دیتا یا پھر وہ میری محبت سے واقف ہے اور شاید میرا امتحان لے رہی ہے کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ جل کر مٹ جائیں اور شمع کو خبر بھی نہ ہو ہاں وہ جانتی ہے میری محبت کو میری بڑھتی ہوئی چاہت کو میرے عشق سے وہ انجان نہیں میں بھی دیکھتا ہوں وہ میری محبت کا اور کب تک امتحان لیتی ہے۔ آخر خود ہی ان باہوں میں تڑپ کر نہ سمائی تو میری محبت محبت نہیں۔ آج سے امتحان تمہارا بھی ہے علیشا میری یہ باہیں بے صبری سے تمہارا انتظار کریں گی۔'' اس لائن کے اختتام پر اس نے اپنی ڈائری کو بند کیا اور اٹھ کر بستر پر چلا آیا۔

☆......☆

''مبارک ہو اب آپ میرے ساتھ نہیں جا رہیں۔'' اچانک دروازے کی سمت سے آواز آئی تو علیشا نے مڑ کر دیکھا تو سامنے عدنان کھڑا تھا۔ چہرے پر خفگی نمایاں تھی۔ اسے دیکھ کر علیشا نے نظریں دوبارہ موڑ لیں۔ عدنان یورپ جا رہا تھا اس لیے چاہتا تھا کہ علیشا بھی اس کے ساتھ چلے شادی کر کے وہ بھی ایک ہفتے کے اندر اندر آفس سے آتے ہی اس کے لیے یہ خبر کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ بمشکل تحریم کو اپنے ساتھ ملا کر اس بات کو ٹالا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کے پل بیت گئے۔ عدنان علیشا کے انکار کی وجہ جاننا چاہتا تھا اس لیے ابھی تک

وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"کیا میں انکار کی وجہ جان سکتا ہوں۔" وہ اب بھی خاموش تھی۔

"بولو علیشا! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"عدی! آپ جانتے ہیں اتنی جلدی سب کچھ ارینج کرنا بہت مشکل ہے ممابابا کے لیے۔"

"انکار تم نے کیا ہے وہ اب بھی راضی ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ تم......" اتنا کہہ کر وہ رک گیا۔

"رک کیوں گئے کہیے ناں عدی! کیا میں اس بے اعتباری کی وجہ جان سکتی ہوں۔" علیشا نے جیسے اس کی نظروں کو پڑھ لیا ہو۔

"وجہ تم خود ہو۔" علیشا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی وہ ہنس دیا۔

"یہ سب کیا ہے عدی؟"

"ایم سوری یار میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ واقعی تمہارے انکار کی وجہ یہی ہے یا کچھ اور مگر اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے انکار کی وجہ کوئی نہیں ہے وئس اگین سوری میں نے تمہیں یونہی ہرٹ کیا۔" اس کی حرکت پر وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی مگر عدنان کو شاید اس کی پرواہ نہیں تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ میرے جانے کے بعد مجھے فون کرو گی؟"

"دیکھوں گی۔"

"دیکھوں گی نہیں کرو گی۔"

"جی۔" وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

"ویسے سچ میں تمہیں بہت مس کروں گا اگر تم میرے ساتھ چلتیں تو ویل اٹس اوکے آج نہیں تو کل تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے۔"

"میرے خیال سے باہر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے جب اس کا ہاتھ تھام کر اپنا حق جتایا تو وہ گھبرا سی گئی۔

ہاں بھئی چلو۔" یوں تو سب اس کی مرضی سے ہوا تھا مگر اس کی وجہ سے پھوپھو کچھ خفا سی ہو گئی تھیں مگر سب خاموش تھے بلا ٹلی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

☆......☆

"علیشا! سر پوچھ رہے ہیں اور کتنا ٹائم لگے گا۔"

"بس تھوڑا دو منٹ اور۔" اس نے تیزی سے پیپرز ٹائپ کرتے ہوئے کہا۔ جب سے نئے پروجیکٹ پر کام شروع کیا تھا سب ہی کی توجہ اس پر تھی آفس کا ٹائم بھی بڑھا دیا گیا تھا۔

"سر! یہ فائل۔" وہ کام میں اس قدر بزی تھا کہ بنا نظر اٹھائے اس سے فائل لے کر رکھ لی۔ جگہ جگہ فائلز بکھری ہوئی تھیں دیکھ کر لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ اسفند کا کیبن ہے۔ فائل دے کر وہ واپس چلی گئی۔ اسفند نے اسے اسائنمنٹ کمپلیٹ کرنے کو کہا تھا۔ سارا دن وہ کام میں بزی رہی۔ اسائنمنٹ مکمل کر لیا تو اسفند کو چیک کرانے کے لیے لے آئی دیکھا تو وہ صوفے پر بیٹھا ٹانگیں سامنے ٹیبل پر رکھے سو رہا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھنے

گئی۔ اس کے بال بے ترتیب ہو کر اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی ہوئی تھی' شرٹ کی آستینیں بھی فولڈ کی ہوئی تھیں' پین اب بھی اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد وہ آگے بڑھی اور ٹیبل پر بکھری فائلز سمیٹنے لگی۔ اچانک گلاس ہاتھ سے ٹکرایا اور نیچے جا گرا اسی لمحے اس کی آنکھ کھل گئی۔

''علیشا! تم یہاں؟''

''سر وہ میں......'' اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں دیکھ کر وہ ہڑبڑا سی گئی۔ اسی کی نظر ٹوٹے ہوئے گلاس پر پڑی۔

''اٹس او کے پیون سے کہیے وہ صاف کر دے گا تم بتاؤ کچھ کام تھا۔''

''جی سر میں یہ فائل دینے آئی تھی۔''

''ٹھیک ہے رکھ دیں میں چیک کر لوں گا۔''

''سر آج آپ گھر چلے جائیے گا۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تو اس نے رک رک کر کہا۔

''تو میں ٹھیک ہوں ایک دن کی بات ہے اس کے بعد ریسٹ ہی کرنا ہے۔''

''سر آپ کام کی ٹینشن مت لیں میں ہینڈل کر لوں گی۔ احمر نے بتایا تھا کل رات آپ یہیں تھے سر پلیز آج مت ٹھہریے گا۔'' کتنا اپنا سا لگ رہا تھا اس کا یہ انداز' کتنی چاہ کتنی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔

''اوکے' نہیں ٹھہروں گا۔''

''تو ابھی سب کے ساتھ نکلیں۔''

''واٹ آٹھ بج گئے۔''

''جی سر۔''

''او گاڈ! میں نے مسٹر ہمدانی کو ٹائم دے رکھا تھا' ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''سر! بہت ضروری ہے؟''

''یس علیشا۔''

''لیکن سر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں آپ کو آرام کی ضرورت ہے آپ اتنی لمبی ڈرائیو کریں گے ان کا آفس بھی اتنا دور ہے۔''

''ہاں مگر جانا ضروری ہے میرے پاس اور دوسرا آپشن بھی نہیں ہے۔ اگر تانیہ ہوتی تو وہ چلی جاتی مگر اب کسے بھیجوں۔''

''سر آپ رضا کو بھیج دیجیے۔''

''ارے ہاں مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔'' کچھ دیر میں رضا ان کے آفس میں موجود تھا۔ اسفند نے اسے ساری ڈیٹیلز بتا دیں۔

''اوکے سر میں چلتا ہوں۔''

''اوکے جلدی نکلو وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اچانک رک گیا۔

''علیشا تم گھر کیسے جاؤ گی۔''

''ڈونٹ وری میں اسے ڈراپ کر دوں گا تم جاؤ۔'' رضا چلا گیا۔

''لیکن سر آپ کیسے؟''

''علیشا! میں ٹھیک ہوں اب چلیں۔'' علیشا اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ اسفند خاموشی سے

ڈرائیونگ کر رہا تھا مگر علیشا اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی اس لیے بار بار اسے دیکھ رہی تھی۔

''سر ایک بات پوچھوں؟'' اسفند نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سر وہ ڈائری والی لڑکی کون ہے؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نا جانے کیا محسوس کیا۔

''علیشا! میں نے کہا تھا وقت آنے پر میں بتاؤں گا بلکہ ملواؤں گا۔''

''کیا آپ اس سے ملتے ہیں؟''

''ہاں روز ملتا ہوں۔''

''لیکن کب سارا دن تو آپ آفس میں گزارتے ہیں تو پھر اس سے کب ملتے ہیں۔''

''اس سے بھی تو آفس میں ہی ملتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ اچھل پڑی لیکن اس کا انداز نارمل تھا۔

''ہاں بھئی آفس میں کبھی وہ میرے پاس آجاتی ہے کبھی میں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔''

''اس کا مطلب اسٹاف میں سے کوئی ہے۔''

''ہاں لیکن آپ کو اتنی بے چینی کیوں ہو رہی ہے۔'' اس نے الٹا اس پر وار کیا تو وہ یکدم گھبرا گئی۔

''نو سر! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ اندر ہی اندر بے چین ہونے لگی۔

''آخر اسٹاف میں کون سی لڑکی ہو سکتی ہے جسے سر پسند کرتے ہیں۔'' اس کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی اس لیے جلدی سے پوچھا۔

''سر وہ کیسی دکھتی ہے؟'' وہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی وہ ایک پل کے لیے ٹھٹکا پھر نارمل ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''اس کے لمبے ریشمی بال کبھی کبھی شانوں پر بکھرتے ہیں مگر جب بکھرتے ہیں تو بادلوں کی سیاہی بھی کم لگنے لگتی ہے۔ اس کی جھلملاتی آنکھیں جب میری نظر سے ٹکراتی ہیں تو حیا سے جھک جاتی ہیں اس کے گلابی رخسار اور شبنمی ہونٹ جو بن کہے بہت کچھ بول جاتے ہیں۔ اس کا حسین پرکشش سراپا تو بس اپنی مثال آپ ہے۔ چنچل سی معصوم اور کبھی کبھی تو بچوں جیسی جس پر اور بھی پیار آتا ہے۔ جی چاہتا ہے بس اسے۔''

''سر'' وہ کچھ زیادہ ہی آگے نکل رہا تھا علیشا نے اسے ٹوک دیا اور شاید اس لیے بھی کہ وہ اپنے اندر عجیب سی فیلنگز محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر سمجھ بھی گیا تھا مگر وہ خود نہیں سمجھی تھی۔

''علیشا! اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی فیلنگز بالکل نہیں چھپا سکتی ہے جو اس کے دل میں ہو اس کی آنکھوں میں صاف پڑھا جا سکتا ہے بہت بھولی ہے وہ سچ پوچھو تو علیشا جب سے وہ میری زندگی میں آئی ہے تو مجھے اپنا آپ اچھا لگنے لگا ہے۔ پہلے نہ اپنا ہوش تھا نہ دنیا کی پرواہ مگر اس کے آتے ہی مجھے نئی زندگی مل گئی وہ ایک لڑکی نہیں ہے میری زندگی ہے میرے جینے کی وجہ۔''

''آج اسے یہ احساس ہوا ہوگا کہ وہ مجھے پیار کرتی ہے کتنی بے چینی تھی اس کے چہرے پر شاید میں نے غلط کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا نہیں کم از کم اسے بھی تو پتہ چلے کہ پیار میں جلن کیسی ہوتی ہے ابھی تو صرف شروعات ہوئی ہے۔ ابھی تو اور بھی ہیں عشق کے امتحان دیکھتے ہیں علیشا تم کب تک انکار کر پاؤ گی۔ سنو پاگل لڑکی کبھی اور ان کہی کے درمیان سولی پر لٹکی ہو تمہیں معلوم ہے تم جان کر منزل سے بھٹکی ہو۔ یہ نہیں کہ تم بہت خوددار ہو پر یہ حقیقت ہے انا کی ایک حد اچھی ہے مگر اس کے آگے محض یہ خود فریبی ہے اذیت سہہ رہی ہو اور چپ ہو کیا قیامت ہے تم آخر مجھ سے کیوں نہیں کہتیں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' روز کی طرح آج بھی اپنی

ڈائری سے اپنا حال دل تحریر کر رہا تھا۔

☆.........☆

آج آفس میں سب ہی بہت خوش تھے۔ کیونکہ ان کے ایک ہفتے کی محنت رنگ لائی تھی جس پروجیکٹ پر وہ لوگ کام کر رہے تھے آج وہ مکمل ہو گیا تھا۔ پورا ہفتہ اتنا بزی رہا کہ علیشاہ، عدی سے بات نہیں کر پائی تھی لیکن آج اس نے اسے کئی فون کیے تھے۔ پھر بیٹھ کر سب کو اپنی سکسیس کے بارے میں بتا رہی تھی اور اسفند کی یوں تعریفیں کرنا شروع ہوئی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی تبھی تحریم نے ٹوک کر کہا۔ ''علیشا! خیریت تو ہے آج تم اپنے اکڑو باس کی تعریف کر رہی ہو۔''

''ہاں آپی! جب سے میں نے انہیں قریب سے جانا ہے ان کی پرسنالٹی سامنے آئی ہے وہ جیسے غصے والے نظر آتے ہیں ایسے بالکل بھی نہیں ہیں بہت کیئرنگ اور نائس ہیں۔'' وہ مما کے گرد بانہیں پھیلا کر بولی۔

☆.........☆

''اوہو یہ رضا کے بچے کو گاڑی کیا مل گئی اپنے آپ کو آسمان پر سمجھنے لگا ہے آ رہی ہوں بابا۔'' مسلسل ہارن پر وہ تپ گئی۔ جلدی جلدی میں جوس کے گھونٹ گلے میں اتارے اور باہر چلی آئی۔ عدنان کو سامنے دیکھ کر چونک گئی۔

''آپ کب آئے؟''

''کل شام کو۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا تو وہ اسے دیکھ کر بولا آج اس کے آنے سے نجانے کیوں خوشی نہیں ہوئی تھی اس لیے مزید کچھ کہے بنا خاموشی سے بیٹھی گزرتے مناظر دیکھ رہی تھی۔

''تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟'' اچانک سوال پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ٹائم ہی نہیں ملا۔'' مختصر سا جواب ملا۔

''اوہ بہت بزی ہو گئی ہو۔''

''میں نے کہا ناں مجھے ٹائم نہیں ملا دن رات اتنے مصروف تھے آخر کانٹریکٹ پورا کرنا تھا اسفند سر تو کافی پریشان تھے۔''

''اوہ تو پراجیکٹ کامیاب رہا۔'' اس کی نگاہیں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں تو اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''سر نے پارٹی بھی دی تھی۔''

''کس خوشی میں۔'' اس کا سوال کافی عجیب لگا مگر ظاہر نہ کرتے ہوئے بولی۔

''سکسیس کی خوشی میں۔''

''اوہ تو پھر آپ اسپیشل گیسٹ ہوں گی۔'' بنا سوچے سمجھے ہاں کہہ گئی تو وہ مسکرانے لگا اس کی مسکراہٹ میں طنز واضح تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی اور عدنان گاڑی گھما کر واپس چلا گیا۔

''علیشا! سر تمہارا کب سے ویٹ کر رہے ہیں۔'' اندر آئی تو ندا نے اسے انفارم کیا۔

''سب ٹھیک تو ہے؟''

''آئی ڈونٹ نو تم خود ہی جا کر پوچھ لو۔''

''سر! آپ نے بلایا۔''

''علیشا! آج آپ نے اتنی دیر کر دی خیریت؟'' اندر قدم رکھتے ہی اس نے پوچھا۔

''سر وہ ایکچولی......''

''خیر چھوڑیے آئیے بیٹھیے آج سب سے خاص دن ہے آج ثانیہ کی برتھ ڈے ہے آپ سب نے آنا ہے شام میں۔'' وہ اثبات میں سر ہلا کر روم سے باہر نکل آئی۔

☆.........☆

علیشا جب تیار ہو کر باہر آئی تو مما کے ساتھ تحریم بھی اس کی تعریف کرنے لگی۔

''واہ علیشا آج تو تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔''

''تھینک یو۔''

''یار! اب آ بھی جاؤ۔'' رضا تقریباً آدھے گھنٹے سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ علیشا کو دیکھا تو گرنے کے انداز میں کہا۔

''واہ یار آج کس ارادے سے تیار ہوئی ہو۔ کہیں کوئی خاص پروگرام تو نہیں؟''

''شٹ اپ رضا چلو اب نکلو اگر آج بھی لیٹ ہوگئے تو سر آج بھی سنا دیں گے۔'' جیسے ہی یہ لوگ گیٹ سے نکلے سامنے سے عدنان کی گاڑی چلی آرہی تھی۔

''کہاں جا رہے ہو تم دونوں؟'' دونوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''ایکچوئلی ہم اپنے فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی میں جا رہے ہیں۔''

''کون ہیں تمہارے باس کیا نام ہے ان کا۔''

''ارے سر کی نہیں ثانیہ کی برتھ ڈے ہے۔''

''اوہ او کے تو میں چلتا ہوں۔''

''عدنان اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔''

''رئیلی؟'' رضا نے آفر کی تو عدنان سے پہلے علیشا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں بھئی ویسے بھی سر نے کہا تھا اگر آپ اپنی فیملی میں سے کسی کو لانا چاہیں تو لے آئیے گا۔'' علیشا نے اعتراض کیا۔

''اٹس او کے رضا تم لوگ جاؤ مجھے ویسے بھی کچھ کام ہے۔'' اسے علیشا کا بی ہیویر ٹھیک نہیں لگا اس لیے بہانہ بنا کر کہا رضا نے اسے گھورا تو مجبوراً بولی۔

''عدی! آپ کام چھوڑیے اور چلیے ہمارے ساتھ۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اصرار کرنا پڑا تو وہ فوراً تیار ہوگیا۔ آفٹر آل اسے اس کا ساتھ چاہیے تھا۔ ثانیہ کو یہ سرپرائز بے حد پسند آیا تھا۔ اسفند بلیک ڈریس میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ وہ کافی بے چینی سے علیشا کا انتظار کر رہا تھا۔ بیس منٹ کے بعد اسے دیکھ کر اس کی بے چینی دور ہوئی۔ ہاتھ میں بکے تھامے وہ اس کی طرف چلی آئی۔ اسے دیکھ کر وہ ہوش کھو بیٹھا اس نے ریڈ کلر کی بہت خوبصورت میکسی پہن رکھی تھی جس میں وہ پری کی طرح لگ رہی تھی۔ ہلکا سا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا اور بالوں کو جوڑے کا شیپ دے کر قید کیا ہوا تھا۔ سر سے لے کر پاؤں تک غضب ڈھا رہی تھی۔ اسفند اسے دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہاں تک کہ وہ چل کر اس کے قریب پہنچ چکی تھی مگر اس کی نگاہیں تھیں کہ مسلسل اس پر لگی ہوئی تھیں۔

''ہیلو سر!'' اس کے پکارنے پر وہ ہوش میں آیا۔

''سر یہ برتھ ڈے گرل کہاں ہیں؟'' رضا نے پوچھا۔

"میں یہاں ہوں۔" تانیہ انہیں دیکھ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"رضا نے گفٹ آگے بڑھاتے ہوئے اسے وش کیا۔" اس نے مسکرا کر گفٹ تھام لیا۔

"واہ علیشا! یو آر لوکنگ سو گورجیئس۔"

"تھینک یو۔" اپنی تعریف سن کر مسکرا کر کہا۔ اس نے جھجکتے ہوئے اسے تھمایا۔

"علیشا! ویسے ان پھولوں میں اور تم میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آ رہا۔" تانیہ نے پھر اس کی تعریف کر دی تو وہ شرما کر سر جھکا گئی۔ اتنے میں عدنان گاڑی پارک کر کے ان کی طرف چلا آیا۔ اسے دیکھ کر اسفند شاک رہ گیا۔ تانیہ بھی اسے اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی تو پھر علیشا نے اس کا تعارف کرایا۔ اپنے کزن کی حیثیت سے عدنان نے نوٹ کیا مگر خاموش رہا تانیہ خوش دلی سے اس سے ملی مگر اسفند چاہ کر بھی ایسا نہ کر پایا۔ کیونکہ اس نے آج علیشا کو صرف اپنے ساتھ تصور کیا تھا عدنان کی آمد پر اس کا موڈ آف ہو گیا۔ سب کی تالیوں کی گونج میں تانیہ نے کیک کاٹا اور سب سے پہلے اسفند کو کھلایا علیشا جو عدنان کے ساتھ کھڑی تھی اسے اس کے ساتھ دیکھ کر وہ حد درجہ جلن فیل کر رہا تھا۔ رضا نے آگے بڑھ کر تانیہ کو کیک کھلایا۔ پھر علیشا نے بھی اسے کیک کھلایا۔ تانیہ نے اسے اسفند کو کھلانے کو کہا وہ ایک پیس اٹھا کر اس کی طرف چلی آئی مگر وہ کہیں دور ہی کھویا ہوا تھا اتنے قریب سے اس کی آواز سن کر چونک گیا۔

"سر کیک۔" اسے اپنے قریب پا کر من ہی من میں خوشی ہوا اس نے اس کی جانب دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا وہ یکدم گھبرا گئی اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کیک کھا لیا اور پھر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ابھی وہ اسی کشمکش میں تھی کہ اس نے اس کے ہاتھ سے بچا ہوا کیک لے کر اس کی طرف بڑھایا اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا کتنا پیار تھا اس کی ان آنکھوں میں مگر اسے یہ سب کہاں دکھائی دے رہا تھا اس نے نظریں جھکا کر کیک کھا لیا۔

"کم آن تانیہ۔" اچانک وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ تانیہ شیمپئن کی بوتل کھول رہی تھی ایک ہی پل میں شیمپئن کی پھوار ہوا میں اچھلی سب تالیاں بجانے لگے۔ علیشا لان میں بچی ٹیبل پر آ بیٹھی۔

"ڈونٹ مائنڈ پر مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں اس پارٹی میں آنا چاہیے تھا۔" اچانک عدنان بھی اس کے پاس آ بیٹھا۔

"عدی! یہ میری فرینڈ کی پارٹی ہے اور ویسے سر نے بہت اصرار کیا تھا اگر وہ نہ کہتے تو میں نہ آتی۔"

"اوہ تو تم اپنے باس کی وجہ سے یہاں ہو۔"

"عدی انہیں برا نہ لگے اس لیے میں یہاں آئی۔"

"تو تمہیں اپنی فرینڈ سے زیادہ اپنے باس کی ناراضی کی فکر تھی۔"

"اُف عدی! آپ بھی ناں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔"

"ارے تم دونوں یہاں کیوں چلے آئے کم آن انجوائے۔"

"تو ہم یہیں ٹھیک ہیں۔"

"ارے کم آن علیشا گیٹ اپ۔" تانیہ نے جب انہیں اکیلے یہاں بیٹھے دیکھا تو کہا عدنان تو اٹھ گیا مگر علیشا انکار کرنے لگی۔ کیونکہ ڈانس وغیرہ اس کو نہیں آتا تھا۔ عدنان نے اصرار کیا تو وہ چلی آئی۔ ان کے آتے ہی اسفند غصے سے وہاں سے چلا گیا۔ علیشا نے پہلے ہی کہہ دیا۔

"عدی! پلیز مجھے گھمائیے گا مت۔" مگر وہ کہاں ماننے والا تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں اسے گھما دیا۔

"اوہ گاڈ عدی! میں نے کہا تھا کہ مجھے یہ سب نہیں آتا۔" وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی تو کہا۔

''ریلیکس علیشا! میں ہوں تمہیں گرنے نہیں دوں گا۔''
''مگر عدی......''
''نو اگر مگر جسٹ انجوائے۔'' اس کا موڈ بھی بدل گیا۔ اس نے پھر گھما تو وہ گرتے گرتے بچی۔
''اٹیف عدی اٹیف ابھی گر جاتی۔''
''گری تو نہیں ناں۔''
''بہت مزہ آ رہا ہے ناں آپ کو اگر بیچ محفل میں گری تو دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔'' وہ اس کی بات پر ہنس رہا تھا۔ جبکہ وہ چڑ کر بولی۔ اسفی جو سامنے ہی چیئر پر بیٹھا اس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس وقت اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ وہ تو بس اپنی دنیا میں ہی مگن تھے۔ وہ تڑپ اور جلن کی آگ میں اندر اندر جل رہا تھا۔ کوئی یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کا پیار کسی اور کی بانہوں میں ہو۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا تو شراب کے نشے میں خود کو ڈبو رہا تھا۔ اچانک کسی کے ٹکرانے سے جام اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ ایکسکیوز کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر ڈانس فلور کی طرف بڑھا۔ عدنان نے علیشا کو اب کچھ زیادہ ہی گھما دیا اور اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے اسفند تھا۔
''تھینکس سر! عدی آپ نے تو مجھے گرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بس اب مجھے نہیں کرنا یہ ڈانس وانس۔'' خود کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھنے لگی تو ایک جھٹکے سے رک گئی۔ اس کا ہاتھ ابھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ چھڑانے لگی تو اس نے گرفت مضبوط کر لی۔ نظر اٹھا کر اس کا ارادہ جانا تو اس نے فلور پر ڈانس کرتے لوگوں کی طرف دیکھا وہ دیکھ کر جلدی سے بولی۔
''نو سر! اب اور نہیں آپ نے دیکھا ناں میں گرنے والی تھی۔'' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ بھی ایک جھٹکے سے اس کے قریب چلی آئی۔ اس نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اس کے قید بالوں کو آزاد کیا۔ وہ کافی دیر سے یہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا یہ انداز اسے بے خود کر گیا۔ دیوانوں کی طرح اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے جب اس کی آنکھوں میں دیکھا تو یکدم اسے کچھ ہوا۔ وہ مسلسل اسے دیکھ کر ڈانس کر رہا تھا۔ کتنی بے قراری تھی اس کی ان آنکھوں میں' کتنی تڑپ تھی اس کے روم روم میں' کتنا جل رہا تھا وہ اندر سے مگر اسے ابھی بھی کیوں دکھائی نہیں دے رہا تھا' کیوں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پھر جان کر انجان کیوں تھی۔ کیوں اس کے جذبات سے کھیل رہی تھی' کیوں اسے دھوکہ دے رہی تھی اچانک اسفی نے اسے بنا سہارا دیا اس کو گھما دیا اسے لگا کہ وہ گر جائے گی مگر اس کا ڈر غلط ثابت ہوا۔ اگلے ہی پل وہ اس کی بانہوں میں تھی۔ اسفی پر تو جیسے جنون سوار تھا۔ وہ بار بار اسے گھماتا اور وہ واپس اس کی بانہوں میں لوٹتی۔ پر اس بار اس نے زیادہ ہی جوش سے گھما دیا وہ مسلسل گھومتی جا رہی تھی سب اسے غور سے دیکھے جا رہے تھے۔ وہ بھی اپنے جنون سے باہر آ گیا اس سے پہلے کہ وہ گرتی اسفند نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنی جانب کھینچا۔ تو وہ ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے آ لگی۔ اس کے بال اس کے رخسار پر بکھر گئے دھڑکنیں بہت تیز تھیں۔ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا کچھ دیر اس کے سینے سے لگی اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے لگی۔ سب نے ایک ساتھ پُر جوش انداز میں تالیاں بجائیں۔ جن میں رضا بھی شامل تھا۔ علیشا جو ان سب سے لاتعلق ہو چکی تھی تو اچانک سر اٹھا کر دیکھا۔ خود کو اسفند کے اتنا قریب پا کر اپنے ہوش سنبھال کر سیدھی ہوئی۔ وہ اس کے اتنا قریب تھا کہ اس کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو بھی محسوس کر لیا

تھا۔ اس نے ابھی بھی اسے اپنی گرفت سے آزاد نہیں کیا تھا۔ علیشا کو فوراً عدنان کا خیال آیا جو کچھ دیر پہلے تو سامنے ہی کھڑا تھا مگر اب باہر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ علیشا نے اسے وہیں سے آواز دی۔ وہ جلدی سے اس کے پیچھے بھاگی۔ رضا جو کچھ دیر پہلے یہ سب انجوائے کر رہا تھا اب وہ بھی فوراً اس کے پیچھے بھاگا۔

''عدی! رکیں میری بات تو سنیں۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہا تھا وہ رو دینے والی ہو گئی مگر اس نے پرواہ نہیں کی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ چلا گیا وہ اس کے پیچھے بھاگی کہ اچانک زمین پر بچھے کارپٹ سے پاؤں اٹکا اور منہ کے بل آ گری۔ اس کا سر گملے سے زور سے ٹکرایا اور خون بہنے لگا وہ پرواہ کیے بغیر جھٹ سے اٹھی اور اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ جا چکا تھا۔ اتنے میں رضا اس کے پیچھے چلا آیا اس کے پیچھے اسفند بھی اسے اس حال میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھا۔ ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بھی۔

''علیشا! یہ کیسے ہوا؟'' اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ انجان سی بولی۔

''تمہارے سر پر چوٹ لگی ہے تمہیں پرواہ ہی نہیں دیکھو کتنا خون بہہ رہا ہے۔'' رضا بھی دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''چلو رضا اسے ہاسپٹل لے کر چلیں۔'' اس نے جیب سے رومال نکال کر اس کے ماتھے پر رکھا۔

''نو سر! آئی ایم او کے۔''

''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ مزید ہائپر ہو گیا۔ رضا نے جلدی سے اسفند کی کار نکالی اور اسے لے کر وہ ہاسپٹل گئے۔ واپسی پر رضا نے اس سے چوٹ لگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے دھیمے لہجے میں سب بتا دیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ اسفند خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ پھر انہیں ڈراپ کیا۔ علیشا جب اندر آئی تو مما جاگ رہی تھیں تو اس نے انہیں دیکھ کر ماتھے پر بال گرا دیے۔ وہ ان سے مل کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ صبح ہوئی تو رضا چلا آیا اور زور زور سے علیشا کو پکارنے لگا۔ سب گھر والے جمع ہو گئے۔ علیشا بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ رضا کے ہاتھ میں نیوز پیپر تھا۔

''کیا بات ہے رضا خیریت تو ہے۔''

''جی خیریت ہی تو نہیں آپ سب کے لیے ایک بری خبر ہے۔''

''اللہ خیر کیا ہوا بیٹا؟'' علیشا کی مما پریشان ہو کر بولیں۔

''ارے خالہ! آپ کی بیٹی کا رزلٹ آ گیا ہے۔'' علیشا جلدی سے اس کے ہاتھ سے نیوز پیپر لے کر دیکھنے لگی۔

''ارے یار! یہاں صرف ٹائم لکھا ہے کہ 2 بجے آئے گا۔''

''بدتمیز تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔''

''یار! تم تو پاس ہو جاؤ گی میرا کیا ہو گا۔''

''ڈونٹ وری تم بھی کلیئر ہو جاؤ گے۔''

آخر ان کی محنت رنگ لائی۔ علیشا نے ٹاپ کیا تھا اور رضا بھی کامیاب رہا تھا۔ علیشا نے رضا کو آفس جاتے ہوئے اپنا ریزائن لیٹر بھی تھما دیا۔ کسی نے بھی اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ سب ہی خوش تھے اس کے اس فیصلے سے۔ رضا نے جب اسفند کو علیشا کا ریزائن لیٹر دیا تو وہ تقریباً اپنی سیٹ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''لیکن کیوں۔''

''سر! آنچ تلی اس کی...... '' کہتے کہتے اچانک رک گیا۔ شادی کا ذکر کرنے والا تھا پھر بات بدل گیا۔

''سر! آج ہمارا رزلٹ آ گیا ہے اور علیشا نے کہا تھا وہ جاب صرف رزلٹ آنے تک کرے گی۔''
''وہ خود کیوں نہیں آئیں انہیں نہیں معلوم کہ ایسے ریزائن نہیں لیا جاتا۔'' وہ اب باس کے انداز میں کہہ رہا تھا تو وہ جواباً چپ ہو گیا۔

☆......☆

عدنان نے علیشا کو ڈنر پر لے جانے کا پروگرام بنایا تھا جس کے لیے وہ بمشکل ہی راضی ہوئی تھی۔
''علیشا! دیکھو کون آیا ہے؟'' وہ دیکھ کر چونک گئی۔
''سر! آپ یہاں؟''
''ہاں وہ کچھ ضروری کام ہے تم سے۔''
''مگر سر میں نے تو ریزائن......''
''آئی نو بٹ اٹ از امپورٹنٹ۔'' وہ اسے دیکھے ہی جا رہا تھا کتنی خوبصورت لگ رہی تھی وہ اس بلیک ڈریس میں وہ اس وقت اسے بے خود سا کر رہی تھی۔
''سر! کام کیا ہے؟''
''یہاں نہیں تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ پلیز علیشا اگر ضروری نہ ہوتا تو میں نہ کہتا۔''
''مگر سر......''
''صرف پندرہ منٹ اس سے زیادہ تمہارا وقت نہیں لوں گا۔'' وہ اُلجھ سی گئی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے مما کی طرف دیکھنے لگی۔
''ٹھیک ہے بیٹا! تم جاؤ لیکن جلدی آ جانا۔''
''ڈونٹ وری میں خود انہیں یہاں چھوڑ جاؤں گا۔'' اس نے فوراً کہا۔
''چلیں علیشا؟''
''اوہ میں بھول گیا یہ پھول تمہارے لیے۔'' اس نے بکے اسے تھماتے ہوئے کہا اس نے پیاری سی مسکان کے ساتھ بکے لے کر ٹیبل پر رکھا اور اس کے ساتھ چلی آئی۔
''سر! ایسا کونسا ضروری کام آ گیا ہے؟'' گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے پوچھا وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔
''وہ علیشا آئی ایم سوری میں نے اندر جھوٹ کہا تھا۔''
''واٹ؟''
''ہاں دراصل مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' اس نے ایک نظر اسے دیکھا وہ بے چین نظر آ رہی تھی۔
''سننے سے پہلے یہ حال ہے جاننے کے بعد کیسا ری ایکٹ کرو گی۔'' وہ اسے کہنا چاہتا تھا مگر خاموش رہا۔
''سر! بتایئے ناں کیا بات ہے؟''
''ابھی نہیں واپسی پر۔''
''لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟''
''تمہاری سکسیس پر تمہیں آئس کریم کھلانے لے جا رہا ہوں۔'' اس نے جتنے آرام سے کہا تھا وہ اتنی ہی چونکی۔
''لیکن مجھے کہیں جانا ہے دیر ہو جائے گی۔''
''پھر بھی چلی جانا۔''

"سر! میرا جانا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔" وہ ابھی بھی اپنی ضد پر اڑا تھا تو اسے خاموش ہونا پڑا۔ آئس کریم کھانے کے بعد جیسے ہی گاڑی میں آ کر بیٹھے تو اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"سر! پلیز اب تو بتایئے کیا بات ہے میں کتنی بار پوچھ چکی ہوں اندر بھی آپ نے کچھ نہیں کہا۔" اس نے بناء کچھ کہے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ وہ کافی تیز ڈرائیو کر رہا تھا تو وہ یکدم گھبرا گئی پھر اچانک اس نے ایک جگہ پر آ کر گاڑی روک دی سیٹ سے سر ٹکا کر گہرا سانس لیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنا شروع کیا۔ وہ مسلسل اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"علیشا! جب میں چھوٹا تھا میری مما میری زندگی جو میرے جینے کی وجہ تھیں مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں اور پاپا میری زندگی میں ہو کر بھی نہیں تھے ان کے بعد میں خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ ہر پل ان کی یادوں میں کھویا رہتا تھا۔ خوشیوں کے رنگوں سے مجھے نفرت ہونے لگی تھی دنیا کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی زندگی سے بھی نفرت ہونے لگی تھی مگر اچانک ہی کسی نے آ کر میری اس ویران پتھر جیسی بے جان زندگی میں جان ڈال دی۔ مجھے پھر سے جینا سکھایا۔ مجھے زندگی سے محبت ہونے لگی۔ رنگوں سے سپنوں سے پیار ہونے لگا۔ اسے دیکھ کر ہی میرے شب و روز گزرنے لگے مگر جب وہ نظر نہ آتی تو دل بے چین ہو کر تڑپ اٹھتا۔ بے قرار ہو کر اسے یہاں وہاں ڈھونڈنے لگتا اور اسے جیسے ہی دیکھ لیتا تو ایسا گمان ہوتا کہ مجھے میری سانسیں واپس مل گئی ہوں۔ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ آئی ایم لو مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے یہ جان کر بہت عجیب سا لگا۔ جس اسفند نے آج تک کسی کو اہمیت نہیں دی تو پھر وہ میرے لیے اتنی خاص کیسے ہو گئی۔ کیسے اس نے کسی کو اتنی چاہ سے دیکھا کہ وہ اس کی چاہ بن بیٹھی کیسے؟ یہ میں خود نہیں جانتا مگر یہ سچ ہے کہ آج میں اسفند درانی جی جان سے چاہتوں کی ہر حد سے آگے آخری انتہا تک زندگی کی چاہ سے بھی زیادہ اس حسین ماہ جبین کو چاہنے لگا ہوں۔ جانے نہیں پوجنے لگا ہوں۔ میرا یہ پیار یہ بھی نہیں جانتا کہ اس دل میں اس پاگل دیوانے کے لیے کوئی جگہ بھی ہے یا نہیں۔ سچ تو یہ ہے علیشا اس نے مجھے مجھ سے چھین لیا ہے میرا خود پر اختیار نہیں رہا۔ اگر اس نے مجھے خود سے جدا کیا تو قسم ہے خدا کی اسی لمحے میں اپنی زندگی کی بازی ہار جاؤں گا۔ نہیں جی پاؤں گا مر جاؤں گا اس کے بغیر۔"

"سر! وہ کون ہے؟" جب اس کی شدت دیکھی تو ڈرتے ڈرتے کہا اس نے نظر اٹھا کر اس دیکھا اور کہا۔

"میری زندگی کی سانس صرف اور صرف تمہارے نام کے ساتھ تمہارے وجود سے جڑی ہے ہاں علیشا آج میں تم سے اپنے پیار کا اقرار کرتا ہوں اس یقین کے ساتھ کہ تم بھی مجھے میری ہی طرح پیار کرتی ہو۔" اس نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی مگر وہ تو اپنی ہی دھن میں مگن نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔

"علیشا! پتہ ہے تم رضا کے ساتھ آتی جاتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا اس لیے میں نے اسے تانیہ کے ساتھ بھیج دیا تاکہ خود کچھ پل تمہارے ساتھ گزار سکوں مگر نہیں تم تو دوسرے ہی دن کسی اور کے ساتھ چلی آئیں۔ مجھے بہت غصہ آیا جب رضا نے مجھے بتایا کہ تم اکیلی آفس آ جا نہیں سکتی تو یہ سن کر خود پر غصہ آیا کہ میں نے کیسے تمہارے بارے میں غلط سوچا۔ پھر اس دن جب ہم ڈنر پر گئے تھے تمہارا ڈرنک لینے سے انکار کرنا مجھے بہت اچھا لگا تھا پتہ نہیں کیوں تب مجھے تم پر بہت پیار آیا تمہاری معصومیت میرے دل میں اتر گئی اور جب ہم فارم ہاؤس گئے تھے تمہارا درخت پر چڑھنا' کرکٹ کھیلنا اور سب سے بڑھ کر وہ شاٹ جس سے میری کھڑکی کا نقصان ہوا تھا اور پھر سب سے تکلیف دہ وہ پل جب میں نے تمہیں بے ہوشی کی حالت میں دیکھا بتا نہیں سکتا اس وقت مجھ پر کیا

تبھی اس ایک پل نے ہی مجھے احساس دلایا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور سب سے حسین پل وہ تھا کہ جب ہم دنیا جہاں کو بھولے ایک دوسرے میں کھو سے گئے تھے یقین جانو اس ایک لمحے میں جیسے میں نے صدیاں جی لی ہوں۔ کتنا خوبصورت تھا وہ پل پچ علیشا تمہیں پا کر بھی وہ پل میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا پر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی یہ عدنان کا تمہارے ساتھ رشتہ کیا ہے؟ کیوں وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ دکھائی دیتا ہے۔''

تمام روداد سنا کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ ابھی بھی گم صم بیٹھی تھی لب بھی خاموش تھے۔

''ارے ہاں یاد آیا یہ رنگ میں نے کب سے تمہارے لیے لے رکھی ہے۔ علیشا یہ رنگ اس احساس کے ساتھ تمہیں پہنا رہا ہوں کہ تم پر صرف میرا حق ہے اور تم صرف میری ہو اپنے اس دیوانے اسفی کی۔'' اس کا ہاتھ تھاما تو وہ بالکل بے جان مورت کی طرح تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بے چین ہو کر تڑپ اٹھا۔

''علیشا! کیا ہوا تمہیں؟'' اسے بازوؤں سے تھام کر اپنی طرف کیا۔

''علیشا! پلیز کچھ تو کہو یوں خاموش مت رہو ورنہ میں مر جاؤں گا پلیز بولو۔'' اس کے جھنجھوڑنے پر وہ ہوش میں آئی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔ وہ تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ اس نے بازو پکڑ کر روکا اور خود اس کے سامنے آ کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر تھپڑ مارنا چاہا ہی تھا کہ وہیں رک گئی اس کے اس طرح ری ایکٹ کرنے پر وہ چونکا۔ حیران کن نظروں سے اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے ہاتھ نیچے کر لیا۔

''رک کیوں گئیں اگر تمہارے اقرار کا انداز یہی ہے تو مجھے تہہ دل سے قبول ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''پیار نہیں نفرت کا اظہار ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''جتنی عزت میرے دل میں آپ کے لیے تھی اس سے کہیں زیادہ نفرت اب ہونے لگی ہے میں نے کس مقام پر آپ کو رکھا تھا اور آپ......'' انتہائی غصے میں چلا کر کہا۔

''غلطی میری ہے میں نے ہی آپ کو سمجھنے میں دھوکا کھایا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو اتنی اہمیت دی تھی مگر میں نادان سمجھ نہیں پائی آپ کی دوغلی شخصیت کو۔''

''علیشا! اگر تم سمجھ رہی ہو......''

''نام مت لیں میرا۔'' وہ جوش میں آ کر بولی تو وہ بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھا۔

''پلیز میرا یقین کرو۔''

''کیسے کر لوں میں آپ پر یقین آپ نے ہر پل مجھے دھوکے میں رکھا اور اب آپ پیار کی باتیں کر رہے ہیں اور جس شخص سے آپ اتنی جلن محسوس کرتے ہیں وہی میرے اس دل میں بسا ہے پیار کرتی ہوں میں اس سے۔'' یہ سن کر وہ صدمے کی سی کیفیت سے اسے دیکھنے لگا۔

''اور بہت جلد ہماری شادی ہو رہی ہے۔''

''نہیں مانتا میں یہ سب بکواس ہے کچھ نہیں لگتا وہ تمہارا تم صرف مجھ سے پیار کرتی ہو صرف مجھ سے۔'' وہ اسے اپنے سے قریب کیے پاگل پن کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

''دور رہیے مجھ سے نہیں کرتی میں آپ سے پیار۔'' وہ اسے دور ہٹا کر بولی۔

''کیوں جھوٹ بول رہی تم کیوں تم مجھ سے میری محبت کو چھین رہی ہو کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہیں مجھ سے

محبت ہے میں نے تمہاری ان آنکھوں میں اپنے لیے وہی پیار، وہی احساس وہی جذبہ محسوس کیا ہے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے کہہ دو کہ تم صرف میری ہو کہہ دو علیشا۔" اسے پھر سے اپنے قریب کرنا چاہا تو وہ دور ہٹتی چلی گئی اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم سے اقرار سنے بغیر میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔"

"میں نے کہا ناں میں آپ سے پیار نہیں کرتی پلیز چھوڑیں مجھے جانے دیں۔" آنکھوں میں آنسوؤں کی دھار بہنے لگی۔

"سر! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے آپ سے پیار نہیں ہے پلیز مجھے چھوڑ دیں میں......" اچانک اس نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد محسوس کیا۔ وہ اسے چھوڑ چکا تھا اس کے بہتے آنسوؤں نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ واقعی اس سے محبت نہیں کرتی۔ شاید وہ وقتی احساس تھا جسے وہ پیار سمجھ بیٹھا تھا۔ اسے یکدم اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی سانسیں جیسے رک سی گئی تھیں۔ کچھ نہیں رہا۔ ہار گیا وہ اپنے پیار سے اپنی زندگی سے بھی وہ ہار گیا تھا۔ جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا آج اس نے ہی اسے چھوڑ دیا تھا۔ آخر لوگ محبت کرتے ہی کیوں ہیں ایسی محبت کا کیا فائدہ جس سے ایک کو غم ملے اور ایک کو موت۔ ختم کیوں نہیں کر دیتے اس محبت کے کھیل کو جو محض ایک خوبصورت دھوکا ہے درحقیقت نفرت اور جدائی سے کیا حاصل ایسی محبت کا جسے نہ پا کر بھی لوگ امر ہو جاتے ہیں۔

"مما! آج آپ کا بیٹا ہار گیا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے خود کے جذبات کو روک نہیں پایا اور سسک سسک کر رونے لگا۔

"مما! میں پھر سے اکیلا ہو گیا ہوں بالکل تنہا سورج کی طرح جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتا ہے آپ کے بیٹے نے اپنی زندگی اپنی سانسیں اپنا وجود جلا کر اپنے پیار کو روشنی دی میرے پاس نہ تو روشنی ہے نہ جینے کی وجہ میں ٹوٹ کر بکھر چکا ہوں اب اور جی نہیں سکتا کسی کو میری ضرورت نہیں کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ مما مجھے اپنے پاس بلا لیں اس دنیا میں کوئی نہیں رہا میرا کوئی نہیں رہا۔ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں مما پلیز اپنی بانہیں پھیلا کر مجھے اپنے آنچل میں چھپا لیں میں آ رہا ہوں۔"

علیشا گھر پہنچی تو عدنان آیا بیٹھا تھا اسے دیکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تحریم بھی پیچھے چلی آئی۔ علیشا نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔

"علیشا! کیا ہوا تمہیں دروازہ کھولو عدنان کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے اور تم یوں اندر چلی گئی ہو چلو باہر آؤ شاباش۔" تھوڑی دیر بعد وہ باہر آئی پتہ نہیں کیسے اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی تھی۔ عدنان اسے دیکھتے ہی اس کے پاس چلا آیا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔" گاڑی میں اس کے ساتھ ہو کر بھی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ چہرے کی رنگت ابھی بھی ماند پڑی ہوئی تھی۔ دل و دماغ پر ابھی تک اس کی باتیں اس کا خیال اسے پل پل ستا رہا تھا۔ اسے یوں گم صم دیکھ کر کہا۔

"کیا ہوا علیشا! آر یو او کے؟"

"ہاں ہاں میں ٹھیک ہوں۔" آواز میں کپکپاہٹ ابھی بھی موجود تھی۔ ہائی وے پر لوگوں کی کافی بھیڑ جمع دیکھی تو گاڑی روک کر جا کر دیکھا تو وہ خون میں لت پت پڑا تھا۔

"اوہ گاڈ!" وہ فوراً آگے بڑھا۔

سانسیں ابھی بھی چل رہی تھیں اسے اٹھا کر گاڑی کی طرف چلا آیا۔
''علیشا! گاڑی کا دروازہ کھولو۔'' اس کا چہرہ عدی کی طرف تھا اور پورا کوٹ خون سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ ناگواری سے بولی۔
''یہ کسے اٹھا لائے ہیں آپ چھوڑ دیں اسے اور چلیں یہاں سے کیوں اپنا ٹائم ویسٹ کر رہے ہیں۔ آتی ہوگی ایمبولینس۔'' اس کا یہ بی ہیویر اسے بری طرح چونکا گیا۔ جو علیشا کسی کی معمولی چوٹ پر خود رو پڑتی تھی آج وہی اس قدر روڈ لہجے میں کہہ رہی تھی اسے بالکل یقین نہیں آیا۔
''پلیز علیشا اوپن دا ڈور۔'' اس نے پلٹ کر جیسے ہی دروازہ کھولا اس کے بازوؤں میں موجود شخص کو دیکھ کر وہ پتھر کی ہوگئی۔ وہ اس سے ناراض ضرور تھی مگر اس نے ہرگز یہ نہیں چاہا تھا۔ وہ اسے لے کر ہاسپٹل پہنچے اسے آئی سی یو میں لے جانے لگے تو اس کا ہاتھ نیچے کی طرف تھا تو علیشا نے بڑھ کر اس کا ہاتھ اوپر اسٹریچر پر کیا۔ اس کی بند مٹھی میں کچھ تھا۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ کھولا تو خون میں ڈوبی ہوئی رنگ تھی جو وہ اسے پہنانا چاہتا تھا۔ انگوٹھی ہاتھ میں لے کر وہ زارو قطار رونے لگی۔ عدنان کافی دیر سے اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔
''ریلیکس علیشا! تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو؟ آؤ یہاں بیٹھو۔'' اندر سے ڈاکٹر نکل کر ان کے پاس آئے اور کہا۔
''ان کی حالت بہت سیریس ہے خون بھی بہت بہہ چکا ہے انہیں فوری خون کی ضرورت ہے۔''
''ڈاکٹر! ان کا بلڈ گروپ کیا ہے؟''
''او نیگیٹو۔''
''میرا بھی او نیگیٹو ہے پلیز میرا بلڈ لے لیجیے مگر پلیز ان کی جان بچا لیجیے۔ انہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے او کے چلیں میرے ساتھ عدنان میں آئی۔'' اس تبدیلی کو وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس نے تو بس خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ بلڈ کا فوراً انتظام ہوگیا۔ علیشا نے ثانیہ کو انفارم کیا کچھ دیر میں وہ وہاں موجود تھی۔ اسفند کے ڈیڈ اس وقت ملک سے باہر تھے۔ ثانیہ انہیں اسفند کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتا چکی تھی۔ انہوں نے کہا وہ دو تین گھنٹے کے اندر یہاں پہنچ رہے ہیں۔ وہ خود بھی روتے ہوئے علیشا کو دلاسہ دے رہی تھی۔ عدنان کا موبائل رنگ ہوا اس نے فوراً اٹھایا۔ دوسری طرف تحریم تھی۔ انہیں گھر سے گئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ تحریم کے پوچھنے پر اس نے ساری صورت حال بتا دی۔
''اس کا مطلب تم لوگ ڈنر پر نہیں گئے؟''
''نہیں۔''
''اچھا اب تم لوگ سیدھا گھر آجاؤ۔''
''لیکن آپی! وہ علیشا......''
''کیا ہوا اسے۔''
''آپی! وہ کب سے مسلسل رو رہی ہے میں نے بہت سمجھایا اسے پر وہ......''
''اچھا تم اس سے میری بات کراؤ۔''
''علیشا آپی کا فون ہے۔''
''علیشا یہ کیا بچپنا ہے۔''
''آپی! اسر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔''

''علیشا! تم ابھی اسی وقت گھر واپس آؤ۔''
''مگر آپی! سر کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر نہیں آسکتی۔'' تانیہ اور عدنان نے اس کا یہ انداز خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔
''علیشاء! میں نے کہا نا فوراً گھر واپس آجاؤ۔'' سخت لہجے میں کہا اور کال کاٹ دی۔
''علیشا! ڈونٹ وری اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے اور ویسے بھی میں یہاں ہوں نا، تم جاؤ۔''
''لیکن سر کو میں کیسے چھوڑ کر جاؤں۔''
''پلیز علیشا تم جاؤ تھوڑا آرام کرلو بعد میں آجانا انکل بھی آتے ہی ہوں گے۔'' وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر تانیہ کے اصرار پر وہ اٹھ کر چلی آئی۔
''انکل آپ آگئے؟'' تانیہ انہیں دیکھ کر حوصلہ ہار گئی اور سینے سے لگ کر رونے لگی۔
''ڈونٹ وری بیٹا میرا بچہ بہادر بیٹا ہے جلدی ٹھیک ہو جائے گا ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' اسے ساتھ لیے وہ بینچ پر بیٹھ گئے۔
''اب وہ خطرے سے باہر ہے۔''
''شکر ہے خدا کا۔''
''بیٹا اب رونا تو بند کرو اب تو وہ ٹھیک ہے۔'' تانیہ نے آنسو پونچھے۔

☆......☆

تحریم جب علیشا کے کمرے میں آئی تو دیکھا وہ بیڈ کے قریب گری ہوئی تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف بڑھی۔
''علیشا! کیا ہوا تمہیں آنکھیں کھولو۔'' وہ ابھی بھی ساکت پڑی تھی بے جان اس کی حالت دیکھ کر وہ گھبرا گئی سامنے ٹیبل سے جگ اٹھایا اور اس کے منہ پر پانی چھڑکا۔
''اٹھو علیشا! آنکھیں کھولو میری جان۔'' اس کی آنکھوں میں حرکت سی ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔
''آپی! سر۔'' ہوش میں آتے ہی اس کا نام لینے لگی۔
''علیشا! کیا ہو گیا ہے تمہیں اس طرح سے کیوں رو رہی ہو کچھ نہیں ہوگا اسے سنبھالو اپنے آپ کو۔''
''نہیں آپی! سر کا ایکسیڈنٹ میری وجہ سے ہوا ہے میں نے انہیں اس حال میں پہنچایا ہے۔'' وہ روتے ہوئے سب بتانے لگی۔ یہ سن کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔
''بولیں ناں آپی مجھے یہ اچانک کیا ہو گیا ہے کیوں میں اپنے آنسو نہیں روک پا رہی۔ کیوں انہیں اس حال میں دیکھ کر دل بے چین ہو کر تڑپ اٹھا ہے۔ بتائیے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''
''علیشا! آج میں تمہاری آنکھوں میں وہ پیار دیکھ رہی ہوں جو میں کب سے تلاش کر رہی تھی شاید تمہیں عدنان سے محبت تھی ہی نہیں تبھی تو تم اس سے دور دور رہتی تھیں۔ آج حقیقی معنوں میں وہ محبت دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جذبہ یہ تڑپ یہ احساس یہ سب محبت کی آگہی ہے۔ ہاں علیشا تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔ ایسی محبت جو لاحاصل ہے تو نے محبت کی آگہی میں بہت دیر کر دی علیشا بہت دیر۔'' اقرار ہی تو وہ سننا چاہتا تھا مگر تب تو وہ خود انجان تھی اپنے دل میں چھپے جذبوں سے ناواقف تھی اس کی گہرائی سے اور جب اسے محبت کا ادراک ہوا اس کی بے چینیاں بے قراریاں جیسے سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ دل پُرسکون ہو گیا تھا لیکن نگاہیں ابھی بھی اسے ایک نظر دیکھ لینے کو بے قرار تھیں۔

''آپی! اس ایک پل میں مجھے ان سے جی جان سے محبت ہوگئی ہے۔ مجھے اب ان سے ملنا ہے پتہ نہیں ابھی تک ہوش آیا بھی ہے یا نہیں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' اس سے زیادہ رونا وہ اس کا برداشت نہیں کرسکتیں تھیں اس لیے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ ہاسپٹل پہنچی تو کمرے کے باہر تانیہ اس کی آمد سے بے خبر صوفے پر سو رہی تھی اس کے ساتھ ہی کوٹ پڑا تھا مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر سے اجازت لے کر وہ اسے دیکھنے اندر چلی آئی۔ دھیرے قدم اٹھاتی وہ اس کے بیڈ تک آئی اس کا چہرہ ابھی بھی ویسے ہی چمک رہا تھا ماتھے پر ابھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ ابھی بھی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''سر!'' بڑی محبت سے اس نے پکارا۔

''دیکھیں سر میں آگئی ہوں آپ کے پاس۔'' اس کے بیڈ کے قریب پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''پلیز سر! آنکھیں کھولیں اور میری طرف دیکھیں مجھے محسوس کریں سر آپ کی علیشا آپ سے ملنے آئی ہے ایک بار آنکھیں کھول کر مجھے دیکھیں۔ سر مجھے میری غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا مگر یقین جانیے سر اس وقت واقعی میرے دل میں ایسی کوئی فیلنگز نہیں تھی مگر میں کیا کرتی اس وقت میرے دل و دماغ پر بس ایک نام حاوی تھا مگر اب میں ہار گئی ہوں آپ کے پیار کے سامنے سر میں اپنی سوچوں کو جھٹلاتے جھٹلاتے تھک گئی ہوں مجھے بھی آپ سے محبت ہوگئی ہے ویسی محبت جیسی آپ اپنی علیشا سے کرتے ہیں شاید آپ سے کم یا آپ سے زیادہ کاش میں اس وقت یہ اقرار کر لیتی تو آج آپ اس حال میں نہ ہوتے پلیز سر مجھے معاف کردیں یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔'' سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اسے ہوش آیا تھا۔ آنکھیں کھولتے ہی بیڈ پر سر رکھے سوئی ہوئی علیشا پر پڑ گئی۔

''اپنی ان سانسوں کا دوبارہ چلنا میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ میری سانسیں واپس ملی ہیں کیوں میں لوٹ آیا ہوں صرف تمہارے لیے صرف تمہارے پیار کے لیے ہاں علیشا تمہارے ان آنسوؤں کی شدت نے مجھے خدا سے واپس مانگ لیا ہے۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے نئی زندگی ملی ہے یہ اسفند تمہارے لیے لوٹ آیا ہے۔ جانتی ہو تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا ہے بس ایک بار یہ اقرار میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے بولو علیشا۔'' اس کی ہلکی ہلکی سرگوشی سے اس کی آنکھیں کھلنے لگیں یہ دیکھ کر اس نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ وہ آنکھیں کھولتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ اب بھی اسی پوزیشن میں تھا۔

''سر! لگتا ہے آپ اب بھی اپنی علیشا سے ناراض ہیں اس لیے تو ابھی تک ایک بار بھی آنکھیں کھول کر مجھ سے بات نہیں کی میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ آپ کی علیشا آپ کے لیے کتنا تڑپی ہے کتنا روئی ہے آپ کے لیے کیا آپ اپنی علیشا کو معاف نہیں کریں گے۔'' آنسوؤں کی دھار پھر سے اس کے رخسار پر بہنے لگی۔

''سر! آپ کی علیشا آپ کے بغیر کچھ نہیں کوئی وجود نہیں اس کا وہ اب آپ سے ہے محبت سے ہے اسے اپنی محبت سے الگ مت کریں ورنہ وہ مرجائے گی نہیں جی پائے گی وہ آپ کے بغیر پلیز آنکھیں کھولیں۔''

''اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔'' اس کا اقرار سنا تو وہ آنکھیں کھولے اٹھ بیٹھا۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے اس کو دیکھ کر کہا۔

''سر! آپ کو ہوش کب آیا؟''

''ہوش تو کچھ دیر پہلے آیا تھا مگر صحیح معنوں میں اب مکمل ہوش آیا ہے اس اقرار میں اتنی دیر کیوں؟'' وہ سر جھکائے کسی قصوروار کی طرح بیٹھی تھی۔ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا۔

''سر! مجھے آئے کافی دیر ہوگئی ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔'' جانے کے لیے قدم بڑھائے تو ایک دم رک گئی۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسفی کی نگاہیں مسلسل اسی پر تھیں۔

''ٹھیک ہے لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ تم پھر لوٹ کر آؤ گی میرے پاس ہمیشہ کے لیے کہو آؤ گی ناں۔'' وہ اب بھی خاموش رہی تو اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی مگر اندر آتی ثانیہ سے جا ٹکرائی۔ اس کے ہاتھ میں موجود اسفی کی رنگ ٹکرانے سے زمین پر جا گری۔ اس نے گھبرا کر اسفند کی جانب دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

''ارے رکو تمہاری رنگ۔'' ثانیہ نے جب رنگ اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔ وہ رنگ دیکھ کر سمجھ گیا تھا۔

''ثانیہ لاؤ مجھے دے دو۔'' وہ گیٹ سے نکل رہی تھی کہ رضا نے اسے دیکھ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر اس کچھ پوچھتا وہ آٹو میں بیٹھ کر چلی گئی۔ وہ اندر آیا جیسے ہی اسفند کے روم میں جانے لگا اندر سے ان کی باتیں سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور سننے لگا۔

''اس کا مطلب تم علیشا سے پیار کرتے ہو؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں نہیں جانتا کیسے مگر یہ سچ ہے۔''

''مگر اس کی تو شادی ہونے والی ہے۔''

''جانتا ہوں لیکن وہ یہ شادی نہیں کرے گی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اسے بھی مجھ سے محبت ہوگئی ہے وہ مجھے چاہنے لگی ہے اور اب میں اسے کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ وہ صرف میری ہے صرف میری اسے مجھ سے کوئی چھین نہیں سکتا۔''

''لیکن تم کرو گے کیا؟'' وہ اس کے جنون کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کچھ بھی مگر اس کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔ محبت اگر سچی ہو تو لاکھ مشکلوں اور لاکھ رکاوٹوں کے بعد بھی مل جاتی ہے۔'' ان دونوں کی سچی محبت تھی' سچے جذبات تھے ایک دوسرے کے لیے تڑپ سچی تھی تبھی تو ان کی محبت ان کی چاہت' ان کے سچے پیار کی جیت ہوئی تھی۔ عدنان نے سب کچھ جان کر خود اس رشتے کو ختم کر دیا۔ اس کے انکار سے پہلے ہی اسفی کے ڈیڈ اور تایا جی رشتہ لے کر آئے لیکن علیشا کے بابا نے صاف انکار کر دیا مگر پھر عدی کے انکار کے بعد انہوں نے اس رشتے کو قبول کر لیا۔ عدنان بہت خوش دلی سے اس شادی میں شریک ہوا تھا۔ وہ شاید ان کے جذبات ان کی محبت کو جان گیا تھا اور دل سے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا۔ وہ پہلے ہی اس کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت دیکھ چکا تھا مگر وہ ہر بار اسے جھٹلا دیتی اور آج اس کی محبت اس کی زندگی اسفی پر چوٹ آئی تو اس محبت کا احساس اسے خود بخود ہو گیا۔ وہ بہت خوش تھا ان دونوں کو ملا کر اپنی ماں کی ناراضی مول لے کر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔ وہ ہر صورت علیشا کی خوشی چاہتا تھا اور اس کی خوشی اسفند کے ساتھ تھی۔ اپنی محبت نہ ملنے کا اسے غم تو تھا مگر ساتھ دو محبت کرنے والوں کو ملانے کی جو خوشی تھی وہ ناقابل بیان تھی۔ کتنے خوش نصیب تھے یہ دونوں محبت کو دیر سے جاننے کے بعد بھی دونوں نے ایک دوسرے کو پا لیا تھا۔ علیشا کو اب بھی اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا سب ایک خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ دلہن کے روپ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی بلکہ کسی

پری کی مانند سرخ عروسی جوڑے پر سنہری کام کیا گیا تھا۔ گجروں اور زیور کی آرائش نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ پھولوں کی سیج میں بیٹھی خود بھی ایک پھول لگ رہی تھی' آف وائٹ شیروانی پر بلیک کڑھائی بہت سوٹ کر رہی تھی۔ اس کے آتے ہی چارسو خوشبو سی پھیل گئی اس کی خوشی اس کے چہرے پر صاف جھلک رہی تھی۔

''علیشا! میں پہلی نظر کی محبت پر کبھی یقین نہ رکھتا اگر مجھے تم سے پہلی نظر میں محبت نہ ہوئی ہوتی۔'' وہ اس کے قریب آ بیٹھا اس نے جھجی پلکیں اوپر اٹھائیں' سامنے اسفی کا خوبرو چہرا تھا۔ وہ اسے تکے جا رہی تھی۔

''تمہاری محبت اور معصومیت نے مجھے ایسا بنا دیا ہے۔'' وہ ذرا سا مسکرا کر بولا۔

''علیشا اس وقت تو میں نے اپنے آپ کو روک لیا تھا لیکن آج نہیں روک پاؤں گا اور ویسے بھی آج تو مجھے پورا حق ہے۔'' وہ شرارت بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''اس وقت مطلب؟'' وہ چونک گئی۔

''اینجو کلی اس دن فارم ہاؤس میں تمہیں سنبھالتے سنبھالتے میں خود تھوڑا بہک گیا تھا۔''

''کیا؟'' حیرانگی سے اسے دیکھا تو وہ نظریں جھکا گیا۔

''ہاں علیشا!''

''نہیں سر آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔'' بے دھیانی میں وہ سر بول گئی تو اس نے قہقہہ لگایا۔

''یار پلیز! اب تو سر کہنا بند کرو۔''

''ٹھیک ہے لیکن پہلے آپ بتایئے اس روز کیا ہوا تھا۔''

''کیا واقعی تم سننا چاہو گی۔ پر آئی ایم سوری میں نہیں بتا سکتا۔'' وہ اسے ستانے لگا۔

''سر پلیز بتایئے نا۔''

''ارے کمال ہے حد کرتی ہو تم میں نے کہا نا اب میں تمہارا باس نہیں اب تم میری باس ہو' پہلے تم یہ سر کہنا چھوڑو پھر تمہیں بتاؤں گا۔''

''لیکن سر!''

''واٹ پھر سر۔ جاؤ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ اس سے خفا ہو کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔

''میں جان بوجھ کر نہیں کہہ رہی اب اتنی جلدی آپ کا نام لینا عجیب لگ رہا ہے۔ پلیز ناراض تو مت ہونا۔''

''ٹھیک ہے تم پھر میرا نام لے کر اسے خاص کر دو۔ اسفی کو اپنے ہونٹوں سے ادا کرو۔''

''اوکے سر۔''

اب کی بار اس نے جان بوجھ کر کہا وہ جانتا تھا مگر پھر بھی خفا تھا کیونکہ اسے واقعی تڑپ تھی اس کے ہونٹوں سے ادا ہونے کی۔ وہ بھی اس کے جذبات تو سمجھ رہی تھی مگر پھر بھی اسے ستا رہی تھی۔

''پہلے ہی دن خفا ہو جائیں تو آپ کے سارے دعوے جھوٹے ثابت ہو جائیں گے اور ایسا ہو آپ کی علیشا ہرگز نہیں چاہے گی۔ اس لئے واپس آ جایئے مسٹر اسفند درانی۔''

وہ یکدم خوشی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔ تو وہ پلکیں جھکا گئی۔ محبت' چاہت اور پیار سے رنگی تھی یہ رات ان کی خوبصورت زندگی کا آغاز ہوا تھا۔

......☆ختم شد☆......

ماریہ عمران

ناولٹ

صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

وہ نائٹ شفٹ کر کے صبح جب بھی گھر لوٹتا تھا' بس اس کی ایک خواہش ہوتی تھی کہ اسے سونے کے لیے اپنا کمرا مل جائے اور پرسکون ماحول۔ جتنا وہ سکون کا متلاشی تھا اتنا اس کی زندگی شورشرابے اور



پریشانیوں سے مزین تھی۔ کم عمری میں باپ کے سائے سے محروم ہونے کے بعد حالات نے اسے وقت سے پہلے ہی بہت سنجیدہ اور سمجھدار کر دیا تھا۔ ساری رات کال سینٹر میں سر کھپا کر جب گھر جاتا' کبھی پانی کا مسئلہ تو کبھی جمعدار کا تیز ہر وقت چاروں طرف ایک شور سا مچا رہتا' انہی چیزوں سے تنگ آ کر وہ اپنی مما اور ایک چھوٹی بہن سحرش کے ساتھ کراچی کے ایک چھوٹے مگر پرسکون علاقے میں کرائے کے مکان میں شفٹ ہو گیا۔ ایسا مکان اس کا آئیڈیل تھا۔ قطار در قطار صاف ستھرے مکان' گلیاں چوڑی کشادہ اور صاف ستھری چاروں طرف بڑے بڑے درخت' نہ گاڑیوں کا شور اور نہ ہی کوئی اور جھنجھٹ۔ بس صبح صبح سبزی والے کی ٹن ٹن یا کسی ٹھیلے والے کی آواز آ جاتی تھی جو کہ قابل برداشت تھی۔ ابھی بھی وہ صبح نو بجے گھر پہنچا اور بغیر کسی سے بات کئے سیدھا اپنے کمرے میں گھس گیا' نہا کر فریش ہو کر باہر آیا تو مما ناشتے کے لئے پکارنے لگیں۔

''آ رہا ہوں یار آ رہا ہوں۔ ایک تو اتنی آوازیں



دیتی ہیں آپ۔" وہ تولیے سے سر صاف کرتا ہوا جھنجلا کر بولا اور ناشتے کی میز پر پہنچ گیا' آنکھیں نیند سے سرخ تھیں اور نہانے کے باوجود چہرے سے تھکان عیاں تھی' اس کی مما کا تو "ویا پیار امڈ آیا۔

"میرا بچہ...." انہوں نے ماتھا چوم لیا۔ رات بھر کام سے آئے بچے کو دیکھ کر ہمیشہ شاداب کو اس پر پیار آجاتا تھا۔

"مما! میں اتنا سب نہیں کھاؤں گا' بس ایک ٹوسٹ اور ایک کباب دے دیں۔ بس میں سوؤں گا۔" اس نے ٹیبل پر ڈھیر سارا ناشتہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔ شرافت سے بیٹھ کر پراپر ناشتہ کرو' ایک گلاس دودھ پیو اس کے بعد دل بھر کے سو جانا کوئی تنگ نہیں کرے گا تمہیں۔"

"مما! میں نے رات میں زنگر کھا لیا تھا' وہ ہی ہیوی ہو گیا' کچھ جلن سی محسوس ہو رہی ہے۔" اس نے سینہ سہلاتے ہوئے کہا۔

"شافع! میں ایک لگاؤں گی تمہارے' کتنی دفعہ کہا ہے کہ آدھی رات میں باہر کا کھانا مت کھایا کرو' مگر تمہارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بالکل اپنے پاپا پہ گئے ہو۔ وہ بھی باہر کے کھانے کے بے تحاشہ رسیا تھے بھی....."

"ہاں ہاں۔ تبھی اتنی جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے۔" شافع نے خود ان کا جملہ مکمل کیا' وہ اس ڈائیلاگ کا ذکر کرتیں تو یہ بات ضرور کیا کرتی تھیں' ان کا ماننا تھا کہ باہر کا ناقص کھانا انسانی زندگی کو قدرے کم کر دیتا ہے اور مختلف بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

"میں اب چلا سونے۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوا کہ شاداب نے ای نو کا گلاس سامنے کر دیا' جسے وہ چارو ناچار ختم کر کے اپنے کمرے کی جانب سدھارا۔ بیڈ پر دھپ سے گرا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے شام میں بہت سی ٹیوشنز لینی ہوتی تھیں جو رات تک ختم ہوتیں اور پھر ساری رات کال سینٹر میں دماغ کھپانا ہوتا' بہت ہی ٹف روٹین تھا اس کا' اس کے باوجود وہ پرسکون اور مطمئن تھا۔ کمرے میں پرندوں کی چہچہاہٹ کی آوازیں بھی فی الحال اسے بری لگ رہی تھیں مگر تھکن اتنی تھی کہ آنکھ لگ گئی۔

کوئی دوپہر کے تین بجے اچھے خاصے شور سے اس کی آنکھ کھلی' اس کے کمرے کی کھڑکی عین گلی کے سامنے تھی' گلی کافی کشادہ تھی مگر اس کے باوجود شور بہت زیادہ کمرے میں سنائی دے رہا تھا۔

"اف! کیا مصیبت ہے اس ٹائم یہ کون کرکٹ کھیل رہا ہے۔" شافع نے گھڑی کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا۔ شور بتدریج بڑھتے چلا جا رہا تھا۔ تنگ آ کر وہ بیڈ سے کھڑا ہوا' غصے سے کمفرٹر پھینکا اور پردا ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ مخالف سمت دو لڑکیاں اور کچھ بچے پاگلوں کی طرح کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک لڑکی سب سے زیادہ شور کر رہی تھی' وہ کون تھی کوئی حسین بلا یا چھلاوا' جو بھی تھی اس وقت شافع کو زہر لگ رہی تھی' اس کی باریک آواز سناٹے میں گونج رہی تھی اور دماغ میں درد کر رہی تھی۔

"اتنی بڑی لڑکیاں ہیں اور شرم نہیں آ رہی بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہیں' نہ یہ پروا کہ کوئی بیمار ہو' سو رہا ہو..... بس اپنی مستیوں میں لگی ہوئی ہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ بستر میں گھس گیا۔ یہ پہلی جھلک تھی جو شافع نے اس لڑکی کی دیکھی۔ اسے نہ کبھی لڑکیوں میں دلچسپی رہی اور نہ ہی اس کی مصروف زندگی نے اسے لڑکیوں سے دوستی کی اجازت دی۔ آج پہلی بار ایک پاگل سی لڑکی نے اس کی توجہ اپنی طرف مرکوز کروائی' تو اس سے بھی شافع کو چڑ ہونے لگی' بڑی مشکل سے نیند نے اسے جالیا تو پھر مما کے دروازہ بجانے سے آنکھ کھلی۔

''شافع..... شافی..... اٹھو بچے..... پانچ بج گئے۔'' نیند کی کیفیت میں شاداب کی آواز اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح بجی۔

''ہاں..... اٹھ گیا۔'' شافع نے آنکھیں ملتے ہوئے زور سے جواب دیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ باہر سے چھوٹی بہن سحرش کی بھی آواز آرہی تھی۔ شافع فریش ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا' گرم گرم کافی منتظر تھی۔

''دوپہر بھر کچھ لڑکیوں نے سونے نہیں دیا' پتہ نہیں کیسے لاپروا لوگ ہیں' دن دہاڑے باہر گلی میں غل غپاڑہ کرتے رہے' کوئی پروا نہیں کسی کی۔ اتنا شور اف!'' شافع کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے دوپہر ہونے والے واقعے کے بارے میں بتاتا رہا' سحرش اور شاداب سن کر ہنستی رہیں۔

''سحرش... یار پلیز! میری بلیو والی ٹی شرٹ استری کردو۔ سامنے صوفے پہ پڑی ہے دیر ہو رہی ہے جانا ہے مجھے۔'' وہ سحرش کو حکم دیتا کمرے میں گھس گیا' وہ منہ بسورتی شرٹ استری کرنے کھڑی ہوگئی۔

☆......☆

اتوار کا دن اس کا سب سے پسندیدہ دن تھا' جب وہ کھل کر سارا دن اپنے گھر میں مما اور سحرش کے ساتھ گزارتا تھا۔ سحرش اس کے من پسند کھانے بناتی اور مل کر سب کھاتے خوب انجوائے کرتے' آج بھی لیٹ سو کر اٹھا اور ڈائریکٹ کھانا کھانے بیٹھ گیا' بریانی اس کی من پسند ڈش تھی' خوب سیر ہو کر کھائی۔

''مما! میں ذرا باہر جا رہا ہوں ٹہلنے' ذرا محلہ دیکھ کر آؤں' کسی سے کوئی واقفیت بھی نہیں ہے' آج ٹائم ملا ہے تو دیکھ کر آتا ہوں۔''

''ہاں ضرور جاؤ' بس ذرا جلدی آنا کیونکہ مجھے اور سحرش کو جانا ہے امی کی طرف۔''

''نانی جان کے ہاں؟ کیوں خیریت؟'' شافع نے بھنویں سکیڑ کے پوچھا۔

''بس ذرا خیر خیریت لے آؤں' جب سے یہاں آئے ہیں ملاقات ہی نہیں ہوئی' آج فون پہ بات ہوئی تو بہت یاد کر رہی تھیں تمہیں' سو چا مل آؤں جا کر' تم چابی لے کر جاؤ کیونکہ ہم بس نکل رہے ہیں' یقیناً وہاں دیر ہو جائے گی' کھانا رات تک کا پکا ہوا ہے' باہر سے مت کھانا گھر پہ ہی کھانا۔'' مما چادر اوڑھتے ہوئے نصیحت کرنے لگیں' وہ اثبات میں سر ہلاتا اللہ حافظ کر کے باہر آ گیا۔

شام کا ٹائم اور اس پہ میٹھی میٹھی ٹھنڈ بہت مزا دے رہی تھی وہ چہل قدمی کرتے ہوئے گلی سے ہوتا ہوا دوسری گلی میں مڑ گیا' چاروں طرف سناٹا تھا' عصر کا ٹائم ہوتا تو لوگ نماز کو نکلتے' وہ صاف ستھرے روشن مکان دیکھتا ہوا گلی سے مڑنے لگا کہ اچانک ایک لڑکی بری طرح اس سے ٹکرائی...

''آہ..... اوہ....... سوری۔'' اگر وہ نہ تھامتا تو لڑکی زمین بوس ہو جاتی۔

''اٹس او کے۔'' شافع مزید کچھ کہتا مگر وہ لڑکی برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ وہ چپ سا دیکھتا رہا' تبھی آخری کونے کے مکان سے ایک صاحب باہر آ گئے۔

''جی آپ نے گھنٹی بجائی ہے؟'' ان صاحب نے دریافت کیا۔

''نہ..... نہیں..... میں نے نہیں بجائی انکل! میں تو خود یہاں سے گزر رہا تھا۔'' وہ گڑبڑا کر بولا۔

''پتہ نہیں کون کمبخت ہے گھنٹی بجا کر بھاگ جاتا ہے' ہم تین بار دروازہ کھول چکے ہیں پر کوئی موجود نہیں ہوتا۔ لگتا ہے کوئی شرارت کر رہا ہے ہمارے ساتھ۔'' وہ انکل غصے سے بولنے لگے' شافع ساری بات سمجھ چکا تھا کہ یقیناً وہ لڑکی شرارت میں گھنٹی بجا کر بھاگی ہے' شافع کی ہنسی نکل گئی وہ انکل سے رخصت ہو کر آگے بڑھ گیا' تھوڑا آگے ایک چھوٹا سا

پارک تھا' آج پہلی بار وہ پارک دیکھ رہا تھا' اس نے اندر کا رخ کیا' اندر کافی لوگ موجود تھے' پارک سے باہر کچھ گلی اور آئسکریم والے کھڑے نظر آئے' اچھا پررونق ایریا تھا۔ اسے فریشنس سی محسوس ہوئی' وہ بڑھ کر ایک بنچ پہ ٹک گیا' جیب ٹٹولی اور سگریٹ کا پیکٹ برآمد کرکے سگریٹ سلگائی' وہ اکثر مما سے چھپ کر اسموکنگ کرتا تھا۔ سگریٹ پیتے ہوئے وہ ٹریک پہ واک کرتے لوگوں کو دیکھنے لگا' بہت معقول لوگ اسے نظر آئے' تبھی نظر اسی لڑکی کی جانب ٹھہر گئی جو تھوڑی دیر پہلے گلی کے آخر میں بری طرح ٹکرائی تھی۔

"ارے یہ تو وہ ہی ہے جو گھنٹی بجا کر بھاگی..... بلکہ شاید یہ وہ ہی ہے جو کل دن میں کرکٹ کھیل کر شور شرابا کررہی تھی اونہہ..... اسٹوپڈ گرل۔" وہ زیرلب بڑبڑایا۔ اس لڑکی نے پارک میں بھی خوب شور مچا رکھا تھا۔

"یہ پاگل لڑکی انسان ہے کہ چھلاوا؟ کتنا چیختی ہے یار' سارا پارک سر پہ اٹھا رکھا ہے' اتنی بڑی ہے اس پہ بچوں جیسی حرکتیں کررہی ہے۔" شافع نے دل میں سوچا' اسے ایسی ان میچورڈ لڑکیاں بہت بری لگا کرتی تھیں اور سامنے والی لڑکی بھی شافع کی ناپسندیدہ لڑکیوں میں شمار ہوچکی تھی۔

"ثوبیہ..... ثوبیہ....." کسی نے اس شرارتی لڑکی کو آواز دی۔ پارک چھوٹا سا تھا تو آواز واضح سنائی دے رہی تھی۔ وہ لڑکی آواز دینے والی کی سمت بھاگ گئی۔ شافع بغور سب دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ٹھنڈ بڑھنے لگی تو وہ بھی اپنے گھر کی طرف گامزن ہوگیا۔ رستے میں مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی' وہ نماز پڑھنے کا چور تھا مگر جب بھی ٹائم ملتا تو مسجد کا رخ کرتا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھر آگیا' چابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا' کوئی کام نہیں تھا اسی لئے لیپ ٹاپ آن کرکے بیٹھ گیا۔ چائے کی طلب نے اٹھنے پہ مجبور کیا تو کچن میں آگیا۔ چائے کا گرم کپ لے کر واپس کمرے کا رخ کیا' آفس کا تھوڑا سا کام باقی تھا جو وہ ختم کرنا چاہتا تھا کہ اچانک زوردار گھنٹی بجی" کون آگیا۔" وہ بڑبڑا کر کھڑا ہوا۔ چھوٹا سا بیرونی صحن عبور کرکے دروازہ کھولا تو سامنے کسی کو نہ پاکر جھلا گیا۔ چاروں طرف دیکھا کوئی نہ تھا۔

"کون تھا یار؟" وہ سوچ میں پڑ گیا' سر کھجاتا واپس اندر آگیا ابھی دس منٹ گزرے تھے کہ دوبارہ زوردار گھنٹی بجی۔ اس نے بھاگ کر دروازہ کھولا' اس بار بھی کوئی نہ تھا۔

"لگتا ہے کوئی تنگ کررہا ہے۔" اسے شک ہوا ساتھ ہی شام میں ایک انکل کے ساتھ ہوا واقعہ اس کے دماغ میں گھوم گیا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی' دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اسٹریٹ لائٹ میں گلی انتہائی صاف اور کشادہ نظر آرہی تھی۔

"یہ غالباً وہ ہی بدتمیز لڑکی ہے جو مجھے اپنی شرارتوں کا شکار بنا رہی ہے مگر یہ مجھے جانتی نہیں ہے۔ شافع سے بچنا نوٹ چنگا..... چھوڑوں گا نہیں اسے اب کے رنگے ہاتھوں پکڑوں گا اس چھپکلی کو۔" شافع خود سے بولنے لگا۔ اب وہ باقاعدہ چھپ کر دروازے کی درز سے باہر کا جائزہ لینے لگا' اسے پکا یقین ہو چلا تھا کہ گھنٹی بجا کے بھاگنے والی دوبارہ شرارت کرے گی' وہ اندر سے غصے سے پھنک رہا تھا' تبھی کسی کا سایہ نمودار ہوا' شافع اس سائے کو بخوبی دیکھ رہا تھا' اس سے پہلے کہ سائے کا ہاتھ گھنٹی تک پہنچتا' شافع نے جست لگا کر دروازہ کھول دیا' سامنے موجود دبلی پتلی لڑکی کا تو دم خشک ہوگیا' اس سے پہلے وہ لڑکی دم دبا کے بھاگتی شافع نے مضبوطی سے اس کی کلائی دبوچ لی' وہ کسی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگی۔

"اچھا..... تو تم ہو وہ بدتمیز جو گھنٹی بجا بجا کر بھاگ رہی ہے؟" شافع نے آہستہ مگر کڑک لہجے میں دریافت کیا۔

"نہ..... نہیں..... میں نہیں..... "لڑکی بری طرح گھبرا گئی۔

"کیا نہیں، ہاں بولو..... اب تو ہاتھ لگی ہو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ بتاؤ..... کون ہو تم؟ اور کیوں تنگ کرتی پھر رہی ہو سب کو۔" شافع نے غصے سے پوچھا اور اس کا ہاتھ مزید سختی سے دبوچ لیا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

"آوچ..... تکلیف ہو رہی ہے مجھے پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"ہرگز نہیں چھوڑوں گا لڑکی، آج تو تمہیں پولیس کے حوالے کروں گا۔ ناک میں دم کر کے رکھا ہوا ہے تم نے، سارا دن لوگوں کو پریشان کرتی رہتی ہو تم اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔"

"ارے ارے... پولیس کی دھونس کسی اور کے سامنے جمائیے گا میں نہیں ڈرتی کسی پولیس والے سے، اب شرافت سے میرا ہاتھ چھوڑ دیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے تو ساری گھبراہٹ بالائے طاق رکھ کر ناگن کا روپ دھار لیا تھا، مسلسل اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کر رہی تھی مگر اس کی نازک کلائی جس کے ہاتھ میں تھی اس کی طاقت اور وجاہت سارے خاندان میں مشہور تھی۔

"میرا ہاتھ چھوڑیں پلیز، ورنہ میں چیخ کر سب کو بلا لوں گی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی، شافع اس کے پل پل بدلتے تیوروں سے اب محظوظ ہو رہا تھا۔

"اچھا سب کو بلا لو گی؟ تو بلا لو پلیز۔ میں بھی تو دیکھوں کتنی ہمت ہے تم میں۔"

"فار گاڈ سیک لیو مائے ہینڈ۔" وہ کڑک لہجے میں بولی، اس کی ساری گھبراہٹ زائل ہو گئی تھی، وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے مسلسل شافع کو گھور رہی تھی، شافع نے اس قدر مضبوطی سے اس کی کلائی دبوچ رکھی تھی کہ ہر ممکنہ کوشش کے باوجود وہ ہاتھ نہیں چھڑوا پا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ بلاؤ نا سب کو چیخ چیخ کر۔"

"دیکھئے! میرا ہاتھ چھوڑ دیں پلیز مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی کی آواز میں التجا تھی، شافع کو اس طرح اسے تنگ کرنے میں بہت مزا آنے لگا۔

"ہرگز بھی نہیں چھوڑوں گا آج تو تمہیں پولیس کے حوالے کروں گا، یا پھر تمہیں یہیں باندھوں گا تا کہ بھاگ نہ سکو، بہت تنگ کیا ہوا ہے تم نے۔"

"پلیز چھوڑ دیں..... میرے درد ہو رہا ہے۔" وہ ہکلانے لگی اور ساتھ ہی جھیل سی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گالوں پہ پھسل گئے۔ شافع نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا، اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ لڑکی ایسے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لائے گی۔ وہ ہاتھ سہلانے لگی، پوری کلائی سرخ ہو گئی تھی، گورے ہاتھوں پر اس کی انگلیوں کے نشانات واضح تھے۔ پے در پے کئی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے، شافع کے تو پیروں سے زمین کھسک گئی اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ لڑکی ایسے رونے لگے گی۔ وہ کچھ کہتا اس سے پہلے وہ لڑکی وہاں سے رفو چکر ہو گئی۔ اسے اپنے رویے پہ شرمندگی ہونے لگی، واقعی اس نے بہت مضبوطی سے اس کا ہاتھ دبوچ لیا تھا، تبھی شاید تکلیف سے اس کے آنسو نکل آئے۔ شافع احساس شرمندگی سے اندر آ گیا، رہ رہ کر اس کا دماغ اسی لڑکی کی جانب لگا رہا۔

☆..............☆

"میں چھوڑوں گی نہیں اسے، جان سے مار دوں گی، بڑا آیا مجھے پولیس کے حوالے کرنے والا، ایسا مزا چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ آیا بڑا۔" توبیہ اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے پھنکار رہی تھی، تبھی اس کی کزن جگنی نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

"ارے کیوں ہوا کیا؟ کس کو مزا چکھاؤ گی؟"

"کچھ بتاؤ تو سہی۔" ثوبیہ نے سارا قصہ گوش گزار کر دیا' جینی نے بمشکل ہنسی دبائی اور اس کا سرخ ہاتھ بغور دیکھنے لگی۔

"تمہیں بھی شوق ہے نا الٹی سیدھی حرکتیں کرنے کا' کیا ضرورت تھی اکیلے گھنٹی دبا کے بھاگنے کی؟ ایسے کام اکیلے نہیں کسی کے ساتھ کرنے چاہئیں کچھ گڑبڑ ہو جاتی تو۔"

"ارے وہ گھر میں اکیلا تھا تبھی میں نے گھنٹی بجائی۔"

"ہیں!" جینی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ اکیلا تھا۔"

"میں دوسرے محلے کی نہیں اسی محلے کی باسی ہوں' مجھے ہر کسی کے بارے میں خوب اچھی طرح خبر رہتی ہے' یہ بھی پتہ ہے کہ اس کا نام شافع ہے اور یہ بھی کہ وہ اپنی بہن اور امی کے ساتھ اس مکان میں شفٹ ہوا ہے' رات میں کوئی کام کرتا ہے' میں نے اکثر اسے صبح بائیک پہ گھر آتے دیکھا ہے اور کچھ بتاؤں اس کے بارے میں؟" ثوبیہ نے چٹکی اس کی آنکھوں کے سامنے بجائی' جینی بہت حیران تھی اتنی معلومات جان کر۔

"واہ بھئی! بہت خبر رکھتی ہو تم تو۔" جینی ہنستے ہوئے بولی۔

"یار! تین گھر چھوڑ کر میرا گھر ہے' خبر ہونا تو لازمی سی بات ہے ویسے بھی آج شام میں' میں نے اسے باہر چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا' ادھر ادھر مٹر گشتی کرنے میں مشغول تھا' میری نظر بھی ہوئی تھی اس سے جب میں اس بڈھے کے گھر کی بیل بجا کر بھاگی تھی۔" وہ جینی کے ہاتھ پہ تالی مار کے زور سے ہنس پڑی' دونوں کزنز ایک دوسرے کی بہترین سہیلیاں بھی تھیں۔ جینی انتہائی لاپرواہ چنچل مگر سمجھدار لڑکی تھی' انٹر کی چھٹیوں میں بس اس کا کام کھیلنا کودنا یا بچوں کی طرح شرارتیں کرنا تھا' اپنے تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی' مڈل کلاس ہونے کے باوجود ان کے گھر ضرورت کی ہر چیز بدرجہ اتم موجود تھی' وہ آجکل چھٹیاں گزارنے ثوبیہ کے گھر آئی ہوئی تھی' دونوں سہیلیاں رات بھر جاگتیں اور خوش گپیاں کرتی رہتیں۔ نیز ان کی مستیاں اتنی تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"مجھے اس سے بدلہ چاہئے بس۔" وہ چپس کے پیکٹ سے چپس منہ میں بھرتے ہوئے بولی۔ "اس نے اتنی زور سے میری کلائی مروڑی ابھی تک میرے ہاتھ میں درد ہو رہا ہے' میں چھوڑوں گی نہیں اس لڑکے کو..... مجھے بتاؤ کیسے لوں میں بدلہ؟"

"بدلہ..... چھوڑو یار ویسے بھی تم اس کی نظروں میں آ گئی ہو اب وہ ہو سکتا ہے آئندہ تمہاری شکایت کرنے گھر آ جائے۔" جینی واش روم میں منہ دھو رہی تھی' باہر آ کے تولیے سے منہ خشک کرتے ہوئے بولی۔

"بھلے کر دے شکایت اب تو میری انا اور عزت پہ بات آ گئی ہے' میں نہیں چھوڑنے والی اسے' بدلہ تو لے کر رہوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" وہ مختلف پلینز بنانے لگی' جینی بس اسے دیکھ کر ہنستی رہی' جانتی تھی کہ ثوبیہ اس لڑکے کی درگت بنا کر دم لے گی' وہ تصور میں شافع کو سر کے بال نوچتے دیکھ کر ہنس پڑی تھی۔

☆......☆

"سحرش! جلدی سے روٹی ڈالو' دیر ہو رہی ہے مجھے کام پہ جانا ہے۔" شافع نے کرسی گھسیٹی اور بیٹھتے ہوئے کہا' ساتھ ہی ہاتھ میں رسٹ واچ باندھنے لگا۔

"یہ لو گرما گرم روٹی۔" شاداب جلدی سے باورچی خانے سے نکلیں اور گرم گرم روٹی اس کے سامنے رکھ دی' شافع نے پلیٹ آگے کھسکائی اور بھنڈی کی سبزی ڈالنے لگا۔

"سحرش نہیں بنا رہی آج روٹی' آپ پکا رہی

ہیں۔" شافع نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں' اسے پراجیکٹ مکمل کرنا ہے۔ بہت مصروف ہے اسی لئے میں ہی لگی ہوئی ہوں شام سے ڈھیروں شامی کباب بنا کر رکھے اب جا کر فارغ ہوئی ہوں۔"

"کباب مزے کے ہیں' آپ کو پتہ ہے کہ میں سبزی خور نہیں ہوں' تب بھی آپ بھنڈی بنا کر بیٹھ گئیں۔" وہ مسلسل روٹی اور کباب کھا رہا تھا' بھنڈی کو تو چھوا تک نہیں تھا' ہمیشہ کی طرح شاداب نے سبزیوں کی افادیت پر لیکچر شروع کر دیا۔ شافع جلدی جلدی کھانا کھا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اللہ حافظ زور سے کہتا ہوا باہر نکل گیا' باہر سامنے کے مکان میں شاید کچن کا ایگزاسٹ فین تھا' تبھی دھواں باہر گلی میں مسلسل آ رہا تھا' وہ کھانستا ہوا اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

"اوہ شٹ۔" اس نے بائیک کے پہیوں پر لات ماری' دونوں ٹائر پنکچر تھے' ساری ہوا غائب تھی۔ "یار! شام تک تو صحیح تھے' ابھی یہ کیسے ہو گیا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بڑبڑایا' ویسے ہی دیر ہو رہی تھی اس پہ یہ مصیبت' سوچنے میں وقت ضائع کئے بغیر وہ سڑک کی طرف بڑھ گیا تاکہ رکشہ یا بس کر کے آفس پہنچ سکے' اتنی خواری نے اس کے اندر تک کڑواہٹ بھر دی تھی' یوں اچانک ٹائر کا پنکچر ہو جانا محض اتفاق تو نہیں ہو سکتا' یقیناً کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا' مگر کس نے کیا؟ وہ سوچوں کے تانے بانے بنتا آفس پہنچ چکا تھا۔

اب یہ اکثر ہونے لگا تھا' کبھی اچانک اس کی بائیک کے ٹائر پنکچر ملتے' یا کبھی وہ کسی انوکھی شرارت کا شکار ہوتا' مسلسل تین دن سے اس کی درگت بن رہی تھی' کوئی بے انتہا چالاکی سے اس کی بائیک کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا' وہ تنگ آ کر بائیک اندر کھڑی کرنے لگا تو کچھ اور شرارت کے زیر اثر آ جاتا' کچھ تو گڑبڑ تھی' اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

☆......☆

وہ دونوں مسلسل ہنس رہی تھیں اور پارک کی طرف رواں دواں تھیں۔ دونوں شافع کو پریشان کر کے اپنی جیت کا جشن منانے آئس کریم کھانے جا رہی تھیں' ثوبیہ کا چہرہ تو ہنسی سے کھلا جا رہا تھا' اس نے بہت درگت بنائی تھی شافع کی اور کوئی شک بھی نہیں ہونے دیا تھا' دونوں آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھیں کہ تبھی برابر میں بائیک آ کر رکی' کوئی تیزی سے اترا اور ان کے سامنے آ گیا' شافع کو سامنے پا کر انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ثوبیہ کا ہاتھ پھر اس کی پکڑ میں آ گیا' اس نے مضبوطی سے کلائی دبوچ کر اسے اپنے عین مقابل کیا' جیتی تو برق رفتاری سے پارک میں گھس گئی۔

"تم ہی ہو نا؟ جس نے میری بائیک پنکچر کی؟" شافع نے کڑک لہجے میں پوچھا' ثوبیہ کا تو ڈر کے مارے حلق خشک ہو گیا' وہ صاف مکر گئی جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔

"دیکھو جھوٹ مت بولو۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے سب کو تنگ کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے' مجھے تمہاری شکل صاف بتا رہی ہے کہ تم ہی ان تمام حرکتوں میں ملوث ہو۔ اگر تم نے اپنی شرارتوں کا اعتراف نہیں کیا تو میں .... میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" وہ اور زور سے اس کی نازک کلائی دباتے ہوئے چنگھاڑا' ثوبیہ کی شکل پہ درد کے آثار نمایاں تھے جو شافع سے پوشیدہ نہیں تھے' وہ اتنا غصے میں تھا کہ صنف نازک کی نزاکت کو ہی فراموش کر بیٹھا' ثوبیہ مسلسل ہاتھ چھڑانے میں مصروف تھی' ساتھ ساتھ مسلسل اپنی حرکتوں سے انکاری تھی' اسے مزید شافع کے مضبوط ہاتھ کا دباؤ اپنی کلائی پہ محسوس ہوا' ایک کراہ اس کے لبوں سے نکل پڑی' شافع کی غضب ناک آنکھیں اسے خوف میں مبتلا کر رہی تھیں' کسی

تماشے کا اندازہ کر کے اس نے فوراً اعتراف کر لیا۔

"ہاں ہاں میں نے ہی کیا سب کچھ وہ اس لئے کہ آپ نے اس دن اتنی زور سے میری کلائی کھینچی کہ مجھے بہت دیر درد رہا' اسی بناء پر میں نے آپ کو مزید تنگ کرنے کا فیصلہ کیا پر میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ آپ کی بائیک کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گی۔ گاڈ پرامس' بٹ پلیز ابھی جانے دیں' سب کے آنے کا ٹائم ہے۔ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔"

"دیکھنے دو سب کو' ویسے تمہیں کسی کے باپ کا کیا ڈر جواب ڈر رہی ہو' ٹھہرو تمہیں پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔" وہ مصنوعی ڈراوا دے کر اسے ایک طرف گھسیٹنے لگا جیسے تھانے لے کر جانا چاہتا ہو' ثوبیہ مسلسل آگے پیچھے مدد کے لئے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی' چارو ناچار اس نے تھک ہار کر اپنی کلائی آزاد کروانے کے لئے اپنے دانت شافع کے ہاتھ میں گاڑ دیئے' یہ اتنا اچانک حملہ تھا کہ شافع بوکھلا گیا' خود سے ہاتھ چھوڑ دینا اس کی مردانگی اور طاقت پر ضرب تھی' وہ تکلیف برداشت کرنے لگا۔ ثوبیہ کے دانت کئی سیکنڈ اس کے ہاتھ پر گڑے رہے یہاں تک کہ تکلیف کی شدت ناقابل برداشت ہوگئی مگر اس نے کلائی نہ چھوڑی' تنگ آ کر ثوبیہ نے ہی کاٹنا بند کر دیا۔ اب وہ باقاعدہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"پلیز...... کوئی دیکھ لے گا لیو مائے ہینڈ پلیز..... میں سوری کرتی ہوں پلیز۔" ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھیں بھر آئیں' وہ اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"خون میرے ہاتھ سے رس رہا ہے' آنسو تمہارے بہہ رہے ہیں۔" شافع نے اس کی کلائی تھامے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہرایا' واقعی دانتوں کے نشان کے ساتھ چند خون کے قطرے بھی عیاں تھے' وہ شرمندہ ہوگئی۔

"پلیز سوری....! آپ ہاتھ نہیں چھوڑ رہے تھے.... اسی لئے قدرتی طور پر میرے دانت آپ کے ہاتھ کی طرف بڑھ گئے۔ میں بہت شرمندہ ہوں' غلطی ہوئی مجھ سے آپ کے خون بھی رس رہا ہے' میں ہرگز آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی' آئی ایم سوری۔" اس کی شرمندگی دیکھ کر خود بخود شافع نے گرفت ڈھیلی کر دی' اس کی جھیل جیسی آنکھوں میں مقید آنسوؤں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا' آج پہلی بار اسے روشنی میں اتنا نزدیک پایا تھا' اس کی خوبصورتی نے شافع کو اپنے حصار میں کر لیا تھا' اگر واقعی پہلی نظر محبت کی قائل ہوتی ہے تو ہاں اسے بھی کہیں اندرون دل محبت کی کرن پھوٹتی محسوس ہوئی تھی۔

"اب درد دیا ہے تو دوا بھی تم ہی کرو گی۔" اس نے آہستہ سے ہاتھ آزاد کرتے ہوئے سرگوشی کی' وہ ناسمجھی سے اسے تکنے لگی جیسے کہی گئی بات کا مفہوم جاننا چاہتی ہو۔

"اس وقت تک میں مرہم نہیں لگاؤں گا جب تک تم بذات خود اپنے ہاتھوں سے دوا نہیں لگاتیں۔ میں آج رات تک کا انتظار کروں گا۔ ورنہ پھر وقت کے سہارے اس زخم کو چھوڑ دوں گا۔ جو خود اسے سکھا دے ورنہ مرہم تو تم خود ہی لگاؤ گی۔" وہ سرگوشی میں بہت پیار سے اس کے کان کے پاس بولا' وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی' لڑکی تھی جان چکی تھی کہ سامنے والے کا انداز اب جارحانہ نہیں بلکہ محبت سے پر ہے' وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے مڑ کے جانے لگی۔

"سنو۔" شافع کی پکار پر اس نے مڑ کر دیکھا' شافع نے زخم اس کے سامنے لہرا دیا' گویا دوبارہ یاد دلانا چاہتا ہو کہ مرہم لگانا ابھی باقی ہے۔

"میں نہیں آؤں گی۔"

"تم ضرور آؤ گی۔ آج رات میرے آفس جانے کے ٹائم پہ جس سے بخوبی واقف ہو تم وہ بھی مرہم کے ساتھ۔"

"نہیں میں نہیں آؤں گی۔" اس کی آنکھیں اور تاثرات زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"تم ضرور آؤ گی' تم جانتی ہو کہ تم نہ آئیں تو میں آجاؤں گا۔" اس نے آنکھ مارتے ہوئے کہا' تبھی وہ تیزی سے پارک کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے پیر من من بھر کے ہوگئے تھے' ایک عجیب سی سنسناہٹ اسے اپنے وجود میں محسوس ہوئی' وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی' یہ کیسا حسین سا احساس تھا جو اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا' شافع کے ہاتھ سے رستے خون اور اس کی تکلیف ثوبیہ کو اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی دوسری طرف شافع تھا' جسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہوا' کیوں اچانک ثوبیہ کے آنسوؤں نے اسے اس کا اسیر کرلیا' کیوں شافع کا سارا غصہ زائل ہوگیا اور وہ ثوبیہ جیسی لڑکی پر دل ہار بیٹھا؟ آگ دونوں طرف برابر لگ چکی تھی' ایک طرف شافع ساری شام بے چین رہا' اسے تکلیف میں بھی محبت کی لذت محسوس ہو رہی تھی' دوسری طرف ثوبیہ بھی سخت بے چین اور عجیب و غریب کیفیت سے دوچار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بھی دل ہار چکی ہے' اسے ملنا تھا شافع سے ہر حال میں' مرہم لگانا تو ایک بہانہ تھا' وہ تو شافع کی سنجیدگی اور محبت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی جس کے لئے اس کا شافع سے ملنا ضروری تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رات کس ٹائم وہ بائیک پہ آفس کے لئے نکلتا ہے تبھی گلی کے عین آخر میں وہ اس کی منتظر تھی' ثوبیہ کو اپنے سامنے پاکر وہ حیرت زدہ نہیں تھا وہ جانتا تھا ثوبیہ ضرور آئے گی' گلی کے کونے میں گھپ اندھیرا تھا' آس پاس مکان کی روشنی نے گلی کو کچھ منور کر رکھا تھا.....

"سس.....آہ......" ثوبیہ کو دیکھتے ہی شافع نے ہاتھ آگے کرکے مصنوعی تکلیف سے آواز نکال کر اسے ڈرایا۔

"زیادہ ڈرامے مت کریئے مجھے پتہ ہے اتنا گہرا زخم نہیں ہے' دکھایئے اپنا ہاتھ ذرا۔" شافع نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کردیا' وہ موبائل ٹارچ کی روشنی میں جلدی جلدی بینڈیج کرنے لگی' کتنے ہی لمحے خاموشی کی نظر ہوگئے' لب خاموش تھے مگر آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں' کوئی آنہ جائے اس ڈر سے جلدی جلدی دونوں نے ایک دوسرے کو موبائل نمبرز دیئے اور نئے احساسات کے ساتھ اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہوگئے۔

"میں عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں' میں کیتھولک کرسچن ہوں۔" آج پہلی بار وہ دونوں کال پہ گفتگو تھے' پہلی بات ہی ثوبیہ نے ایسی کی کہ شافع کا سر چکرا گیا۔

"واٹ!..... تم..... تم مسلمان نہیں ہو' آر یو سیریس؟" اس نے شاک کے عالم میں پوچھا۔

"اس میں مذاق کی کوئی بات نہیں ہے شافع! جو سچ تھا وہ میں نے بتادیا' نہ تو میں بچی ہوں اور نہ ہی آپ' کسی بھی رشتے کی شروعات سچائی سے کریں تو بہتر ہے۔ میں ان سپنوں کو نہیں سجانا چاہتی جن کے سچ ہونے کے امکانات کم ہوں' میں بے چین زندگی نہیں گزار سکتی' جب سے آپ سے آخری ملاقات ہوئی ہے میں جس اضطراب کی کیفیت میں ہوں' یہ میں ہی جانتی ہوں۔ میں مزید ایسے نہیں رہنا چاہتی تھی اسی لئے دوٹوک بتادیا کہ میں مسیح برادری سے تعلق رکھتی ہوں۔"

شافع کے لئے یہ تمام انکشافات کسی بم کی طرح تھے' پہلی بار محبت کی کونپل پھوٹی اس پہ بارش کی پھوار پڑنے سے پہلے ہی خزاں کے بادل منڈلانے لگے۔

"میں نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا کہ تم کرسچن ہوگی' تم کسی زاویے سے بھی عیسائی نہیں لگتیں' نہ پہناوے سے' نہ بول چال سے۔"

"تو کیا ہم عیسائیوں کے سروں پہ سینگ نکلے ہوتے ہیں؟" ثوبیہ نے ہنستے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں...... میرا مطلب وہ نہیں تھا۔ میرا مطلب... میں کیا بولوں ابھی؟ میں یہاں تمہیں حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا اس پہ تم نے میرے سر پہ بم پھوڑ دیا۔ ابھی تو میں نے کچھ کہا بھی نہیں تھا اس پہ ایسی شاکنگ نیوز ملے گی' کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"ہم..... تو اب آگے کیا؟" ثوبیہ کی سرگوشی کانوں میں سنائی دی۔

"مطلب؟ آگے کیا کرتے ہیں' کچھ محبت کرتا ہوں تم سے کوئی وقتی دل لگی نہیں' کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ آخر کو میری پہلی چاہت ہو تم....."

"آپ بہت اچھے ہیں شافع! میں نے کئی نیگیٹو امیجز اپنے دماغ میں بنا لیے تھے آپ کے خلاف پر جب سے آپ سے بے تکلفی ہوئی ہے' آپ کی اچھائیاں میرے سامنے آتی چلی جا رہی ہیں' مجھے امید ہے کہ آپ ساتھ دور تک نبھائیں گے' بیچ راستے میں چھوڑیں گے نہیں۔" وہ جذباتی کیفیت میں بولے چلی جا رہی تھی' بہت دیر وہ دونوں ایک دوسرے سے حال دل بیان کرتے رہے۔ کتنے ہی وعدے وعید کر ڈالے' کتنے خواب بن ڈالے' ثوبیہ ایک ماڈرن گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جہاں شادی جیسے اہم فیصلے میں مکمل آزادی اور اختیار تھا' اس کے گھر میں تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا مگر شافع کے گھر میں ضرور مہابھارت متوقع تھی۔ شاداب ایک پکی مسلمان خاتون تھیں وہ کیونکر ایک کرسچن بہو گھر میں لے کر آتیں یہ ہی سوچ کر کتنے ہی دن شافع اپنی مما سے بات کرنے میں جھجکتا رہا مگر کبھی نہ کبھی تو بات کرنی ہی تھی' آخر کو وہ شادی کے قابل تھا اور گھر میں اکثر اس کی شادی کو لے کر بات رہتی تھی۔ شاداب نے پہلے ہی سحرش اور شافع کی شادی ایک ساتھ کرنے کا سوچ رکھا تھا' سحرش کی بات تو طے تھی' پر شافع کے لیے وہ اکثر چھپ چھپ کر لڑکیاں دیکھا کرتی تھیں۔

☆ ☆

"کرسچن لڑکی! کون ثوبیہ؟ جو یہیں اسی گلی میں مقیم ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا شافع! تم اسی کی بات کر رہے ہو نا؟ کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟ ہمیں آئے ہوئے فقط دو مہینے ہوئے ہیں اس پہ تم کس میں انوالو ہو گئے ہو۔ شاداب نے آنکھیں پھاڑے پے در پے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی' وہ جانتی تھیں کہ شافع سنجیدہ ہے' وہ عمر کے اس دور میں نہیں تھا کہ محض وقت گزاری کے لئے دل لگیاں کرتا پھرے' معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے شاداب بہت ہی تحمل سے کام لے رہی تھیں' سامنے شافع ثوبیہ اور اس کے گھر والوں کی تعریفوں کے پل باندھنے میں لگا ہوا تھا۔

"ہاں ہاں پتہ ہے مجھے کہ وہ بہت پڑھے لکھے' مڈل کلاس اور باشعور لوگ ہیں ان میں کوئی کمی نہیں سوائے اس کے کہ وہ کرسچن ہیں۔ ٹھیک ہے اگر شادی کر بھی دوں اس سے تو کیا تم نے اپنے فیوچر کے بارے میں سوچا ہے کہ کیسے وہ ایک مسلمان گھرانے میں اپنے بچوں کی تربیت کر پائے گی' کیسے وہ ہمارے کسٹمز اور ویلیوز کو اپنائے گی۔ وہ الگ کلچر لے کر آئے گی' ہم کیسے اس کے کلچر کو Accept کریں گے بہت مشکل ہوگی شافع۔"

"کچھ مشکل نہیں ہوگی مما! وہ بہت اچھی اور سمجھدار لڑکی ہے۔" تھوڑا بچپنا ہے اس میں مگر وقت چلتے وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ ایک بار ملیں تو اس سے؟ آپ کا بیٹا بھی غلط انتخاب کر سکتا ہے؟" وہ مما کے پیروں میں بیٹھا سمجھا رہا تھا۔ شاداب عجیب کی کیفیت سے دوچار تھیں۔ سحرش سب جانتے ہوئے بھائی کے فیور میں سمجھانے لگی۔

"وہ اہل کتاب ہے یہ سب میں جانتی ہوں' جاہل نہیں ہوں میں' پھر بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ دس ہزار لوگ ہیں ملنے جلنے والے کیسے سب کو سمجھاؤں گی؟ مجھے وقت درکار ہے سوچنے کے لئے

... میں ملوں گی ان لوگوں سے پھر ہی کوئی فیصلہ کرپاؤں گی۔''

''مما زندگی ہم نے گزارنی ہے اور جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہوتی ہیں لیکن اگر پھر بھی آپ اس شادی سے ناخوش ہیں تو میں یہ شادی نہیں کروں گا۔ یہاں کیا میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔''

''دھمکی مت دو مجھے۔ میں ماں ہوں تمہاری۔ تمہاری خوشی عزیز ہے مجھے۔ صحیح غلط پرکھنے کی اہلیت تم رکھتے ہو بھی تم سنجیدہ بھی ہو گئے ہو ثوبیہ سے شادی کے لیے۔ پر بہت سے ایسے شرعی مسائل ہیں جو ہم بڑے ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ بہرحال اب ان لوگوں سے ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔ جب تک اس ٹاپک پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔'' شاداب سنجیدگی سے کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ ان کے لیے بیٹے کی خواہش بہت معنی رکھتی تھی۔ شادی میں کوئی نقصان نہیں تھا مگر بہت سے ایسے پیچیدہ مسائل جو کہ وہ سمجھ سکتی تھیں پھر بھی وہ اپنے بیٹے کی خوشی کی خاطر ثوبیہ کے گھر چلی گئیں۔ بہت الگ سا ماحول تھا ثوبیہ کے گھر کا۔ دیواروں پر مختلف اقسام کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ڈرائنگ روم میں عین مقابل بڑا سا کرسمس ٹری تھا جسے بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ سب بہت طریقے سے ملے۔ ثوبیہ کے والد حیات نہیں تھے گھر میں امی اور تین بڑے بھائیوں نے پرتپاک استقبال کیا۔ گھر بھی بہت ڈیکوریٹڈ تھا مختلف قسم کی پینٹنگز سے گھر کی سب دیواریں سجائی گئی تھیں۔ پہلی ملاقات نے شاداب کے دل پر خوشگوار تاثر چھوڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ تقدیر کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ مزید ملاقاتوں اور ثوبیہ کے گھر والوں کے حسن اخلاق اور محبت نے آخرکار شاداب کو بھی اس شادی کی طرف مائل کر دیا اور ثوبیہ اور شافع کی شادی احسن طریقے سے انجام پائی۔ اتنی جلدی سب معاملات ہوئے ثوبیہ اور شافع نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ شادی کی رسومات کرچن اور مسلم طریقے سے ہوئیں جسے سب نے خوب انجوائے کیا۔ شادی سے پہلے باتوں باتوں میں ثوبیہ کے گھر والوں نے باور کرا دیا تھا کہ شادی کے بعد ثوبیہ کو مکمل مذہبی آزادی ہوگی کسی بھی قیمت پر اسے جبراً اسلام قبول نہیں کرایا جائے گا۔ شاداب خود پڑھی لکھی سمجھدار خاتون تھیں۔ وہ ہر معاملے کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ دین کے پیچیدہ معاملات میں کسی کو بھی ڈھالنا کتنا مشکل کام ہے۔ نہ انہوں نے بھی ثوبیہ پر اپنی مرضی تھوپی نہ جبراً اسلام پر چلنے کی تلقین کی۔ چونکہ وہ اب بہو گھر لے آئیں تھیں تو اسے مکمل آزادی دے دی گئی تھی کہ وہ جس طرح چاہے اپنی زندگی گزار سکتی ہے۔

☆......☆

''مما! آپ یہ اتنا بڑا نقاب لے کر کیوں گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ سحرش بھی جب آتی ہے اتنا بڑا نقاب کیا ہوتا ہے۔ آپ لوگ پردہ کرتی ہیں باہر لوگوں سے۔'' شاداب کسی کام سے باہر جا رہی تھیں ثوبیہ نے اچانک پوچھا۔ شادی کو مہینہ ہو گیا تھا اور وہ اکثر شاداب کو ایسے نقاب میں دیکھتی تو سوال پوچھنے لگتا۔ شاداب بدھری فنی کے ساتھ بولیں۔

''بیٹا! یہ پردہ صرف باہر کے لوگوں سے ہی نہیں بلکہ ہر نامحرم آدمی سے ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔''

''نامحرم؟'' ثوبیہ نے ناسمجھی سے کہا۔

''نامحرم...... وہ لوگ جن سے آپ کا خون کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ یعنی ایسے افراد جن سے آپ کا نکاح جائز ہو مثلاً کوئی کزن دیور یا جیٹھ وغیرہ......''

''اس کا مطلب سحرش کے ہسبنڈ فیصل بھائی بھی میرے لیے نامحرم ہوئے؟'' وہ پوچھنے لگی۔ شاداب اپنا عبایا اتار کر صوفے پر براجمان ثوبیہ کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولیں۔

”بالکل سو فیصد سچ فیصل بھی تمہارے لیے نامحرم ہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص جس سے تمہارا خون کا رشتہ نہ ہو وہ تمہارے لیے نامحرم ہوئے۔“

”تو کیا مجھے ان سے پردہ کرنا چاہیے مما؟“

”بیٹا! ہم جس ماحول میں رہ رہے ہیں وہاں اس قدر حجاب میں رہنا بہت مشکل ہے اگر کر سکیں تو کرنا چاہیے۔ یہ ہمارے بہت قریبی رشتے دار ہیں جن سے روزانہ کی واقفیت ہے ایسے میں ہم صرف اتنا ہی کر لیں کہ اجنبیوں سے ہی پردہ کر لیں وہ لوگ جو باہر سڑکوں پر موجود ہیں۔ دکاندار ہیں یا ٹھیلے والے ہم نہیں جانتے کہ کس نظر سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نیت کا اندازہ انہیں خود ہے یا پھر اللہ کو۔ ایسے میں اگر ہم اپنے چہرے کو ان لوگوں کی بد نظری سے چھپا لیں تو شاید اللہ ہمارے باقی گناہ بھی معاف کر دے۔“ یہ تمام باتیں ثوبیہ کے لیے کتنی نئی تھیں۔ واقعی اگر دیکھا جائے تو وہ جب بھی پینٹ شرٹ یا اسکرٹ بلاؤس پہن کر باہر جاتی تھی تو ہر ایک آدمی کی نظر اس پر ہوتی تھی وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ ان سب کی آنکھیں نوچ لے۔ مگر کبھی اپنے وجود کا محاسبہ اس نے نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شاداب کی باتیں اسے سولہ آنے درست لگ رہی تھیں۔

”مما! آپ لوگ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟ ہم تو عبادت کرنے چرچ کا رخ کرتے ہیں آپ گھر میں عبادت کرتی ہیں۔“

”ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ ہر مذہب میں اپنے رب کی عبادت کرنے کے کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ جیسے تم لوگ چرچ جا کر عبادت کرتے ہو ویسے ہی ہم اپنے معبود کی عبادت کرنے کے لیے اس کے سامنے پانچ بار سر جھکاتے ہیں۔ نماز یہ احساس دلاتی ہے کہ ہم کتنے حقیر ہیں اور کتنے محتاج ہیں جب تک وہ کرم نہ کرے ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ وہ طریقہ ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا اور پتہ ہے نماز سے جتنا روحانی سکون حاصل ہوتا ہے وہ سکون کسی چیز سے نہیں۔ کچھ سمجھ آیا بچے؟“ شاداب پیار سے اس کا سر سہلاتے ہوئے بولیں انہیں احساس ہو رہا تھا کہ ثوبیہ جب سے شادی ہو کر آئی ہے وہ مسلم طریقوں سے متاثر رہتی ہے اسی لیے وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ دین کی باتیں ثوبیہ کے سامنے کرتی تھیں۔

”مما! میں بھی عبایا پہنوں گی اور پہن کر باہر جاؤں گی۔ مجھے اچھا نہیں لگتا جب لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔“ ثوبیہ اچانک سے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے بولی۔

”ارے واہ! یہ تو بہت ہی اچھا فیصلہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی سن کر بلکہ تم آج ہی جاؤ شافع کے ساتھ اور ایک خوبصورت سا عبایا خریدو۔“

”اور میں حجاب بھی کروں گی۔“ وہ جذباتی ہو کر بولی۔ خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”بالکل کرو۔“ شاداب نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اب اکثر ثوبیہ ان سے مختلف سوالات پوچھتی رہتی۔ جتنا وہ سوالات کے جواب سے آشنا ہوتی اتنا ہی کشش و پیچ میں پڑ جاتی۔ وہ خود بخود دین اسلام اور اس سے جڑے ہر معاملے کی اتھاہ گہرائیوں تک کھنچتی چلی جا رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اسلام اس قدر پُر سکون، سلامتی اور سچائی کا مذہب ہے۔ کوئی بھی بات اب تک اس کے سامنے نہیں آئی تھی جو ثوبیہ پر منفی تاثر چھوڑتی۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ہر بات کا جواب اس نے معلوم کیا بہت سے معاملات میں شاداب نے بہت رہنمائی کی۔ اسلام کیا کچھ نہیں سکھاتا۔ میاں بیوی سے لے کر جوانی بڑھاپا یا نیز زندگی گزارنے کا ہر طریقہ اسلام میں موجود تھا۔ وہ جتنا پڑھتی اتنا ہی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتی۔ اسی دوران اس کے بھائی کی شادی ہوگئی دھوم دھام سے۔ ثوبیہ اور شافع نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ مسلسل اسٹڈی


MEDICAM
Dentist's Recommendation
1
10 PROBLEMS
SOLUTION
MEDICAM
MEDICAM
MEDICAM
میڈی کیم ڈینٹل کریم جیسے۔۔۔ دانتوں کی لائف ٹائم انشورنس۔

کرتی رہی اس کی لگن اور دلچسپی سب کے سامنے عیاں تھی جو کہ قابل ستائش تھی۔

☆......☆

"بھابھی! آپ پلیز روئیں مت پلیز ہمت کریں۔ میں خود بھائی سے پوچھوں گی۔ ان کی ہمت کیسے ہوئی آپ پر ہاتھ اٹھانے کی؟ شرم نہیں آئی انہیں۔" ثوبیہ فون پر آنے والی نئی بھابھی سے محو گفتگو تھی۔ اسے پتہ چلا کہ اس کے بھائی نے نشے میں اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ وہ سخت برہم تھی وہ جانتی تھی کہ اس کے گھر شراب پینے کا رواج ہے۔ پہلے تو اسے فرق نہیں پڑتا تھا پر اب جاننے کے بعد کہ کسی بھی قسم کا نشہ انسان کی سدھ بدھ کھو دیتا ہے تبھی اسلام میں ہر قسم کا نشہ ممنوع ہے اور شراب کو خاص طور پر حرام کہا گیا ہے بلکہ "ام الخبائث" کا نام دیا گیا ہے۔ کرسچن میں بھی شراب پینے کی اجازت نہیں ہے مگر اب شراب ایک ٹریڈیشن کے طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ وہ کافی دیر تک فون پر بھابھی کو تسلی دیتی رہی۔ تبھی شافع بھی کمرے میں آ گیا۔

"جان من! کس سے باتیں ہو رہی ہیں؟" وہ پاس بیٹھ کر پوچھنے لگا تو ثوبیہ نے ساری بات کہہ سنائی جس کو سن کر وہ افسوس کرنے لگا۔

"تم سمجھاؤ اپنے بھائی کو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بالکل ٹینشن نہیں لو اپنی صحت کا خیال رکھو۔ ان دنوں ٹینشن نہیں لیتے ہمیشہ خوش و خرم رہتے ہیں۔" ثوبیہ امید سے تھی اور بہت جلد ماں کے رتبے پر فائز ہونے والی تھی۔ گھر میں اس کا سب بہت خیال رکھتے تھے۔ وہ بھی ہمیشہ خوش رہنے کی سعی کرتی مگر شومئی قسمت کے جب سے شادی ہوئی وہ مسلسل دو کشتیوں میں سوار تھی۔ کنواری زندگی میں بھی اسے مذہب سے دلچسپی نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی بھی بہت زیادہ دینی ہوئی تھی۔ اب چونکہ اس نے نئی زندگی میں قدم رکھا تو نئے لوگوں طور طریقوں نے اس کے اندر واضح تبدیلی رونما کی تھی۔ وہ پریگنینسی میں چھپ کر درس و مدارس جاتی رہی وہ تمام سوالات جو اسے الجھائے رکھتے تھے درس میں اسے ہر سوال کا جواب نہایت آسان طریقے سے اور اسلام کی روشنی میں دیا گیا۔ نیز پورے نو مہینے میں وہ اس فیصلے پر پہنچ چکی تھی کہ آئندہ آنے والی زندگی میں کیا اقدام اٹھانے ہیں۔

☆......☆

"مما! مجھ سے درد برداشت نہیں ہوتا ہے آپ شافع کو فون کریں لگتا ہے ٹائم آ گیا ہے۔" ثوبیہ کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ اس نے گھبرا کر شاداب کے کمرے میں آ کر کہا۔ شاداب جاء نماز پر بیٹھی تھیں۔ یوں اچانک اس کی آمد پر گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

"اچانک! ابھی تو ٹائم تھا۔ اللہ خیر کرے۔ شافع کو میں انفارم کرتی ہوں۔ تم بیگ اٹھاؤ اور باہر آؤ میں ٹیکسی کا بندوبست کرتی ہوں۔" شاداب گھبراہٹ میں ہاتھ پیر مارنے لگیں، ضرورت کا سارا سامان سمیٹ کر وہ فوراً اسے ہاسپٹل لے کر بھاگیں شافع بھی فوراً وہاں پہنچ گیا۔

تخلیق کے مراحل سے گزرنا کتنا کٹھن تھا اسے بے ساختہ اللہ یاد آیا وہ بری طرح کراہ رہی تھی، شافع اس کا ہاتھ محبت سے ہاتھ میں لئے مسلسل تسلیاں دے رہا تھا، اپنی بیوی کو اس قدر درد میں دیکھ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا، ایک طرف اسے باپ بننے کی خوشی تھی۔ دوسری طرف ثوبیہ کو اس مرحلے میں دیکھ کر وہ ہمت ہار رہا تھا۔

"پیشنٹ کو فوراً لیبر روم میں لے آئیے۔" ڈاکٹر کی آواز کانوں سے ٹکرائی وہ کسی نرس کو ہدایت دے رہی تھیں، اسے لیبر روم میں لے جایا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں نرس ہاتھ میں خوبصورت سا بچہ لے کر وارد ہوئی۔ شاداب کے تو خوشی سے آنکھیں جگمگانے

لگیں' شافع کی خوشی بھی دیدنی تھی۔ شافع کی زندگی کا شاید سب سے حسین پل تھا کہ اس کی محبت کی نشانی ایک بیٹے کی صورت اس کی گود میں موجود تھا۔

''اللہ تیری قدرت' اتنا خوبصورت بچہ..... ماشاء اللہ۔'' شاداب کے تو بے ساختہ تعریفی کلمات زبان سے ادا ہو رہے تھے' دادی بننے کی خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی' ثوبیہ مسکراتی لیبر روم سے باہر آئی اور اسے پرائیویٹ روم میں شفٹ کیا گیا۔

''تھینکس ثوبی! تم نے مجھے زندگی کا سب سے انمول تحفہ دیا ہے آج میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کرسکوں۔'' شافع اس کا ہاتھ تھامے تشکر کے ساتھ کہہ رہا تھا' ثوبیہ مسکرانے لگی' وہ خود بھی بے تحاشہ خوش تھی' آج کے دن کا انتظار تو اسے کب سے تھا' اس نے دور کھڑی مما کو پکارا جو مسلسل اپنے پوتے کو ہاتھ میں لیے دیدار کیے جا رہی تھیں۔

''مما.....! ادھر آیئے پلیز.....'' اس نے کچھ دیر توقف کے بعد کہا۔

''مما! میرے بیٹے کے کان میں اذان دلوا دیجیے۔'' ثوبیہ نے شافع اور شاداب کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا' وہ دونوں حیرت سے گنگ رہ گئے کہ ثوبیہ نے خود سے اذان دلوانے کی بات کی۔

''لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

ہاں شافع اور مما میں اسلام قبول کرتی ہوں'..... ہاں میں اقرار کرتی ہوں کہ وہ اکیلا ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا' اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تہہ دل سے اسلام لاتی ہوں۔ مجھ پہ نہ کسی کا جبر' نہ زبردستی..... میں ہوش و حواس میں اپنی مرضی سے کلمہ پڑھتی ہوں اور اسلام قبول کرتی ہوں' اور چاہتی ہوں کہ ہمارا بچہ بھی مسلمانوں کے طور طریقے سیکھے۔ اسلام کو سمجھے اور سچا مسلمان بنے۔''

ثوبیہ نے اس خوبصورتی اور سچائی سے اسلام قبول کیا کہ شاداب باقاعدہ زار و زار رونے لگیں' ان کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ خوشی دوہری ہو کر ملے گی' ان کی دعائیں اس طرح اتنی جلدی بر آئیں گی کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ فوراً ثوبیہ کو گلے لگا کر چومنے لگیں' شافع کا بھی خوشی سے برا حال تھا' اتنی خوشیاں مل جائیں گی کبھی سوچا بھی نہ تھا' ثوبیہ کا یہ فیصلہ کوئی وقتی یا اچانک نہیں تھا' پورے ڈیڑھ سال اس نے کرسچن مذہب اور اسلام کو اسٹڈی کیا تھا' دوسری طرف درس اور تدریس دینے والی معظمہ بہت معاون ثابت ہوئی تھیں' آج وہ اتنی مضبوط تھی اس نے مما اور شافع کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسلام قبول کیا تھا' آج اسے اپنا آپ انتہائی ہلکا پھلکا اور پرسکون محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ دل پہ سے کوئی بوجھ سا ہٹ گیا ہو' اتنا سکون اسے پہلی بار محسوس ہوا تھا' اپنے اللہ سے محبت کا احساس اسے اسی دن ہو گیا تھا جب وہ ایک مسلمان گھر میں بیاہ کر آئی' اور شاید شافع سے ملنا اور شادی کا انجام پانا اس بات کی عکاسی کرتا تھا کہ اللہ نے اسے صحیح اور غلط میں فرق بتانا تھا' ہدایت بھی اسے ملتی ہے جسے ہدایت کی طلب ہوتی ہے اور ثوبیہ کو اس کی طلب نے اس مقام تک پہنچایا جہاں وہ فخر سے کہہ سکتی تھی کہ اس نے ایک مسلمان بچے کو جنم دیا۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر۔'' کان میں دی جانے والی اذان اور بچے کے مسکراتے حسین چہرے نے سب کے چہروں پر تبسم بکھیر دیا' اور سب سے زیادہ خوش ثوبیہ تھی جس نے آج ہی اپنے بچے کے ساتھ اس کرہ ارض پر جنم لیا تھا۔

تسکین کا سمندر اترا ہے میرے اندر
جب دل سے کہہ دیا ہے اللہ بہت بڑا ہے

......☆......

سحرش فاطمہ

افسانہ

رشتے دنوں کے محتاج نہیں

"امی، امی......!"

"ارے کیوں اتنا چلا رہی ہو؟" درخشاں نے آتی سومل کو کہا جو اسکول سے آتے ہی چلا رہی تھی۔

"امی! ہمارے اسکول میں پتا ہے "مدرز ڈے" منایا جا رہا ہے اور آپ کو بھی انوائیٹ کیا ہے۔" سومل نے درخشاں کے گلے میں بانہیں ڈال کر خوش ہو کے



بتایا۔ ''اور پتا ہے امی! میں بھی اسٹیج پر جاؤں گی۔''

''اچھا آپ بھی جاؤ گی اسٹیج پر، چلو اچھی بات ہے پر کیوں جائیں گی ویسے آپ؟''

''امی! میں وہاں آپ سے پیار کا اظہار کروں گی۔'' ننھی سی سومل نے پرجوش انداز میں بولا اس کی بلوری آنکھیں چمکنے لگیں۔

''لیکن بیٹا! وہ تو آپ روز کرتی ہو ناں۔'' درخشاں نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پہ لا کر کہا۔

''اوہو امی! آپ نہیں سمجھتیں بس ٹیچر نے کہا ہے ناں۔'' سومل نے ہاتھ باندھ لیے اور منہ پھیر کر کہا۔

''اچھا بابا بس جیسے آپ بولو اور اب چلو کپڑے بدل لو پھر کھانا لگاتی ہوں ہاتھ دھو کر آنا۔'' درخشاں نے اب پیار سے کہا اور سومل کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆

''کیا زمانہ آ گیا ہے۔ اب ماں باپ کا دن مناتے ہیں لوگ، حتیٰ کہ بچوں کا، ٹیچر کا نہ جانے کس کس کا۔ اوپر سے بچے پھر ماں باپ چلو ان کا ہی دن لے لو پھر اظہار بھی کرتے ہیں۔''

درخشاں جس محلے میں رہتی تھی وہاں ہر جمعرات کو درس منعقد ہوتا تھا۔ وہیں ان کی بجیلہ آپا نے یہ موضوع نکالا اور درخشاں کو اپنی بیٹی یاد آ گئی۔

''اوپر سے ماں باپ پڑھاتے بھی ہیں۔ بڑے



بڑے اسکول میں اور چھوٹے بچوں کو پھر اس طرح کے نظام میں رکھتے ہیں کہ یہ تہوار منانے کا کہتے ہیں۔ لو بتاؤ اب کیا ماں باپ سے سال میں ایک دفع ہی پیار کا اظہار کیا جاتا ہے؟''

''ہمیں تو ماں باپ نے سمجھایا لیکن آج کل کے ماں باپ بھی ان تہواروں سے خوش ہوتے ہیں۔ بچے تحفے تحائف دیتے ہیں۔ ارے بھئی! ماں باپ کا دن ہو یا بھائی بہن کا یہ تو روز کا پیار ہے ناں۔ ایک دن کا تو نہیں اور چلو مانا کہ تحفے تحائف ایک دوسرے کو دینے سے پیار بڑھتا ہے۔ مضبوط ہوتا ہے تو سال میں ایک دفع ایک دن کیوں جب دل چاہے دے دو۔'' درخشاں سو فیصد آپا سے متفق تھی اور وہ اپنی بیٹی کو بھی سمجھانا چاہتی تھی لیکن یہ سوچ کر کہ وہ چھوٹی ہے ناراض نہ ہو جائے رہنے دیتی۔

☆......☆

دن گزرتے جا رہے تھے سومل بڑی کلاس میں آ گئی تھی۔ درخشاں کا درس میں جانا رہتا وہ کوشش کرتی کہ سومل کو بھی لے جائے لیکن پڑھائی کے بوجھ کی وجہ سے یہ کام بھی جاتا رہا۔ سومل جس اسکول میں تھی وہاں اب تک امی، ابو، بھائی، بہن کے لحاظ سے دن منائے گئے تھے۔ سومل tv دیکھ رہی تھی۔ ہر چینل پر لال غبارے دکھا رہے تھے اور کچھ پیار کے اظہار کے حوالے سے پروگرام آ رہے تھے تو کہیں اس پیار کے دن کا حوالہ دیا جا رہا تھا۔ وہ حیران ہوئی کہ یہ دن بھی ہوتا ہے اور اگر ہے تو اسکول والوں نے کبھی نہیں منایا۔ وہ اٹھ کر کچن میں درخشاں کے پاس گئی۔

''امی!'' سومل نے پکارا۔

''جی بچے۔'' درخشاں نے پیار سے جواب دیا۔

''ابھی tv پر میں نے دیکھا یہ پیار کے اظہار کا دن۔''

''ک......ک، کیا؟ کیا کون سا دن؟'' درخشاں کی زبان لڑکھڑائی کام چھوڑ کر وہ سومل کو دیکھنے لگی۔

''امی! ابھی مجھے نہیں پتا وہ tv پر آ رہا تھا تو سوچا آپ سے پوچھ لوں اس کا۔'' سومل نے بھی حیرت زدہ امی کو دیکھا۔ درخشاں کو لگا کہ اسے سومل کو یہ چیزیں سمجھا دینی چاہئیں۔ اب وہ بچی نہیں رہی اور اس دن کے حوالے سے سومل نے دیکھ بھی لیا ہے tv پر۔

''سومل! ادھر آؤ۔'' درخشاں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسکرا کر کہا۔

''دیکھو بیٹا! ہم آپ کو اچھے اسکول میں بھیجتے ہیں۔ اب وہاں کون سے دن منائے جاتے ہیں کون سے نہیں۔ جب تک آپ نہیں بتاؤ گی ہمیں تو علم نہیں ہوگا ناں۔'' سومل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہم نے کبھی منع نہیں کیا لیکن اعتراض بھی شاید نہیں کیا لیکن سمجھانا بھی ہمارا فرض تھا وہ نہیں کیا۔'' درخشاں کچھ لمحے کے لیے چپ ہو گئی۔ سومل ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہی۔

''دیکھو بیٹا! ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں بہت سی چیزیں ہیں جن کا ایزل کیا تھا ہمیں نہیں پتا۔ کچھ کا پتا ہے کچھ کا نہیں لیکن یہ دن ایسے ہیں جو سال میں ایک دفعہ آتے ہیں اور کسی کی یاد میں یہ دن منائے جاتے ہیں جیسے اولڈ ایج ہوم میں جو لوگ اپنے ماں باپ کو بھیج دیتے ہیں ناں وہ سال میں ایک دفعہ ہی ملنے جاتے ہیں۔'' سومل حیران سی بیٹھی رہی اسے اپنے اسکول میں منائے مدر فادر ڈے یاد آ گیا۔

''اب بیٹا ہم لوگ تو ماں باپ کو ایسے دور نہیں کرتے اور نہ ہی پیار کا اظہار سال میں ایک دفعہ کرتے ہیں ناں تو بھلا بتاؤ پھر سال میں ایک دن اپنے کسی بھی رشتے سے پیار کا اظہار کیوں؟ تمہیں اپنے والدین سے محبت ہے اپنے بہن بھائی، اپنے ٹیچرز سے تو اس کا اظہار ہر روز ہونا چاہیے مغرب کی اندھی تقلید میں ہمیں اپنی روایات اور اقدار کو نہیں بھولنا چاہیے بیٹا۔ مجھے یقین ہے تمہیں میری بات سمجھ آ گئی ہوگی۔''

''آپ صحیح کہہ رہی ہیں امی! واقعی لوگوں کو تو عقل ہی نہیں ہے۔'' سومل نے مسکراہٹ کے ساتھ درخشاں کو دیکھا۔ ☆


THE BLOOD PURIFIER
SAFI®
خوبصورتی جو صرف
ظاھری ہی نہیں
بلکہ اندرونی بھی
Safi Kafi Hai
ہمدرد

افسانہ

پہلا قدم

''آؤ اور آگے ہاں...... برگر کنگ کی لائن میں بالکل سیدھے آجاؤ، اسکول ہے ایک، ہاں گلی کے کارنر پر رکشہ کھڑا ہے، ہاں اسی گلی میں آجاؤ۔ بس یہیں بلڈنگ ہے اوپر آجاؤ میں دروازہ کھولتی ہوں۔''

پچھلے دو ماہ سے میں یہ آوازیں سن رہی تھی، ہمارے اپارٹمنٹ کے پچھلے حصے میں ٹیرس اسی گلی کے ساتھ تھا۔ میرے شوہر نے ساری زندگی مجھے کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالا تھا، بالکل جیسے کوئی ہیرے کی حفاظت کرتا ہے۔

کئی پردوں اور مضبوط لاکرز میں رکھتا ہے، اسی لیے ہمارے گھر کی ہر کھڑکی پر انتہائی نفیس پردے یوں بندھے تھے کہ ہوا اور روشنی تو باآسانی آتی لیکن باہر سے اندر کا کچھ نظر نہیں آتا تھا، اک سکون کا احساس رگ و جاں میں رہتا تھا، مجھے آج بھی یاد ہے وہ وقت جب میں کالج سے ہنسی مسکراتی گلے میں دوپٹہ ڈالے گھر آتی، وہیں کالج کے سامنے میرے شوہر نے مجھے پسند کر کے اپنے گھر والوں کو بھیجا اور کتنی حکمت کے ساتھ میری ساس نے مجھے پردہ کے بارے میں سمجھایا، پھر زندگی میں سے بے چینی کا لفظ جیسے ختم ہو گیا، میں جب بھی عبایا لے کے نکلی تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے بہت محفوظ قلعہ میں آ گئی ہوں، اسی طرح میرا گھر بھی محفوظ قلعہ تھا، گھر کا یہ کمرہ نسبتاً اور کمروں سے پرسکون تھا۔

یہاں گاڑیوں وغیرہ کا شور نہیں تھا، میں اکثر شام میں یہاں بیٹھ کے اپنی تسبیحات کرتی تھی۔ ٹھنڈک کا احساس بڑھا تو میں نے اپنی وہیل چیئر کا رخ کمرے کی طرف کرلیا۔

میرے شوہر حمید بھٹی کا چھوٹا سا گاڑیوں کا شوروم تھا۔ شادی کے سات سال بعد اللہ نے بیٹی جیسی حسین نعمت سے نوازا تھا، اب وہ بھی ماں باپ سے سارے لاڈ اٹھوا کے پیا دیس سدھار چکی۔ کبھی ہفتہ میں ایک بار آتی تو گھر میں رونق سی لگ جاتی، اس کے جانے کے بعد پھر وہی سناٹے اور تنہائی، میں تھک آ کے ٹیرس پہ آجاتی، اب کچھ عرصے سے یہ آوازیں یعنی کسی کو گھر کا پتہ بتانے والی آوازیں صبح سے شام تک بلا مبالغہ پندرہ بیس بار تو آجاتی تھیں۔ شروع شروع میں تو میں نے دھیان نہ دیا، پھر سوچا شاید رشتہ دار یا ملنے جلنے والوں کو پتہ بتانے کی آواز آتی ہے۔ ایک دن میں نے اپنے شوہر سے اس بات کا سرسری سا تذکرہ کیا۔

''آپ یہ پچھلے حصے میں جو پتلی گلی ہے ہمارے سامنے والے فلیٹ میں ان کو جانتے ہیں کون لوگ ہیں؟''

''خیریت...... کچھ کام تھا آپ کو ان سے؟'' انہوں نے چہرے سے کتاب کو ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

رات کو سونے سے پہلے مطالعے کی عادت ہم دونوں کی ہی انتہائی پختہ تھی۔

''نہیں میں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' میں نے بھی کہتے ہوئے کتاب اٹھالی۔ اس وقت یقیناً وہ کوئی



دلچسپ تحریر پڑھ رہے تھے، ورنہ یہ تو بال کی کھال تک اتار دیتے تھے۔

ٹھنڈ بڑھ رہی تھی اور میری ٹانگوں کی بیماری مجھے ٹھنڈ میں انتہائی پریشان کر دیتی تھی۔ اس بار میں نے اپنا بیڈ روم پچھلے کمرے میں سیٹ کرا لیا تھا، نہ جانے کیسی بیماری تھی جو جان کو چمٹی ہوئی تھی۔ گرمیوں میں تو پھر بھی سہارا لے کے چل لیتی لیکن سردیوں میں بالکل ہی ویل چیئر پہ آ جاتی۔

اب رات بے رات بھی ایڈریس بتانے کی آوازیں آتی رہتیں۔ میری نیند ایسی کہ سوئی بھی گرے تو آنکھ کھل جائے اور حمید صاحب مزے سے سوتے رہتے، مجھے اک تجسس سا ہونے لگا۔ دو کمروں کے مختصر سے فلیٹ میں اتنے لوگ کہاں سماتے ہوں گے اور اتنے لوگ آنے کے بعد بھی وہاں موت کا سا سناٹا ہوتا۔

یہاں تک کہ دروازے پہ بھی صرف آہٹ سنائی دیتی اور چڑھنے اترنے کی تو آواز ہی نہ تھی۔

''ارے بیگم! آپ نے پوچھا تھا پچھلی گلی والوں کے بارے میں؟'' رات کو کھانے پہ بیٹھ کے میرے شوہر نے آج خود ہی وہی موضوع چھیڑا۔

''ہاں تو وہ ابراہیم علوی صاحب ہیں کوئی این جی او کے مالک ہیں۔ کافی رحم دل انسان ہیں، غریبوں کی مدد، شادیاں وغیرہ اکثر ضروریات کا خیال رکھتے ہیں، انہوں نے ہی یہ گھر کسی غریب گھرانے کو رہائش کے لیے دیا ہے کل ہمارے اپارٹمنٹ کے صدر منیر صاحب ملے تھے ان سے معلوم ہوا مجھے۔''

میرے شوہر کی یہ خاص عادت تھی کہ کبھی بھی کوئی خبر مختصر نہیں بتاتے تھے، بلکہ پوری تفصیل سناتے تھے، مکمل کر کے اگلا بندہ مطمئن ہو جائے، لیکن اس سے سر ہلا دیا، کیونکہ جو بات میں وہی اس میں نہیں تھا۔

اس تفصیل نے میرے تجسس کو اور ہوا دی۔ اب جیسے ہی آواز آتی میں بے چین ہو جاتی کہ ایسا کون ہے جو اتنی خاموشی سے آتا اور چلا جاتا ہے۔

آخر کار اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے میں نے ایک دن اپنی ویل چیئر بالکل دیوار کے ساتھ لگائی اور دیوار کا سہارا لے کے کھڑی ہو گئی۔

''آؤ ہاں...... برگر کنگ کی لائن میں سیدھا روڈ ہے Oxford اسکول ہے، ہاں تین گلیاں چھوڑ کے گلی کے کارنر پہ ریڈ شرٹ والا بچہ کھڑا ہے۔ بالکل ٹھیک پہنچ گئے۔ اسی بلڈنگ میں اوپر آ جاؤ میں دروازہ کھولتی ہوں۔''

وہ دو سولہ سترہ سال کے لڑکے تھے۔ حلیے سے شریف گھرانے کے لگتے تھے۔ خاموشی سے اندر چلے گئے۔

یہ سب دیکھنے کے بعد تو میرے اندر اور مزید کھلبلی مچ گئی کہ آخر ماجرہ کیا ہے۔ آج کو میری کام والی میری ٹانگوں کی مالش کرتی جا رہی تھی اور اپنے دکھڑے بھی سنا رہی تھی، یک دم چونک کے بولی۔ ''باجی جی! ایک فرشتہ صفت انسان ہے جی کیا بتاؤں جی اس نے ہمارے پڑوسی کو رکشہ لے کر دیا ہے جی۔ بڑا ہی سوہنا بندہ ہے۔ یہ اونچا لمبا تڑنگا، ہمارے علاقے میں مہینہ بھر میں خود آتا ہے یہ بڑی ساری گاڑی میں، لوگوں کے گھروں میں راشن ڈلواتا ہے پر باجی میں گھر پہ نہیں ہوتی نا، اسی لیے میرا سامنا نہیں ہوا اس سے جی، مہینہ کی پانچ تاریخ کو آتا ہے جی اب کہ میں نے بھی چھٹی کرنی ہے پانچ کو۔ میں بھی اپنے مرد کو رکشہ دلانے کی بات کروں گی اور گھر کی بھی۔ کرائے کا ٹوٹا پھوٹا گھر ہے جی، بارش ہوتی ہے تو گھٹنوں تک پانی بھر جاتا ہے، اب ضرور صاحب جی سے مل کر بات کروں گی۔'' وہ بات کرتے کرتے کھو سی گئی۔

''اچھا، چلو یہ تیل وغیرہ سمیٹ لو اور برتن دھو لو جا

کے۔'' میں نے صوفے کی پشت پر سر ٹکا لیا۔

''اور...... ہاں......'' کی آواز پر اک بار پھر میں تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کے اپنی وہیل چیئر گھماتی ٹیرس پر آ گئی اور اسی طرح سہارا لے کے جھری سے جھانکنے لگی۔ ایک انتہائی کاہل سا بیس بائیس سال کا لڑکا اور اس کے ساتھ دو سونڈ بونڈ پکی عمر کے مرد۔

کہانی کافی عجیب لگتی تھی۔ کچھ دن بعد میری کام والی بڑی خوش تھی۔

''باجی! وہ صاحب تو بہت اچھا ہے جی، میں نے بات کر لی ہے اس سے اس نے میرے گھر کا راشن بھی ڈلوایا اور میرے آدمی کو رکشہ دلائے گا۔ میں کام چھوڑ دوں گی، پر باجی تمہارا کام نہیں چھوڑوں گی، تمہاری تو مجبوری ہے نا باجی کام کرانے کی، میں جدھر جاتی ہوں نا موٹی موٹی باجیاں، جواں جواں بیٹیاں ساری کی ساریاں ٹی وی کے آگے مزے سے پھنسی رہتی ہیں جی، تھوڑا سا بھی کام ادھر ادھر ہو جائے بیٹھے بیٹھے باتیں سنانے لگتی ہیں جی، پر سب کو خود ہی کم کرنا پڑے گا۔ جب نوری نہیں آئے گی تو۔''

وہ آنکھیں بند کرکے مستقبل میں خود کو باجی ہی تصور کرنے لگی تھی شاید۔ اس کی ایسی ہی عادت تھی، بولنے پہ آتی تو بولے ہی جاتی، چپ ہونے کا نام نہ لیتی، اکثر تو میں تنگ آ کے ٹوک دیتی تو بیچاری جھینپ کے خاموش ہو جاتی اور کبھی میں اس کی خاموشی سے تنگ آ کے کہتی۔ ''نوری! کچھ تو بول۔'' وہ پلٹ کے کہتی۔ ''باجی جی! آج دل بوت اداس ہے جی جوتی سے مارا ہے میرے مرد نے، ہماری تو کوئی جندگی ہی نہیں ہے۔'' اس کی اداسی دیکھ کے میں بھی اداس ہو جاتی۔

☆......☆

میں ٹی وی زیادہ شوق سے نہیں دیکھتی تھی، لیکن کبھی کبھی جب وقت بالکل ہی گزرنے سے انکار کر دیتا تو مجبوراً کھولنا ہی پڑتا۔ اس دن بھی میں نے یونہی چینل سرچنگ کرتے ہوئے ایک جگہ روک دیا، کسی مشہور شخصیت کا انٹرویو آ رہا تھا، میں بے دلی سے سننے لگی، پھر اچانک میں نے ابراہیم علوی کا نام سنا تو میری دلچسپی خود بخود پیدا ہو گئی۔

پروگرام کا میزبان بھی ان کی شان میں آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ ان کی غریب علاقوں میں بنائی جانے والی ویڈیوز دکھائی جا رہی تھیں۔

کہیں بوڑھی عورتیں ان کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں تو کہیں یہ ننھے منے بچوں کے سامنے گھٹنے ٹیکے ان کو چیزیں دے رہے تھے، کچھ ایسا سحر تھا ان کی شخصیت میں کہ میں خود بخود ان سے متاثر ہو گئی۔

آج پھر میری کام والی وہی قصہ لے بیٹھی تھی۔

''باجی جی! وہ بہت سوہنا بندہ ہے، جی کہتا ہے کہ میں تمہارے مرد کو اور تمہیں بھی نوکری دوں گا اور گھر بھی دلا دوں گا جی۔''

وہ بولتی جا رہی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ آج بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بے لوث ہوتے ہیں۔ سامنے والے گھر کی حقیقت آخر کار میرے سامنے کھل ہی گئی۔

رات کو جب حمید صاحب گھر آئے تو بڑے اداس سے لگے، پھر خود ہی بتانے لگے کہ ''پچھلی گلی میں جو سامنے والا گھر ہے، وہاں ریڈ پڑا ہے، یہاں سے وہاں تک پولیس کھڑی ہے سنا ہے منشیات کا کام تھا۔''

اور پھر صبح ہی میری کام والی چھکوں پھکوں روتی ہوئی آئی۔

''باجی جی! اس بندے کو جی کسی نے پولیس کے حوالے کر دیا، وہ تو بڑا نیک بندہ تھا جی اب کیا ہوگا میرے آدمی کو رکشہ کیسے ملے گا جی ہائے......ہائے......'' وہ بین کر رہی تھی اور میں اسے دیکھ کے افسوس۔

اخبار والا اخبار ڈال گیا تو میں نے جلدی سے خبر

ڈھونڈھی، زیادہ ڈھونڈھنی بھی نہ پڑی پہلے ہی صفحہ پہ خبر لگی تھی۔

''مشہور این جی او کا مالک ابراہیم علوی نامعلوم کال پہ گرفتار۔''

تفصیلات کے مطابق غریب عوام کو نوکریوں اور گھروں کا جھانسا دے کے ان سے نشہ آور اشیاء کی سپلائی کراتا تھا۔ ملکی اور عالمی سطح پر اس کا یہ دھندا پچھلے کئی سالوں سے کامیابی سے چل رہا تھا۔

میرے شوہر بھی میرے ساتھ مل کے خبر پڑھنے لگے۔ ہم خود اپنے ملک کو تباہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں صرف پہلا قدم اٹھانے کی دیر ہوتی ہے۔ ہر انسان ملک کے لیے کسی نہ کسی درجہ میں کام کرسکتا ہے عورت ہو یا مرد۔

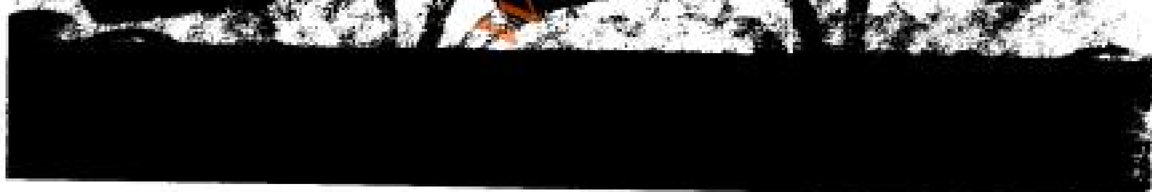
''دیکھا بیگم! لکھا ہے کہ سولہ سترہ سال کے کم عمر کے بچوں کو مفت نشہ کراتا تھا۔ غریبوں کو سہولیات دے کے اپنے جال میں پھنسا کے انہیں غیر قانونی کاموں میں استعمال کرتا تھا، اب دیکھو نا جانے کس نے اتنی محنت کر کے اس پہنچے ہوئے آدمی پہ ہاتھ ڈالا ہے، کیا کیا ثبوت اکٹھے کیے ہوں گے اور پھر سب سے بڑی کی بات کہ سامنے بھی نہیں آیا، ایسے لوگ ہوتے ہیں اصل ملک کی خدمت کرنے والے۔''

میرے شوہر اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے لیکن میں سوچ رہی تھی کہ ایک اپاہج اور معذور عورت ملک کے لیے کچھ کرسکتی ہے تو پھر کمزوری ہماری عوام میں ہے، جو چلتے پھرتے آنکھیں بند کرلیتے ہیں، بات صرف عزم اور ارادے کی ہوتی ہے۔

''ویسے آپ کو کیا لگتا ہے فون کال کس کی ہوگی؟''

قارئین کو تو شاید سمجھ آجائے کہ یہ کال کس کی ہوگی لیکن میرے شوہر کی سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ بھی اس ملک کے آنکھیں بند کیے ہوئے انسان ہیں۔

......☆......



عاصمہ عزیز

افسانہ

یہی تقدیر تھی

میں بیرسٹر زوار شاہ آفریدی، میرا شمار ملک کے مشہور وکلا میں ہوتا ہے۔ اپنی قابلیت، ذہانت اور مضبوط دلائل کے ذریعے میں نے اپنے بڑے سے بڑے حریف کو بھی عدالت میں کھڑے ہو کے شکست دی۔ آج تک جو کیس بھی میرے پاس آیا جیت اس کا مقدر بنی۔ بلاشبہ مجھے دوسروں کو قائل کرنے کا فن آتا تھا میں جو کئی عدالتوں میں



لوگوں کو جیت اور انصاف دلایا کرتا ہوں۔ اپنے گھر والوں کی قائم کردہ عدالت میں اپنے لیے جیت نہیں خرید سکا ہے نا عجیب بات؟ یہاں اس عدالت میں قسمت نے میرے تمام دلائل کو مات دے دی تھی اور میں جو اپنی ذہانت کے زعم میں مغرور بنا پھرتا تھا۔ منہ کے بل گرا تھا اور مجھے اٹھنے کا وقت ہی نہیں مل سکا۔ تلخ حقیقت آج اپنی تمام تر سچائیوں کے ساتھ میرا منہ چڑھا رہی تھی۔

☆......☆

فاطمہ شاہ میری تایا زاد کزن میری بچپن کی دوست اور میری محبت، سرخ اینٹوں سے بنی بڑی اور عالیشان حویلی میں ہماری اور تایا جان کی فیملی ساتھ ہی رہتی تھی۔ بس ذرا سے فاصلے سے ہمارے پورشن الگ تھے لیکن تینوں وقت کا کھانا ہم سب ساتھ ہی کھاتے تھے۔ بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی تک میری اور فاطمہ کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ زرینہ فاطمہ کی بڑی بہن تھی اور میری ہم عمر بھی جب کہ فاطمہ مجھ سے ایک سال چھوٹی تھی لیکن پھر بھی ہم دونوں کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی جس سے سب گھر والے آگاہ بھی تھے۔ تائی امی اکثر کہا کرتی تھیں کہ زوار فاطمہ کی سہیلی ہے اور میں ان کی اس بات پر دھیرے سے مسکرا دیا کرتا تھا کیوں کہ یہ سچ ہی تھا بچپن سے لے کر آج تک ہماری ایک دن بھی ناراضی نہیں ہوئی تھی اور اگر ہو بھی



جاتی تو ہم فوراً ایک دوسرے کو منا لیا کرتے تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ ہم جب تک پورے دن کی ایک ایک بات دوسرے کو سنا نہ لیتے ہمیں سکون نہیں ملتا تھا۔ ان دنوں میری اور فاطمہ کی صرف ایک بات پر بحث ہوا کرتی تھی اور وہ یہ تھی کہ انسان کی کامیابی اور ناکامی میں قسمت کا کیا کردار ہے؟ میں جو اپنی ہر کامیابی کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتا تھا میری اس بات پر اکثر وہ مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا کرتی تھی۔

"زوار! اگر کسی چیز کا حصول قسمت میں نہ ہو تو اس کے لیے کی گئی کوششیں بھی کامیاب نہیں ہوتیں۔"

"فاطمہ! میں تقدیر سے انکار نہیں کرتا لیکن اس طرح کی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو کوشش کرنا نہیں چاہتے یا جنہیں اپنی قابلیت اور ذہانت پر اعتبار نہیں ہوتا۔" میں ہمیشہ اس کو اس طرح کا جواب دیتا اور اس طرح ایک نئی بحث چھڑ جاتی جس کا نتیجہ ہمیشہ کی طرح صفر ہی نکلتا۔ وہ اپنی بات پر قائم اور میں اپنے نظریے پر قائم رہتا۔

☆......☆

"چلو نا زوار پلیز۔" وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ملکوں کے باغ میں جانے کی ضد کر رہی تھی اور میں کسی طور ماننے کو تیار نہیں تھا کیوں کہ بابا جان نے ہمیں وہاں جانے سے سختی سے منع کیا تھا۔ ملکوں سے ہماری دادا جان کے زمانے سے باغ والی زمین کی وجہ سے لڑائی چل رہی تھی گو کہ بابا جان نے وہ زمین دے کر ان کا مطالبہ پورا کر دیا تھا لیکن پھر بھی ملکوں کی جنگجو طبیعت کے باعث ہمیں وہ احتیاط برتنے کو کہتے تھے فاطمہ اس وقت نویں کلاس میں تھی جب کہ میں اور زرینہ فرسٹ ایئر میں تھے۔ ہم اکثر ایک دوسرے کو چیلنج دیا کرتے تھے اور اس وقت فاطمہ نے مجھے ملکوں کے باغ میں جا کے دس پکے ہوئے آم توڑنے کا چیلنج دیا تھا۔

"دیکھو تمہیں پتا ہے بابا جان نے وہاں جانے سے منع کیا ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اونہوں بہانے مت بناؤ۔ تم میرا دیا ہوا چیلنج پورا کرنا ہی نہیں چاہتے، کیوں کہ تمہیں پتا ہے کہ تم ہار جاؤ گے۔" اس نے منہ بسور کر کہا تھا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی۔ میں اور آپ کے بچوں والے چیلنج سے ہار جاؤں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" میری ازلی خود پسندی اس وقت عود کر آئی تھی اور میں نے پُر یقین لہجے میں کہا تھا۔

"ہونہہ۔" اس نے ہنکارا بھرا تھا۔ پھر پاس سے گزرتی ہوئی زرینہ کو مخاطب کر کے بولی تھی۔

"دیکھیں نا آپی یہ میرے ساتھ باغ میں نہیں چل رہا۔"

"چلے جاؤ بھئی، چچا جان کے آنے میں ابھی کافی ٹائم ہے۔" زرینہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا تھا اور پھر اس کی ضد کے آگے مجبور ہو کے ہم دونوں ملکوں کے باغ میں پہنچ گئے تھے جہاں سرسبز پودے لہلہا رہے تھے۔ مئی کی اس گرم دوپہر میں سورج مکمل طور پر اپنا فرض نبھا رہا تھا۔ میں آموں کے درخت کے پاس پہنچ کر اس پر چڑھنے لگا تو اس نے کچھ پڑھ کر میرے اوپر پھونکا تھا اور میں نے مذاق اڑانے والے انداز میں اس کے دھوپ سے تمتماتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

"تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے میں درخت پر نہیں ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنے لگا ہوں۔"

"جی نہیں میں دعا کر رہی ہوں تمہیں ایک بھی پکا ہوا آم نہ ملے۔" اس نے مجھے گھور کر کہا تھا اور پھر درخت پر چڑھ کر میں نے اسے پورے دس پکے ہوئے آم توڑ کر دیے تھے۔ جن کو دیکھ کر اس نے منہ بنا لیا تھا۔ میرے چہرے پر جیت کی سرشاری چھائی ہوئی تھی لیکن جیسے ہی میں نے حویلی میں قدم رکھا میری یہ سرشاری بھک سے اڑ گئی تھی کیوں کہ سامنے لان میں ہی بابا جان کڑے تیوروں کے ساتھ ٹہل رہے تھے ہمیں آتا دیکھ کر انہوں نے ہمیں سخت نگاہوں سے گھورا تھا اور پھر ابا جان کی عدالت میں کھڑے ہو کر ان موصوفہ نے سر جھکا کر

رونے کا اپنا پسندیدہ مشغلہ شروع کر دیا تھا جب کہ میں نے یہ کہہ کر کہ فاطمہ میرے کہنے پر ادھر گئی تھی۔" سارا الزام اپنے سر لے لیا تھا کیوں کہ مجھ سے اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہوتے تھے اور بابا جان نے یہ سن کر پورا آدھا گھنٹہ سخت باتیں سنا کر میری درگت بنا ڈالی تھی۔

☆......☆

میرا ایل ایل بی کا آخری سال تھا۔ امتحان ہونے میں صرف ایک ماہ ابھی باقی تھا کہ تایا جان کو (فاطمہ کے بابا) کو معمولی سا ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ تایا جان کا لاہور میں اپنا بزنس تھا۔ انہیں چونکہ زمینوں سے دلچسپی نہیں تھی اس لیے حویلی اور زمینوں کے تمام کام بابا جان اور لالہ ہی دیکھتے تھے۔ میں چونکہ پڑھائی کی غرض سے لاہور میں ہی مقیم تھا اس لیے تایا جان کی طبیعت خرابی کے باعث پورا ایک ماہ ان کا بزنس مجھے ہی دیکھنا پڑتا تھا، کیوں کہ فاطمہ اور زرمینہ ان کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ صبح سے شام تک آفس جانے کی وجہ سے میری پڑھائی کافی متاثر ہوئی تھی۔ آخری ہفتے میں، میں نے بمشکل اپنا کورس مکمل کیا اور امتحان کے دنوں میں دن رات ایک کر کے میں ہمیشہ کی طرح اپنی پوزیشن برقرار رکھ پایا تھا۔ یونیورسٹی میں جب میں نے نوٹس بورڈ پر رزلٹ دیکھا تو توقع کے مطابق میرا نام وہاں ٹاپ پر تھا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل سے فاطمہ کا نمبر ڈائل کیا۔ میں ہمیشہ سے اپنی خوشی سب سے پہلے فاطمہ سے شیئر کرنے کا عادی تھا۔

"السلام علیکم فاطمہ! کیا تم یقین کرو گی۔ میں نے اس بار بھی ٹاپ کیا۔" میں نے حال احوال پوچھنے کا تکلف کیے بنا پر جوش آواز میں کہا تھا۔

"زوار کے بچے! میرے کانوں پر رحم کھاؤ۔" جوش میں شاید زیادہ ہی بلند آواز میں بول گیا تھا۔ اس کی بات سن کر میں دھیرے سے ہنس دیا۔

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں، اللہ کرے تمہاری قسمت میں اس طرح کی ہزاروں کامیابیاں لکھی ہوں۔" اس نے ہمیشہ کی طرح مجھے مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ دعا بھی دی تھی۔ جواب میں، میں نے اسے چڑانے کی غرض سے کہا۔

"شکریہ دادی اماں۔ اب تو آپ کو میری ذہانت اور قابلیت کی داد دینی چاہیے کیوں کہ آپ جانتی ہیں اس بار پورا ایک ماہ میں نے یونیورسٹی سے آف لیا تھا۔

"ہوں...... تم بلاشبہ بہت ذہین ہو۔ مجھے تمہاری قابلیت پر کوئی شبہ نہیں، اس ذہانت میں بھی تو انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ یہ بھی اللہ کی بہت سی نعمتوں کی طرح ایک نعمت ہے اور میں پھر وہی بات کروں گی کہ تقدیر اور کوشش دونوں ساتھ ساتھ ہوں گی تو کامیابی نصیب ہوگی۔" اس نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہا تھا۔

"فاطمہ کی بچی! تمہیں پتا ہے تم میری کامیابی سے جلتی ہو۔" میں نے جل کر کہا تھا۔ مطلب وہ میری کسی بھی کامیابی کا کریڈٹ میری کوشش اور ذہانت کو دینے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"اصل میں، میں نہیں چاہتی کہ تمہارا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ جائے اگر ایسا ہوا تو زمین پر دماغ کے بغیر تم بالکل اچھے نہیں لگو گے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور میں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے فون کانوں سے ہٹا کر دیکھا اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ڈین سے ملنے کے لیے اپنے قدم آفس کی طرف بڑھا دیے تھے۔

اور پھر عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی حاصل ہونے والی پے در پے کامیابیوں نے میرا دماغ واقعی ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا لوگوں سے تعریفوں اور ستائش کو میں اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا تھا اور میں اپنی ذہانت کے زعم میں اس قدر مغرور ہو گیا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا

کہ جس دن میرا یہ غرور ٹوٹے گا تو میرے وجود کو بھی توڑ پھوڑ کے رکھ دے گا۔

☆......☆

آج سے ایک ہفتہ پہلے میں اپنے آفس میں بیٹھا بہت اہم کیس اسٹڈی کر رہا تھا کہ ٹیبل پر فائلز کے ساتھ پڑا میرا موبائل بج اٹھا تھا۔ میں نے فائل سے نظریں ہٹا کر موبائل کو دیکھا تو اسکرین پر حویلی کا نمبر جگمگا رہا تھا میں نے فائل بند کر کے موبائل کان سے لگایا تو دوسری طرف تایا جان کی آواز سنائی دی۔

"آج شام حویلی پہنچ جانا، تمہارے لیے ایک خوش خبری منتظر ہے۔"

"کیسی خوش خبری تایا جان؟" میں نے ابرو اچکاتے ہوئے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

"بس فاطمہ سے متعلق خوش خبری ہے۔ باقی باتیں آؤ گے حویلی تو بتائیں گے۔"

"او کے، پھر شام کو بات ہوگی، اللہ نگہبان۔" میں نے پرسوچ انداز میں یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ میں حیرت زدہ تھا کہ فاطمہ سے متعلق ایسی کون سی خوش خبری ہے جس کا اس نے مجھے بتایا تک نہیں جب کہ وہ ہر بات مجھ سے شیئر کیا کرتی تھی۔ میں نے انہی سوچوں میں گم آفس میں پڑی اپنی چیزیں سمیٹیں اور اپنے منیجر کو کیس اسٹڈی کرنے کا کہہ کر آفس سے نکل آیا اور اپنی گاڑی کا رخ حویلی کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت دن کے تین بجے تھے اور حویلی پہنچنے میں دو گھنٹے لگتے تھے۔ میں تجسس کے مارے جلد از جلد وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اللہ اللہ کر کے دو گھنٹے گزرے تھے اور میں نے حویلی کے گیٹ کے سامنے اپنی گاڑی روکی تھی۔ چوکیدار نے مجھے سلام کرتے ہوئے گیٹ وا کر دیا تھا جب کہ میں ہمیشہ کے برعکس اسے ٹھیک سے جواب دیے بنا زن سے گاڑی اندر لے گیا تھا۔ اس وقت میرا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا میں نے حویلی کے پورٹیکو میں اپنی جیپ روکی اور اتر کر طویل راہداری جس کے اردگرد پھول اور پودے تھے اس کو عبور کر کے لان میں آ گیا۔ جہاں سرسبز گھاس سے ڈھکے فرش پر درخت کے نیچے وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی چونکہ اس کی میری طرف پشت تھی اس لیے وہ مجھے نہیں دیکھ سکی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں کھڑے ہو کر جائزہ لینے کے بعد میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سامنے پہنچا تو اس نے مجھے دیکھ کر جلدی سے اپنی آنسوؤں بھری آنکھیں صاف کیں تھیں جب کہ مجھے اس کی سرخ متورم روئی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر ہی شاک پہنچا تھا۔ اضطراب کی ایک تیز لہر میرے اندر دوڑی تھی شاید وہ میری کیفیت سے باخبر ہو گئی تھی تب ہی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر مجھ سے میرا حال پوچھا تھا۔ مجھے اس کی مسکرانے کی یہ اداکاری دیکھ کے سخت طیش آیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے نروٹھے پن سے جواب دیا تھا۔

"لیکن تمہیں کیا ہوا ہے تم کیوں ادھر بیٹھ کے رونے کا شغل فرما رہی ہو۔" میں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"کے...... کچھ نہیں میں رو تو نہیں رہی۔" اس نے بوکھلا کر جواب دیا تھا۔

"یہ جھوٹی تسلیاں تم اسے دینا جو تمہیں جانتا نہ ہو۔ بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔"

"بابا جان نے میری شادی طے کر دی۔" ایک ہفتے بعد میری شاہ زیب سے شادی ہے۔" اس نے اپنے ماموں زاد کزن کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"واٹ؟" میں غصے سے چیخ پڑا تھا۔ کیوں کہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی پھر میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ حالانکہ میں جانتا بھی تھا۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے، ہمیں کسی لفظی اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔

"تم جانتے ہو میں کیا چاہتی تھی۔" اس نے نظریں جھکا کے جواب دیا تھا۔ شاید نہیں یقیناً وہ بھی جانتی تھی کہ میں کیا چاہتا تھا لیکن انسان کے چاہنے اور نہ چاہنے سے

کیا فرق پڑتا ہے۔ ہوتا تو وہی ہے جو انسان کی تقدیر چاہتی ہے لیکن اس وقت میں یہ بات نہیں جانتا تھا میں مطمئن تھا کیوں کہ مجھے اپنی قائل کرنے کی صلاحیت پر اعتماد تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں ہمیشہ کی طرح گھر والوں کو اپنے دلائل سے قائل کر لوں گا۔ اس لیے میں اسے تسلی دیتے ہوئے وہاں سے اٹھ آیا تھا اور اپنے قدم بابا اور تایا جان سے بات کرنے کے لیے مردان خانے کی طرف بڑھا دیے تھے۔ جہاں بابا جان اور لالہ کے سامنے والے صوفے پر تایا جان ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے شاید دروازے پر کھڑا دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ صوفے سے اٹھ کر پر جوش انداز میں مجھے گلے لگا کے ملے تھے۔ شاید وہ بہت خوش تھے۔ جواب میں، میں انہیں وہ گرم جوشی نہیں دکھا سکا تھا۔ کیوں کہ بے شک مجھے اپنے اوپر اعتماد تھا لیکن تھوڑی بہت پریشانی فطری بات تھی۔ میرے بیٹھنے پر انہوں نے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ خوش خبری سنا دی تھی جس کے لیے انہوں نے مجھے بلایا تھا ان کی بات سن کے میں نے حیرت کا تاثر دیتے ہوئے ان تینوں کے مسکراتے ہوئے چہروں کو دیکھا تھا۔

"آ..... آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ اتنا اچانک یہ سب......" میں نے بمشکل اپنے لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا تھا لیکن پھر بھی میری آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

جب کہ تایا جانی میرے اضطرابی انداز سے متاثر ہوئے بنا سکون سے بولے تھے۔ یہی حال بابا جان کے تاثرات کا بھی تھا جب کہ شہروز لالہ نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ شاید انہیں میرے جذبات کا اندازہ ہو گیا تھا۔

"یہ تو طے شدہ بات تھی۔ اچانک تو کچھ بھی نہیں ہوا تم لوگوں کے بچپن سے ہی بابا جان (زوار اور فاطمہ کے دادا) نے شاہ زیب اور فاطمہ اور تمہاری اور زرمینہ کی بات طے کر دی تھی۔ وقت سے پہلے تم لوگوں کو بتانا ہم نے ضروری نہیں سمجھا۔"

"میری اور زرمینہ کی بات۔" ایک اور انکشاف میرے اوپر ہوا تھا۔

پھر اس کے بعد پورا ایک گھنٹہ میں نے اپنے دلائل کے ذریعے انہیں اس فیصلے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ انہیں اس رشتے کے اپنے خود ساختہ بنائے ہوئے مضر اثرات سے آگاہ کیا تھا لیکن میری تمام کوششیں بے کار گئی تھیں۔ میں جو اپنی ضدی طبیعت اور دلائل کے ذریعے ہر ایک کو قائل کر لیا کرتا تھا میرے لیے یہ بات ہضم کرنا بہت مشکل تھا۔ بابا اور تایا جان کی ایک ہی رٹ تھی۔

"یہ فیصلہ ہمارے بڑوں نے کیا ہے تو اس سے انحراف کرنا ہماری روایات کے خلاف ہے۔" اور یہ بات میں جانتا تھا کہ ہمارے خاندان میں روایات پہ عمل نہ کرنا بہت بڑا جرم تھا اور یہاں ویسے بھی ایک دفعہ زبان دے دی جاتی تو پھر اس سے کوئی نہیں پھر سکتا تھا گویا ایک دفعہ کی کہی ہوئی بات پتھر پر لکیر ہو۔ لالہ جان نے بمشکل مجھے مزید بحث کرنے سے روکا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے اس بحث کا نتیجہ کچھ نہیں نکلنا۔ میں پھر کسی وقت اپنی کوشش آزمانے کا ارادہ کر کے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ لیکن مجھے پھر کوئی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کیوں کہ فاطمہ نے مجھے اپنی قسم دے کر بے بس کر دیا تھا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ میں نے ضد میں آ کے کوئی قدم اٹھایا تو خاندان میں دشمنیاں جنم لیں گی اور ویسے بھی وہ ہمیشہ سے تقدیر پر شاکر رہی تھی۔ میں نے جو ہمیشہ سے کہا تھا کہ انسان اپنی محنت اور ذہانت سے اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ آج قسمت کے اس فیصلے کے آگے بے بس تھا۔ میری کوئی کوشش رنگ نہیں لائی تھی۔ ہوا وہی تھا جو اللہ نے میری اور فاطمہ کی تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ فاطمہ کی مہندی کی رات جب سب سو چکے تھے تو میں لان کی سیڑھیوں پر بیٹھا اپنی اس ہار کو قبول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ باہر لان میں چاند کی روشنی ہی اس گھپ اندھیرے کو ختم کرنے

میں مدد دے رہی تھی لیکن میرے اندر جو اندھیرا سرائیت کر رہا تھا اس کو یہ چاند کی روشنی بھی ختم نہیں کر سکتی تھی۔ دسمبر کی سرد رات ہونے کے باوجود مجھے سردی کا آج احساس تک نہیں تھا۔ میرے اندر کانٹے اُگ رہے تھے۔ میں سر جھکائے بیٹھا اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر غور کر رہا تھا کہ مجھے فاطمہ کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے سر اٹھا کر اپنے دائیں سمیت دیکھا تو وہ ذرا سے فاصلے پر اپنے اسی مہندی والے لباس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آج پھر اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں شاید وہ روتی رہی تھی میں نے لب بھینچ کے دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد میں نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"تم...... تم خوش ہو؟" مجھے خود ہی اپنا سوال بے تکا لگا تھا۔ اس کی روتی ہوئی آنکھیں سب کہانی سنا رہی تھیں۔

"ہوں...... میں مطمئن ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

"وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔" میں نے پھر لب کھولے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مجھے اپنے علاوہ فاطمہ کے لیے کوئی قابل نہیں لگتا تھا۔ ورنہ شاہ زیب میں کوئی کمی اور برائی نہیں تھی۔ شاید میں حد درجہ خود پسند ہو گیا تھا اور شاید اللہ کو میری یہی خود پسندی بری لگی تھی۔

"ہمیں تخلیق کرنے والا رب ہم سے بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں اندازے لگانے والے۔ زوار مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ تم نے اس رشتے کو روکنے کی بہت کوشش کی پھر بھی کوئی نہیں مانا، کیوں کہ ہمیں وہی ملنا تھا جو ہماری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔ تم کبھی بھی تقدیر کے لکھے پر شاکی نہ ہونا کیوں کہ جو اللہ کی رضا پر راضی نہیں ہوتا اسے زندگی میں سکون نہیں مل سکتا اور میں تمہیں پر سکون اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں نے دھیرے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا اور خود پر ضبط کرتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ آیا تھا اور اسی رات مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی میں کس حد تک خود مختار ہے۔ میں جو ہمیشہ اپنی کامیابیوں کا ذمہ دار اپنی محنت کو ہی ٹھہراتا تھا اس رات مجھے مشہور مصنفہ بانو قدسیہ کی بات شدت سے یاد آئی تھی کہ انسان کی خود مختاری اور قسمت زوج ہیں۔ ساتھ ساتھ ریل کی پٹڑی کی طرح چلتی ہیں۔ جہاں دونوں کا میل ہوتا ہے۔ وہاں کرنٹ پیدا ہوتے ہیں۔ ترقی کا جھومر...... بربادی کا گھپ اندھیرا سب ان دونوں کے ملاپ سے ہے۔

میری ساری خود پسندی اور غرور اس دن پاش پاش ہو گیا تھا اور آج صبح حویلی کے لان کو روشنیوں اور قمقموں سے اس کی بارات کے لیے سجایا گیا تھا۔ ڈیپ ریڈ کلر کے شرارے میں مخصوص انداز میں جب اس کو اسٹیج پر بٹھایا گیا تو میں باقی انتظامات دیکھ رہا تھا وہیں چلا آیا۔ شادی کا تحفہ دیتے ہوئے میرے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔ رہی سہی کسر اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرنے والے آنسوؤں نے پوری کر دی تھی میں جلدی سے خود پر ضبط کرتا اسٹیج پر سے اترا اور پورٹیکو میں آ کے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر اسٹیئرنگ سے سر ٹکا کے لمبے لمبے سانس لے کر خود پر قابو کرنے کے بعد میں نے گاڑی کا رخ لاہور کی طرف موڑ دیا تھا اور اب یہاں تھا اپنے لاہور کے فلیٹ میں۔ شام کو میں نے واپس حویلی پہنچنا تھا کیوں کہ کل میرا اور زرینہ کا نکاح تھا اور میں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی سزا کسی اور کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ ابھی ظہر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے اس لیے میں جلدی سے نماز ادا کرنے جا رہا ہوں کیوں کہ میں نے اپنے فخر و خود پسندی پہ اللہ سے توبہ بھی کرنی ہے اور اللہ سے فاطمہ اور زرینہ کی خوشیوں اور اپنے لیے استقامت کی دعا بھی مانگنی ہے کہ مستقبل میں مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہ ہو جو کسی دوسرے کے لیے تکلیف اور میرے لیے پچھتاوے کا باعث بنے۔

......☆......


DEEP CLEANING & EXTRA WHITENING FORMULA
SodaWhite
BAKING SODA TOOTHPASTE
TARTAR CONTROL With Fluoride Fights Plaque Fresh Mint Taste
Quality BRUSH Pack

اقراء سیف

مکمل ناول

محبت زاد راہ بنی

دسمبر کے یخ بستہ دن رات اپنے اندر گہری خاموشی اور دکھ سموئے ہوئے تھے۔ لمبی سرد راتیں اپنے اندر گہرے راز دفن کیے ہوئے تھیں۔ اس دسمبر کی یخ بستگی سے بہت سے لوگوں کے دکھ سکھ جڑے تھے۔ سال بھر کے



مہینوں میں یہ مہینہ سب سے زیادہ اور سوگوار سا تھا۔

پارس کافی کا کپ تھامے ٹیرس پر کھڑی اس وقت اسی اداسی اور سوگواریت کی تفسیر بنی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ اونی کپڑوں میں ملبوس گرم شال اوڑھے اس سردی سے خود کو بچائے ہوئے تھی لیکن سردی تو ہڈیوں میں گھسے چلی جارہی تھی۔ اس کی ناک ٹھنڈ سے سرخ ہوئی جارہی تھی۔

ایک سرد ہوا کے جھونکے نے جونہی اسے چھوا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ سردی کی بڑھتی شدت دیکھ کر وہ ٹیرس سے روم میں چلی آئی۔ جہاں جلتے ہیٹر نے ماحول کو کافی گرم کیا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی سردی منٹوں میں غائب ہوگئی۔

چند لمحے یونہی سرکے۔ اس نے بوریت سے بچنے کے لیے ریموٹ اٹھالیا اور چینل سرچ کرنے لگی وہ جو سرسری سا ایک چینل کو دیکھ کر آگے بڑھا دیتی ایک نیوز چینل پر چلتی خبر نے ایک دم اس کے پیروں تلے کی زمین کھینچ لی تھی۔ کافی کا مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ کچھ گرم کافی چھلک کر اس کے ہاتھ پر بھی گر گئی مگر اسے



درد کا احساس ہی کہاں تھا۔ وہ تو بس غائب دماغی سے ٹی وی کو گھورے جا رہی تھی۔ آنکھوں میں اکٹھی ہوتی نمی کو اس نے ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ آنسوؤں کی وجہ سے دھندلا جانے والا منظر پھر سے صاف ہو گیا۔ بار بار ایک ہی خبر کو ہائی لائٹ کیا جا رہا تھا، ایک ہی منظر کو بار بار دکھایا جا رہا تھا۔ جہاں ہر طرف خون ہی خون تھا۔ لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ روتے بلکتے ماں باپ...... چیخ و پکار...... ایک قیامت تھی جو ٹوٹ پڑی تھی۔ ٹی وی کو دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ اس کے دل نے درد کی شدت میں ڈوبتے ہوئے صرف ایک نام پکارا تھا۔

''بلاج''۔

☆......☆

''بلاج...... بلاج کدھر ہو؟'' پارس تیزی سے اترتی ہوئی بلاج کو آوازیں دے رہی تھی اور اس کے بالوں کی اونچی پونی ٹیل اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا پارس؟'' رخشندہ پھپھو نے میگزین ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی لاڈلی بھتیجی کو دیکھا۔

''دیکھیں رخشی پھپھو! بلاج نے میری ساری ڈرائنگ بک خراب کر دی۔'' پارس نے اپنی ڈرائنگ بک انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔ جہاں پر تین چار کارٹون بنائے ہوئے تھے اور نیچے لکھا ہوا تھا۔

''یہ میں ہوں پارس۔'' بھولپن کے زمانے کا بھولا سا مذاق۔ رخشندہ بیگم پڑھ کر دیر تک ہنستی رہیں۔ انہیں ہنستا دیکھ کر پارس کو بلاج پر اور بھی غصہ آیا اور وہ فوراً بلاج کے کمرے کی طرف لپکی جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی پورا کمرہ اندر سے خالی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کہاں ہوگا۔ وہ گھر کے پیچھے بنے سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھی اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ پارو جان کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

''بلاج!'' وہ ایک دم چیخی۔

''پارو! مجھے اس خونی بلی سے بچالیں یہ مجھے اپنا پہلا اور آخری شکار سمجھ کر کھا جائے گی۔'' بلاج ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پارو جان کے پیچھے چھپا۔

''پارو! آپ سائیڈ پر ہو جائیں آج یہ نہیں بچے گا۔''

پارس خونخوار تیور لیے ہوئے آگے بڑھی۔ بلاج پارو کی سائیڈ سے نکلتا ہوا باہر کی طرف بھاگا۔ پارس بھی اس کے پیچھے گئی۔ لان میں بلاج آگے آگے اور پارس اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ کب بچپن سے جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھ چکے تھے کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ وقت اتنا آگے نکل گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب اگرچہ تھوڑا بہت بدلے تھے مگر پارس اور بلاج پر وقت اپنی ایک رمق بھی نہ دکھا سکا تھا۔ وہ آج بھی ایسے ہی نٹ کھٹ تھے۔ ان کی شرارتیں بھی ویسی ہی تھیں بلکہ گھر کی رونقیں انہی کے دم سے تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے لڑتے جیسے امریکہ اور پاکستان کی لڑائی ہو۔ کچھ ہی دیر میں دوستی اتنی گہری ہوتی جیسے پاک چین دوستی کا معاہدہ ابھی ابھی طے ہوا ہو۔ وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے سب کو لگتا کہ اگر ان کو الگ کر دیا جائے گا تو یہ نہیں رہ سکیں گے۔ ویسے بھی کچے ذہنوں پر کی باتوں وعدوں اور ذہن پر ابھرنے والی تصویروں کے رنگ بہت پکے ہوتے ہیں۔ جنہیں نہ تو وقت اور نہ ہی کوئی بدلتا موسم پھیکا کر سکتا ہے۔

☆......☆

کالج گیٹ سے نکلتے ہوئے پارس کی بے قرار نظریں جونہی بلاج پر پڑیں تو گویا آنکھوں میں راحت سی

اترنے لگی۔ بلاج بھی اسے دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ جیسے ہی اس کے پاس پہنچی وہ اسے رکنے کا اشارہ کر کے پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کالج ڈرائیور کے ساتھ آئی مگر اسے لینے کے لیے ہمیشہ بلاج ہی آتا تھا اور جس دن وہ نہ آتا اس دن گھر کا راستہ بہت لمبا لگتا لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ بلاج اس کے لیے اپنے مشکل سے مشکل ٹائم میں سے بھی وقت نکال لیتا۔ بلاج کی یہی توجہ پیار پارس کو مغرور بنا دیتا تھا۔ اسے اپنے حسن اور خوبصورتی یا اسٹیٹس پر کبھی غرور نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت پرخلوص سی لڑکی تھی۔ بے ریا محبتیں کرنے والی اگر غرور تھا تو پارس ضوبیان کو صرف بلاج ضیاء کی محبت پر تھا اس کی چاہت پر تھا اس کی توجہ اور کیئر پر تھا۔

"اے ہیلو میڈم! بلاج ضیاء کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اپنے خیالوں میں صرف اسے ہی سوچ رہی ہیں۔" بلاج نے اس کے قریب آکر چٹکی بجاتے ہوئے کسی مشہور اسنگر کے لہجے میں اور وہ جو اسے خیالوں میں سوچتے ہوئے مسکرا رہی تھی ایک دم خجل ہو گئی۔

"کتنا چہرہ شناس ہے یہ شخص فوراً چہرے پڑھ لیتا ہے۔" پارس اس کی لو دیتی آنکھوں سے نظریں چرا گئی۔

"یار! بیٹھ جاؤ میں نے واپس بھی جانا ہے۔ فائلز کا ایک ڈھیر میری ٹیبل پر پڑا ہے جو صرف اور صرف میری ایک نظر توجہ کی طالب ہیں۔" بلاج نے اسے بائیک پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"واٹ میں بائیک پر تمہارے ساتھ نہیں بیٹھوں گی۔" پارس بائیک کو دیکھتے ہی دو قدم پیچھے ہٹی۔

"یار قسم سے نہیں گراتا پلیز بیٹھ جاؤ۔" اسے پتہ تھا وہ بچپن میں لگی چوٹ نہیں بھولی تھی اس کے ہاتھ پر اب بھی زخم کا نشان تھا۔

"نہ....... نہ......نہیں میں کیب لے کر گھر چلی جاؤں گی۔" وہ آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ نظریں ابھی بھی دودھیا ہاتھ پر تھیں۔ جہاں ابھی بھی ٹانکوں کے نشان تھے۔

ناسمجھی میں جب بلاج نے سائیکل لی تھی تو ایک دن اسے آفر کی تھی تمہیں سائیکل چلانا سکھاؤں۔

بلاج کچھ کہے اور پارس نہ مانے ایسا تو شاید دنیا کی کسی کتاب میں نہیں لکھا تھا۔ وہ فوراً تیار ہو گئی۔ پارک کی ڈھلوانی سطح پر سائیکل چلاتے ہوئے اچانک بلاج کو شرارت سوجھی اس نے سائیکل کے ہینڈل چھوڑ دیے اور ڈری سہمی سی پارس سائیکل پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور ڈھلوان پر پھسلتی ہی چلی گئی اور روش کے ساتھ پڑے پتھروں پر گر گئی۔ جہاں دوسری خراشیں آئیں اس کے ہاتھ کی اسکن پھٹ گئی۔ ہاتھ سے خون کا فوارہ سا ابل پڑا۔ بلاج کی ہنسی کو بریک لگ چکی تھی۔

"پری کیا ہوا؟" وہ فوراً پارس کی طرف بھاگا۔ پارس جو نیم بے ہوش سی ہو رہی تھی۔ صرف اس کے لب ہی دیکھ سکی بلاج نے اپنی پاکٹ سے رومال نکال کر اس کے ہاتھ پر باندھا مگر خون رک ہی نہیں رہا تھا۔

فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ تو شین مامی رو دینے کو تھیں اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس حالت میں دیکھ کر۔

"ڈاکٹر صاحب کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔" امداد بھیا فکرمندی سے ڈاکٹر سے زخم کی نوعیت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ پل ہی میں سارا خاندان اس کے گرد جمع ہو گیا تھا وہ تھی ہی گھر بھر کی لاڈلی۔

"نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں زخم چونکہ ذرا گہرا تھا اس لیے میں نے اسٹیچز لگا دیے ہیں اور ساتھ میں سکون آور انجکشن بھی یہ صرف ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہوئی ہے جب اٹھے تو یہ میڈیسن گرم دودھ کے ساتھ دے دیں۔" ڈاکٹر نیازی نے امداد کو نسخہ پکڑاتے ہوئے تسلی دی۔

"بلاج! جاؤ میڈیکل سے یہ میڈیسن لے کر آؤ۔" وہ فوراً میڈیکل اسٹور گیا دوائیاں اور ساتھ فریش جوسز

پیک ڈھیر ساری چاکلیٹ اور کینڈیز بھی لے لیں پری کے لیے۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا اس کے روم کی طرف بڑھا۔ پارس نے بلاج کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

''پری!'' بلاج نے تڑپ کر پکارا مگر پارس نے رُخ پھیرے رکھا۔

''نہیں دیکھنا مجھے تمہاری طرف تم بہت گندے بچے ہو دیکھو میرا ہاتھ میں اسکول کا کام کیسے کروں گی اور تو اور کھانا کیسے کھاؤں گی۔'' وہ ساری ناراضی بھلائے اس سے شکوہ کررہی تھی۔

''تمہارے ہاتھ میرے ہاتھ اور میرے تمہارے۔ اس لیے تمہارا اسکول کا کام اپنے ہاتھوں سے کروں گا اور کھانا بھی میں ہی کھلاؤں گا۔'' وہ اس کی اتنی سی توجہ پر نازاں ہوگئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں بلاج اسے چاکلیٹ کھلا رہا تھا جو اس بات کی علامت تھی کہ اب ہم دوست ہیں۔ جب پارو جان اسے کھانا کھلاتیں تو بلاج ان کے ہاتھ سے کھانے کی ٹرے لے لیتا اور کہتا۔

''اس کے ہاتھ پر چوٹ میں نے لگائی ہے اس لیے اس کے سارے کام بھی میں خود ہی کروں گا۔'' ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے سارے اہل خانہ اس کی بات پر مسکرا دیتے اور پارس بھی بلاج سے خوب نخرے اٹھواتی۔

خیالات کی جھیل میں بلاج کی بائیک کے ہارن نے کنکر پھینکا اور وہ حال میں لوٹی۔

''یار! بیٹھ جاؤ کب سے منتیں کررہا ہوں میری گاڑی سروس کے لیے گئی تھی۔ ماموں جان سائیڈ پر گئے ہیں اور انداذ بھیا کی گاڑی چلانا میرے بس کی بات نہیں اور یہ بائیک دوست سے لے کر آیا ہوں۔ میری گاڑی آجائے گی شام تک پھر بھی بائیک نہیں لاؤں گا۔'' بلاج نے ساری بات اس کے گوش گزار کی۔

''اوکے ٹھیک ہے۔'' وہ مان گئی۔

''بائیک آہستہ چلانا مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے ساتھ ہی ہدایت دی۔

''بے وقوف لڑکی! جب لڑکا اور لڑکی بائیک پر ہوں تو بائیک ہواؤں سے باتیں کرتی اچھی لگتی ہے۔'' بلاج شوخ ہوا۔

''ٹھیک ہے پھر میں نہیں جارہی۔'' وہ فوراً بائیک سے اتری۔

''توبہ ہے بڑی ہی ان رومینٹک لڑکی ہو تم بیٹھ جاؤ میں چاند گاڑی کی اسپیڈ سے چلاؤں گا۔'' بلاج نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔ بلاج کی بے چارگی کی تصویر بنی ہوئی صورت دیکھ کر پارس کی ہنسی نکل گئی۔

''ہنس لو ہنس لو ایک دن تم میرے لیے روؤ گی۔''

''تم مجھے رلا نہیں سکتے۔'' پارس کے لہجے میں یقین تھا۔

''اچھا اتنا یقین ہے مجھ پر؟'' بلاج نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

''تم پر بھی اور اپنی محبت پر بھی۔'' پارس اترائی اور بلاج کی آنکھوں میں جگنوؤں کی سی چمک پیدا ہوگئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک ہی پارس کو نظریں جھکانے پر مجبور کرتی تھی۔

☆......☆

روحان آفندی اور عریشہ آفندی کی دو ہی اولادیں تھیں۔ رخشندہ آفندی اور ضوبیان آفندی۔ دونوں بچوں کی ہی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے بعد انہوں نے ان کی شادیوں کی تیاریاں شروع کردیں۔ رخشندہ کی شادی ضیاء الرحمن سے ہوئی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں خوش وخرم تھیں۔ ان کے ہسبینڈ پائلٹ تھے اور ایک جہاز کریش میں عدم دائی سدھار گئے تھے مگر جاتے جاتے انہیں زندگی جینے کے دو جواز دے گئے تھے۔ انداذ ضیا اور بلاج ضیا۔

رخشندہ آفندی ٹوٹ گئیں تھیں۔ انہیں ضیاالرحمن کے گھر میں ڈر لگنے لگا تھا۔ پہلے وہ گھر جوان کی یادوں کا مسکن تھا۔ جہاں انہوں نے ضیاالرحمن کی ہمراہی میں بہت سے خوبصورت لمحات گزارے تھے مگر جب ان کی ڈیڈ باڈی کو اس گھر میں لایا گیا تو وہی گھر انہیں اپنی ویرانی کی آماجگاہ لگنے لگا لیکن اب انہیں اس حقیقت کو ماننا ہی پڑا کہ اب ضیاالرحمن اس دنیا میں نہیں ہیں۔ روحان آفندی اور عریشہ آفندی اس مرجھائے ہوئے پھول کو اپنے گلشن میں واپس لے آئے کہ شاید ان کی محبت اور توجہ اسے زندگی کی طرف لوٹا دے۔ اس مرجھائے ہوئے پھول پر بھی تازگی آ جائے۔ زندگی گزارنے کے رنگ ان کے چہرے پر بھی نظر آنے لگیں۔ نوشین نے بھابھی بن کر نہیں بلکہ بہن بن کر انہیں سمیٹا تھا۔ انداز اور بلاج کا خیال پارس سے بڑھ کر رکھا تھا۔ ضوبیان آفندی اپنی نصف بہتر کے مشکور تھے۔ انہوں نے رشتوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھا۔ بالآخر سب کی محبتوں اور توجہ سے رخشندہ بیگم پھر سے کافی حد تک نارمل زندگی گزارنے لگیں۔ کچھ عرصے بعد روحان آفندی نے جب انہیں دوسری شادی کے لیے قائل کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ضیاالرحمن کی یادیں باقی زندگی گزارنے کے لیے کافی تھیں۔

ویسے بھی اس کم ظرف دنیا میں کسی کا ظرف اتنا نہیں تھا کہ وہ اسے دو بچوں سمیت قبول کرتا اگر کوئی ان کی دولت کی وجہ سے حامی بھر لیتا تو یہ سب رخشندہ کو گوارا نہیں تھا اور یہی فیصلہ ان کے بچوں کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح ماں کی ممتا تو مل جاتی ورنہ وہ باپ کی شفقت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت کو بھی ترس جاتے۔ انداز شروع ہی سے بہت چپ چپ اور سنجیدہ رہتا تھا۔ شوخی اور شرارت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ وہ بس اپنے کام سے کام رکھتا۔ جبکہ بلاج اور پارس تو بنے ہی شرارتی مٹی سے تھے۔ انہیں کسی پل چین نہیں تھا۔ سارے گھر کو وہ دونوں سر پر اٹھائے رکھتے۔ ان کا مقولہ تھا کہ زندگی صرف جینے کا نام ہے۔ دکھ تو صرف بندے کی آزمائش دیکھنے آتے ہیں کہ یہ بندہ غم میں بھی مسکرانے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس مقولے پر وہ دونوں عمل بھی کرتے اور دوسروں سے بھی کرواتے کیونکہ زندگی بہت خوبصورت ہے۔

☆......☆

''نانا جان! آپ مصروف تو نہیں۔'' انداز نے اندر جھانک کر روحان آفندی سے پوچھا جو کہ عینک لگائے راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔

''آ جاؤ بیٹا۔'' انہوں نے کتاب بند کی اور عینک اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

''نانا جان مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' انداز کا لہجہ تمہید باندھنے والا تھا۔ اسے جب بھی کوئی بات کرنی ہوتی یا منوانی ہوتی وہ ہونٹ کاٹنے لگتا اب بھی یہی مشغلہ جاری تھا۔

روحان آفندی سمجھ گئے کہ اس کو کوئی ضروری بات کرنی ہے اس لیے وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

''نانا جان! میں ہائر اسٹڈیز کے لیے برطانیہ جانا چاہتا ہوں۔ برٹش یونیورسٹی کی طرف سے مجھے کالنگ لیٹر آ چکا ہے میرا وہاں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔'' انداز نے بالآخر اصل بات بتائی۔

''انداز! بیٹا آپ جانتے ہو آپ کی ماما آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہیں۔ وہ آپ دونوں کو دیکھ کر تو جیتی ہیں۔ وہ تو دوسرے ملک دور کی بات وہ آپ کو دوسرے شہر نہ جانے دیں۔ پھر آپ نے یہ سب کچھ کیسے سوچا۔'' روحان آفندی ابھی تک بے یقین تھے کہ آخر اتنا بڑا فیصلہ کیونکر اکیلے کر لیا۔

''آئی نو نانا جان! میں آپ کے لیے اور ماما کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ برطانیہ جانے کی

بڑی وجہ پاپا ہیں وہ بھی تو اس یونیورسٹی میں پڑھے تھے۔ ماما کے سامنے ہم نے کبھی ان کا نام نہیں لیا صرف اس لیے کہ کہیں ماما دکھی نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ پاپا کی برسی پر ہی دو دو دن کمرہ بند کیے رکھتی ہیں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہمیں پاپا یاد نہیں آتے۔ آپ نے اور ماموں جان نے بہت کچھ ہمارے لیے کیا ہے لیکن پاپا کی کمی تو کبھی نہ کبھی تو محسوس ہوتی ہے۔ میں برٹش یونیورسٹی میں صرف اس لیے جانا چاہتا ہوں کیونکہ وہ اس یونیورسٹی کے ہونہار طالب علم رہ چکے ہیں۔ میں پاپا کو اس یونیورسٹی میں محسوس کرنا چاہتا ہوں اس نام کی محبت اپنے ہاتھوں کی پوروں پر محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں پاپا بیٹھے ہوں۔ کبھی بینچ پر کبھی گراؤنڈ میں بیٹھ کر نوٹس بناتے ہوں گے۔ میں ان سب جگہوں کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ آئی ریکوسٹ یو، نانا آپ ماما کو کسی طرح بھی منا لیں پلیز۔" انداز کے لہجے میں نمی کا عنصر نمایاں تھا۔ جسے چھپانے کے لیے اس نے نظریں جھکائے رکھیں۔

روحان آفندی اس خاموش انداز کو تکے جا رہے تھے جو بظاہر چپ اور لاپرواہ رہنے والا اندر سے کتنا گہرا اور کسی حد تک باپ کی محبت کی محرومی کا شکار تھا جو باپ کو یاد کر کے شاید رو دیا تھا لیکن وہ کمال مہارت سے اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپا گیا تھا۔ روحان آفندی سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے انداز نے پہلی بار کچھ مانگا تھا۔ وہ بھلا کیسے انکار کر سکتے تھے۔

انہوں نے رخشندہ کو بہت طریقے سے سمجھایا تھا۔

"انداز دو تین بزنس کورسز کے لیے باہر جا رہا ہے اور اس کا جانا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ کورسز ہمارے بزنس کے لیے بہت ضروری ہیں۔ اب میں اور ضوبیان تو جانے سے رہے اور ویسے بھی یہ کمپیٹیشن کا دور ہے لوگ ترقی کی دوڑ میں آگے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" روحان آفندی چاہ کر بھی بیٹی سے یہ نہ کہہ سکے کہ وہ اپنی کمی مٹانا چاہتا ہے۔ وہ صرف اور صرف اپنے باپ کی وجہ سے یہ یونیورسٹی جوائن کر رہا ہے۔

"مگر ابا جان! میں انداز کے بغیر کیسے رہوں گی۔ اسے دیکھ کر تو میں جیتی ہوں۔ وہ یہاں اتنے لوگوں کے درمیان سنجیدہ رہتا ہے وہاں اس پرائے ملک میں کوئی اپنا بھی نہیں ہے وہ تو ہنستا بولنا ہی بھول جائے گا۔"

"رخشندہ بیٹا! اب ماشاء اللہ بچے بڑے ہو رہے ہیں انہیں قید کر کے تو نہیں رکھ سکتے ناں وہ بھی اڑنا چاہتے ہیں بیٹا انہیں اڑان بھرنے دو۔ اگر تم انہیں روکو گی تو ان کی شخصیت مسخ ہو جائے گی۔ آج انداز جانا چاہتا ہے کل بلاج بھی جانے کو تیار ہو گا میری مانو تو جانے دو۔" روحان آفندی بڑی کج سے بیٹی کو سمجھا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے ابا جان! بس اس سے دوری کا احساس مجھے تکلیف دیتا ہے۔ ضیا کے بعد اپنے بچوں کو کھونے سے ڈرتی ہوں۔" رخشندہ کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"بیٹا اگر دلوں میں فاصلے ہوں تو یہ دوریاں کچھ بھی نہیں۔ دور تو وہ جب ہو گا جب تم اسے دل سے دور کرو گی اور آج کل تو انٹرنیٹ نے سارے فاصلے مٹا دیے ہیں۔ تم روز اس سے انٹرنیٹ پر بات کر لینا۔ تمہیں یوں لگے گا جیسے وہ یہیں ہے ہم سب کے درمیان۔" روحان آفندی نے اس کی تمام پریشانیوں کو منٹوں میں اڑا دیا۔ اگر وہ رخشندہ کے سامنے کمزور پڑ جاتے تو وہ کبھی انداز کو اتنا دور بھیجنے پر راضی نہ ہوتیں اس لیے انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو مضبوط رکھا۔ رخشندہ بھی اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے مان گئیں۔ سب انتظامات دنوں میں مکمل ہوئے اور انداز سب کو اداس چھوڑ کر برطانیہ چلا گیا۔ جہاں UBC اسے ویلکم کہہ رہی تھی۔

☆......☆

رخشندہ شام کی چائے سرو کرتی بے دھیانی میں انداز کی چائے میں بھی چائے ڈالنے لگیں۔ angry

bird کے اس کپ میں صرف انداز ہی چائے پیتا تھا۔ اتنے سارے لوگوں میں انداز کو نہ پاکر رخشندہ بیگم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی اسی نمی کو چھپانے کے لیے انہوں نے انداز کا کپ ہی لبوں سے لگالیا۔
مگر پارس ان کی یہ نمی دیکھ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ پھپھو، انداز بھیا کو مس کر رہی ہیں لیکن دوسروں کی پریشانی کی وجہ سے بظاہر مسکرا رہی ہیں لیکن اگلے ہی لمحے سب کی خوشگوار باتوں کی وجہ سے وہ اپنی اداسی بھول گئیں اور اب سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھیں۔ بہت ہی خوشگوار ماحول میں اہل خانہ نے شام کی چائے پی۔
ڈھلتا سورج لمحوں میں بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ دن کی سفیدی بھی اپنے پر سمیٹے جانے کو تیار تھی اور تاریکی آہستہ آہستہ ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ دن بھر کا سویا چاند بہت ہشاش بشاش اپنی منزل کی طرف بڑھنے کو بے تاب تھا ستارے بھی چاند کی پیروی میں محو سفر ہو چکے تھے۔ پارس اداس سی کائنات کے اس مظاہرے کو سوچ رہی تھی۔ قدرت کے مطابق سورج اپنے مقررہ وقت پر چھپ گیا تھا اور آسمان کی نیلی چادر رات کی تاریکی میں ڈوب گئی۔ جس پر ستارے چمکدار موتیوں کی طرح بکھر گئے۔
''ہائے پری! یہاں کیا کررہی ہو؟'' بلاج اسے اداس سا ٹیرس پر دیکھ کر وہیں چلا آیا۔
''بلاج ایک بات پوچھوں؟'' پارس نے سوالیہ نظریں بلاج پر ٹکا ئیں۔
''ہاں کہو! ایک کیا دس باتیں پوچھو۔'' دوسری طرف سے دریادلی دکھائی گئی۔
''بلاج! کیا تم بھی انداز بھیا کی طرح ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟'' بلاج نے بغور اس کا مشاہدہ کیا۔ اسے لگا اگر وہ انکار کردے گا تو یہ لڑکی خوش ہوجائے گی مگر وہ بلاج ہی کیا جو پارس ضوبیان کو نہ ستائے۔
''ہاں بالکل اگلے چند ماہ میں، میں بھی بھیا کے پاس چلا جاؤں گا۔'' بلاج نے بڑے مزے سے جواب دیا جیسے اپنی ہی بات کا خود ہی مزہ لے رہا ہو۔
''مجھے پتہ تھا تم بھی کہو گے تم بھی انداز بھیا کی طرح ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے تم دونوں بھائی ایک جیسے ہی ہو کسی کا نہیں سوچتے۔ حتیٰ کہ پھپھو کا بھی نہیں۔ وہ کتنا مس کر رہی ہیں انداز بھیا کو اس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں۔ آج شام کو میں نے انہیں نم آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ جو ہر وقت تم دونوں کو نظروں کے سامنے رکھتیں ہیں۔ کسی ایک کے بھی اوجھل ہوجانے پر وہ کتنی افسردہ ہوسکتیں ہیں اس بات کو تم نہیں سمجھ سکتے۔ جاؤ بات مت کرنا مجھ سے۔'' بلاج کی مسکراہٹ نے اسے مزید تاؤ دلایا وہ جو تقریباً رو دینے کو تھی فوراً کمرے کی طرف مڑی مگر بلاج نے اس کی کلائی پکڑ کر روک لیا۔
''یار! جب چلا گیا تو پھر بات نہیں کرنا مگر جب تک ادھر ہوں جب تک تو بات کرو۔'' بلاج نے اسے چڑایا۔
''بلاج تم نے کل بھی تو جانا ہی ہے آج ہی چلے جاؤ۔'' وہ ضبط کے مراحل سے گزرتی سرخ پڑ گئی تھی۔
''ویسے اگر جانے والوں کو کوئی پیار سے روکے تو وہ نہیں جاتے۔ اپنے چاہنے والوں کے لیے رُک جاتے ہیں۔'' بلاج نے سوچ کا نیا سرا تھمایا۔
پارس جو کچھ دیر پہلے تقریباً رو دینے کو تھی اس کی بات سن کر نم آنکھوں سے مسکرا دی۔
''بلاج! اگر میں تمہیں روکوں تو تم نہیں جاؤ گے ناں؟'' اس کے لہجے میں یقین تھا۔
''میں پھر بھی چلا جاؤں گا۔'' بلاج نے حلفاً اٹھایا۔
''مگر تم نے خود ہی تو کہا ہے۔'' حیرت کے مارے اس سے بولا نہ گیا۔

''ہاں میں نے کہا ہے اگر کوئی پیار سے روکے تو مگر تم تو مجھ سے ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہتی ہو۔''

''یار! وعدہ اب کبھی نہیں لڑوں گی نہ تمہیں تنگ کروں گی اگر کبھی کیا تو تمہارے کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگ لوں گی۔'' پارس نے فوراً وعدہ کیا بھی وہ جو وفا نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اگلے ہی پل دونوں پھر سے لڑ رہے ہوں گے۔

''میرے کان کیوں؟'' وہ تقریباً چیخا۔

''کیونکہ اگر تمہارے ہاتھ میرے ہو سکتے ہیں تو کان کیوں نہیں۔'' پارس نے دائیں ابرو اچکا کر پوچھا۔

''اچھا میں نہیں جاتا ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گا ماما کے پاس رہوں گا۔''

''وعدہ؟''

''پکا وعدہ۔''

''چلو آؤ میرے نہ جانے کی خوشی میں تمہیں آئس کریم کھلاؤں۔'' سامنے سے آفر ہوئی۔

''اوکے میں پانچ منٹ میں آئی تم گاڑی نکالو۔'' وہ اندر کی طرف بھاگی۔

''کوئی پانچ منٹ نہیں ایسے ہی چلو۔'' بلاج نے اس کے ہاتھ پکڑے اور دروازے کی جانب بڑھا۔

''رکو بالوں کو بینڈ کر لینے دو۔'' پارس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل سے کیچر اٹھانا چاہا مگر اس کوشش کو بھی بلاج نے ناکام بنا دیا۔

''میرا بس چلے نا تو تمہارے سارے کیچر ہی توڑ دوں۔ مجھے تمہارے بال کھلے ہی اچھے لگتے ہیں انہیں کھلا ہی رکھا کرو۔'' پارس کے لمبے بال بہت سلکی اور ریشمی تھے۔ بلاشبہ وہ کسی کو بھی گھائل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ خود بھی تو بہت خوبصورت تھی۔ اس کی دودھیا رنگت، شہد رنگ آنکھیں ان پر مستزاد اس کی پلکوں کی گھنی باڑ، پنک ہونٹوں کا کٹاؤ اور اس سے ذرا سا اوپر سیاہ تل وہ خوبصورتی کا ایسا مکمل مجسمہ تھی کہ جسے دیکھ کر لگتا تھا شاعر حضرات اپنی شاعری میں جس پری پیکر کا ذکر کرتے ہیں وہ یقیناً اس جیسی ہی ہوگی۔ جن آنکھوں کو وہ جام جیسا نشیلی قرار دیتے ہیں اور ان آنکھوں کی گرتی اٹھتی جھالر میں وہ کھو سے جاتے ہیں وہ آنکھیں ایسی ہی ہوتی ہوں گی۔ مالک کائنات نے اسے بہت فرصت سے بنایا تھا۔

سارے راستے دونوں کی نوک جھونک چلتی رہی تھی۔ اب وہ اپنے من پسند آئس کریم پارلر میں بیٹھے تھے۔ یہ جگہ دونوں کی فیورٹ تھی۔ جس خوبصورتی سے اس پارلر کو سجایا گیا تھا وہ آنے والوں کی طمانیت کا باعث بنتا تھا۔ ہلکی ہلکی سی گرین کلر کی روشنیاں اور دیواروں میں نصب آرٹی فیشل واٹر فال اس جگہ کو سب سے منفرد بناتا تھا۔ بلاشبہ کریم کلاس میں یہ جگہ کافی پاپولر تھی۔ نہ صرف اپنے ڈیزائن بلکہ سروس کی وجہ سے بھی۔

''سر! آرڈر۔'' ویٹر پیڈ تھامے ان کا آرڈر لینے آیا تھا۔

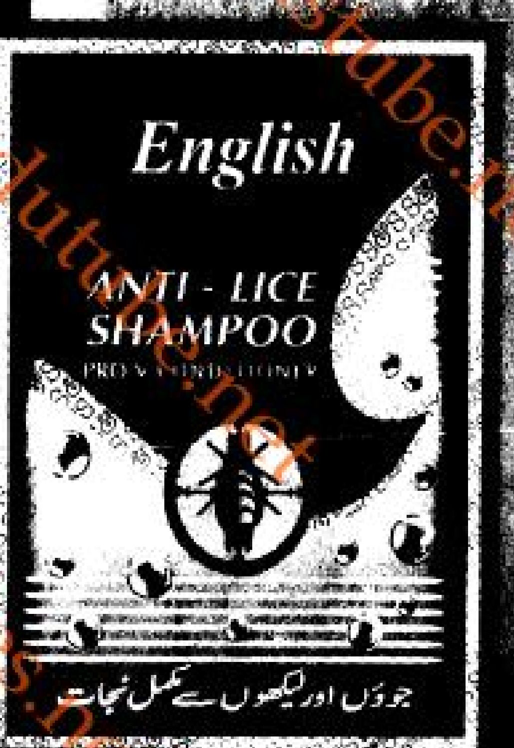
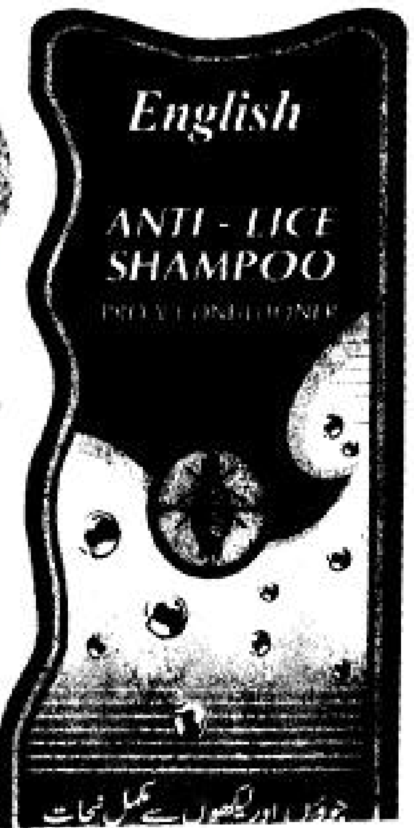
''2 ice cream choclate with coffee flavour'' بلاج نے اپنا من پسند فلیور لکھوایا۔

''مجھے نہیں یہ سڑی سی آئس کریم کھانی۔'' پارس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم میری پسند کی ہی کھاؤ گی۔''

''نہیں مجھے اسٹرابیری فلیور کھانا ہے۔''

''وہ مجھے پسند نہیں۔'' اس کی پسند فوراً ریجیکٹ ہوئی۔ ویٹر بے چارہ کبھی ایک کو دیکھتا کبھی دوسرے کو وہ دونوں


English
ANTI - LICE
SHAMPOO
جوؤں اور لیکھوں سے مکمل نجات

English
ANTI - LICE
SHAMPOO
جوؤں اور لیکھوں سے مکمل نجات

بچوں کی طرح لڑنے میں مصروف تھے۔

''سر آرڈر پلیز!۔''

''دو چاکلیٹ دو اسٹرابیری۔'' دونوں بیک وقت ساتھ بولے۔

''مجھے نہیں کھانی۔''

''مجھے بھی نہیں کھانی۔'' بلاج کی طرف سے کوئی لچک نہ پا کر وہ منہ پھلائے اٹھ کر چلی گئی۔ بلاج بھی اس کو جاتا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور کاؤنٹر سے آرڈر پیک کروا کے باہر چلا آیا۔ سامنے ہی وہ پارک کے سنگی بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''پری میری سوہنی پری یہ لو تمہاری پسند کا فلیور۔'' بلاج نے پیار سے پکارتے ہوئے اس کی طرف کپ بڑھایا۔ جس کا مطلب تھا۔ no fight just dosti پارس نے کپ کو دیکھ کر ہی رُخ پھیر لیا۔ پکڑنے کی زحمت ہی نہ کی گئی۔

''اب کیا ہوا؟'' بلاج نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''مجھے یہ نہیں کھانی۔'' روٹھا روٹھا سا جواب آیا۔

''تو پھر؟''

''پھر یہ کہ مجھے یہ والی کھانی ہے۔'' پارس نے بلاج کے ہاتھ سے چاکلیٹ و کافی فلیور والا کپ پکڑا۔

''مگر......'' بلاج حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مگر یہ کہ مجھے بھی پسند ہے۔'' بلاج نے بھی کندھے اچکاتے ہوئے اسٹرابیری والا کپ اٹھا لیا۔ دونوں برے برے منہ بناتے ہوئے ایک دوسرے کی پسند کا فلیور کھا رہے تھے جیسے ہی نظریں ایک دوسرے کے بگڑے زاویے پر پڑیں تو دیکھ کر دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆......☆

انداز مسرور سا اس بلند و بالا عمارت کو تکتے جا رہا تھا۔ جہاں اس نے آٹھ ماہ گزارے تھے وہ جگہ جہاں اس کے بابا نے اپنی جوانی کے تین سال گزارے تھے اسے لگا پاپا کا لمس اس کے ہمراہ ہی تھا۔ وہ کھویا کھویا سا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

یونیورسٹی آف برٹش کولمبیا جسے پبلک ریسرچ یونیورسٹی بھی کہا جاتا ہے۔ کینیڈا کے ایک صوبے برٹش کولمبیا میں واقع ہے۔ 1908ء میں اس کی بنیاد کالج آف برٹش کولمبیا کے نام سے رکھی گئی۔ بعد ازاں 1915ء میں اسے نہ صرف رجسٹرڈ نام دیا گیا بلکہ وہ ایک آزاد یونیورسٹی بن گئی۔ یہ ہائر ایجوکیشن کا پرانا ادارہ ہے۔ برٹش کولمبیا میں جہاں ہر سال 58000 طلبہ اور طالبات پڑھتے ہیں۔ UBC تقریباً 1993ء ایکڑ کا رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ UBC ورلڈ لیڈنگ یونیورسٹی ہے جسے حال ہی میں 13th رینک ملا ہے جس سے وہ کینیڈا کی دوسری جبکہ نارتھ امریکہ کی 24 ویں بڑی یونیورسٹی بن چکی ہے۔ یہ ادارہ نان سیکٹیرین ہے۔ اسٹوڈنٹ یونین بلڈنگ (student union building) میں طلبہ طالبات کی تفریح کا سامان میسر ہے جہاں پر سینیوں طلبہ درجن بھر ریسٹورنٹ اور کیفے ہیں اس کے ساتھ ہی نائٹ طلب' تھیٹر' بہت ساری شاپس اور پوسٹ آفس بھی ہیں۔ اس یونیورسٹی کی SUB ART GALLERY میں طلبہ طالبات کی بنائی گئی پینٹنگ سجائی گئی تھیں۔ انداز تو ابھی بھی بے یقین سا تھا وہ یقین اور بے یقینی کی اس کیفیت سے نکلتے بھی ڈرتا

تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ابھی آنکھ کھلے گی اور یہ حسین خواب ٹوٹ جائے گا۔

☆......☆

''ہیلو بھیا کیسے ہیں آپ کیسی لگی یونیورسٹی؟'' پارس نے ویب کیم کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''میں ٹھیک ہوں گڑیا تم سناؤ۔'' انداذ کا لہجہ محبت بھرا تھا۔

''آئی مس یو بھیا۔''

''آئی مس یو ٹو گڑیا آئی مس آل آف یو۔'' انداذ کے لہجے میں اداسی در آئی۔

''دیکھیں بھیا یہ آپ کو کوئی مس وس نہیں کرتی اوپر سے مسکے لگا رہی ہے جو کہ اس کا پرانا کام ہے۔ آپ اس کی باتوں پر بالکل دھیان مت دیں۔'' بلاج نے انداذ بھیا کو اداس سا دیکھ کر بات کو پلٹا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ گھر والوں سے اتنی دور اداس ہو جائیں۔

''بھیا سچ میں میں بہت مس کرتی ہوں آپ کو یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' پارس چیخی۔

''چلو نکلو میرے کمرے سے میری بلی مجھے ہی میاؤں۔'' بلاج نے دھمکی دی۔

''بھیا دیکھ لیں یہ کتنا تنگ کرتا ہے مجھے۔'' پارس نے بھیا کی سپورٹ حاصل کرنا چاہی۔

''بلاج! میں بہت ڈانٹوں گا اگر تم نے میری باربی ڈول کو تنگ کیا تو۔'' انداذ نے بھی پارس کی ہی سائیڈ لی۔

''بھیا دِس از ناٹ فیئر۔'' بلاج نے صدمے سے اپنے بھائی کو دیکھا جو سیاستدانوں کی طرح موقع پر پارٹی بدل گئے تھے۔

''اچھا گڑیا بتاؤ آپ کو برتھ ڈے پر کیا گفٹ چاہیے؟'' انداذ نے پارس کا گفٹ پوچھا۔ کیونکہ ٹھیک دو ماہ بعد اس کی برتھ ڈے آرہی تھی اور پارس بی بی اپنی برتھ ڈے سے چھ ماہ پہلے ہی اعلان کر دیتی تھیں کہ میرے لیے گفٹ خرید لیں سالگرہ والے دن کوئی یہ نہ کہے کہ میں مصروفیت کے باعث نہیں لا سکا یا پھر لانا بھول گیا۔

''بھیا مجھے کرسٹل کی فیری چاہیے اور ہاں اگر ساتھ میں فیری میں بھی ہو جائے تو بات ہی الگ ہے۔'' پارس نے زور و شور سے اپنی پسند بتائی۔

''اور بھیا میرے لیے ایک خوبصورت گوری چٹی کرسٹل کی نہیں جیتی جاگتی پرنسیس لے آئیے گا۔'' بلاج نے بھی مزے سے بتایا۔

''بھیا! میرے لیے پرنس۔'' پارس بھلا کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔ تیزی میں دوبنا سوچے سمجھے ہی بول گئی جس کا احساس اسے بعد میں ہوا اس کی بات پر بلاج ہنس ہنس کر دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

''ایسے کیوں ہنس رہے ہو؟'' پارس نے حیرانی سے پوچھا۔

''بلاج کچھ بتائے بغیر نان اسٹاپ ہنستا رہا۔ غور کرنے پر پارس کو خود ہی اپنی بے وقوفی سمجھ آگئی۔ سامنے اسکرین پر نظر پڑی تو انداذ بھیا بھی ہنس رہے تھے وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

''بلاج! مما اور نانو کدھر ہیں اور ماما جان بھی نظر نہیں آرہیں۔''

''خواتین کی محفل جمی ہوئی ہے لاؤنج میں میں بلا کر لاتا ہوں۔'' بلاج سب کو بلانے چلا گیا جبکہ پارس بلاج کے جاتے ہی اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

''اچھا بھیا! یہ بتائیں آپ نے وہاں کوئی ڈریم گرل ڈھونڈی۔ آئی مین کسی سے بے دھیانی میں ٹکراؤ ہوا ہو جو بعد میں آپ کی زندگی کا خوبصورت حادثہ بن جائے۔''

''گڑیا میں یہاں چند کورسز کے لیے آیا ہوں۔ کوئی ڈریم گرل ڈھونڈنے تھوڑی آیا ہوں۔''
''پھر بھی بھیا! اگر کوئی گرل اچھی لگے یا اسے دیکھ کر دل اپنی ایک ہارٹ بیٹ مس کردے تو اس کے بارے میں سوچیے گا ضرور۔'' پارس نے امی، پھپھو اور دادو کو روم میں آتے دیکھ کر اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اس کی بات پر انداذ بھیا کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔ رخشندہ بیگم اپنے لاڈلے کو ہنستا دیکھ کر پُرسکون ہوگئیں تھیں۔ سب سے ڈھیروں باتیں کرنے کے بعد انداذ کو یوں ہی معلوم ہوا جیسے وہ ان سب کے درمیان پاکستان میں ہے۔

☆......☆

پارس اور بلاج آج صبح سے ہی لان میں گھسے مالی بابا سے پودوں کی کانٹ چھانٹ کروا رہے تھے۔ پارس نے پودوں کی بڑھتی ہوئی زائد شاخیں بلاج سے کٹوائی تھیں۔ جبکہ مالی بابا پودوں کی گوڈی کر رہے تھے۔ سامنے والی باڑ جو کہ گلاب کے پھولوں سے بنائی گئی تھی کچھ پودے اس میں سوکھ گئے تھے۔ پارس نے سوکھے پودے نکلوا کر اس کی جگہ نئے پودے بھی لگوائے۔ اب وہ گیٹ کے سائیڈ میں پڑے گملوں کی جگہ بدلوا رہی تھی کہ گیٹ کیپر ایک خاکی لفافہ لے کر اندر آیا۔ پارس نے مٹی سے بھرے ہوئے ہاتھ اپنی شرٹ سے صاف کیے اور لفافہ کھول کر پڑھنے لگی۔
''یہ سب کیا ہے؟'' پارس نے لفافہ لان میں پڑی ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔ بلاج جو ایروکین کی کٹائی میں مصروف تھا۔ اس کے پوچھنے پر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ جب اس نے پارس کے نظروں کے زاویے میں دیکھا تو ٹیبل پر پڑے لفافے پر اس کی نظر پڑی۔ کھلا لفافہ اس بات کی علامت تھا کہ اندر لکھی تحریر پڑھ لی گئی ہے۔
''میرا جوائننگ لیٹر ہے۔'' بلاج نے لفافے پر لکھا ایڈریس پڑھ کر کہا۔
''تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گے اور اب تم اپنا وعدہ توڑ رہے ہو۔'' پارس نے دکھ اور حیرانی کے عالم میں کہا۔
''یار! میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس ملک کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا اور میں نہیں گیا یہ تو ایک شہر سے دوسرے شہر جانا ہے۔'' اس نے نظریں چرائیں۔
''پر بلاج! تمہارے بغیر میں اداس ہو جاؤں گی میرا دل نہیں لگے گا۔'' وہ رو دینے کو تھی۔
''دل تو میرا بھی نہیں لگے گا پری! تم جانتی ہو آرمی میرا جنون ہے اور یہ جنون بابا کی جینز سے مجھ میں ٹرانسفر ہوا ہے میں اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں پلیز پری یوں نہ کرو ورنہ میں جا نہیں پاؤں گا۔'' بلاج نے پارس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
''اوکے ٹھیک ہے تم جاؤ میں نہیں روتی۔'' پارس آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا دی جانتی تھی کہ آرمی سے اسے عشق تھا اور اب اگر اسے چانس مل رہا ہے تو اسے روکنا نہیں چاہیے بلکہ خوشی خوشی بھیجنا چاہیے۔ دھیان بٹانے کے لیے اس نے پانی والا پائپ لے کر پودوں کو پانی دینے لگی جب اچانک اسے پھپھو کا خیال آیا۔
''بلاج! پھپھو ناراض تو ہوں گی؟''
''نہیں ماما کو میں نے پہلے ہی راضی کر لیا تھا۔ بس تم سے ہی چھپایا تھا۔'' بلاج نے ہنستے ہوئے اپنا کارنامہ بتایا۔
''بلاج! تم پٹو گے میرے ہاتھ سے۔'' وہ ایک دم چیخی مگر اگلے ہی پل اس کے ہاتھ میں پکڑے پائپ کا رُخ

بلاج کی طرف ہو چکا تھا اور وہ دہائی دیتا ہوا بھیگ چکا تھا۔

☆......☆

''اُف اتنا ٹائم ہوگیا آج تو لائبریری میں اوپر سے موسم بھی خراب۔'' انداز کو لائبریری میں بیٹھے اپنا اسائنمنٹ (assigment) کمپلیٹ کرتے وقت پتہ ہی نہ چلا اور اب جب وہ باہر نکلا تو ہلکی ہلکی برف باری ہورہی تھی۔ اسے شدید بھوک کے احساس نے ستایا اسی لیے اس نے فلیٹ میں جانے کی بجائے کسی پاکستانی ریسٹورنٹ جانے کا فیصلہ کیا۔

ریسٹورنٹ کا اندرونی ماحول کافی گرم تھا انداز نے لانگ کوٹ چیئر کی پشت پر رکھا اور کھانا آرڈر کیا۔ سامنے گلاس وال سے نظر آتی برف باری کا منظر بہت حسین لگ رہا تھا۔ کچھ من چلے اس برف باری سے لطف اندوز ہونے کے لیے سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔

کھانے کے بعد کافی پیتے انداز کی توجہ مکمل طور پر اپنی پچھلی ٹیبل پر بیٹھے لڑکا اور لڑکی کی گفتگو کی طرف تھی۔ لڑکی کی غالباً آج برتھ ڈے تھی اور لڑکا اس خوبصورت ماحول میں اسے شادی کے لیے پرپوز کررہا تھا۔ لڑکی نے اس کے ہاتھ سے پھول لیتے ہوئے اسے اپنے پیرنٹس کو بھیجنے کا کہا تھا۔ انداز کو سُن کر جانے کیوں خوشی سی ہوئی تھی۔ ورنہ جس مغربی ماحول کے وہ دونوں باسی تھے وہاں تو بنا شادی کے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ رہ لیتے ہیں۔ وہ دونوں لڑکا لڑکی بانہوں میں باہیں ڈالے باہر نکل گئے۔ انداز کے لیے اب کوئی دلچسپی نہیں بچی تھی۔ وہ اپنی کافی بھی تقریباً ختم کرچکا تھا اس لیے بل پے کرکے جیسے ہی باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر ایک فی میل ویٹر پر پڑی جسے ایک افریقی تنگ کررہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر لڑکی کے جسم کو چھوتا اور قہقہہ لگا دیتا۔ انداز کو کہاں گوارا تھا کہ کوئی بھی لڑکی کو میلی نظر سے دیکھے۔ وہ جب غصے سے کھولتا ہوا سیکنڈ فلور پر پہنچا تو وہی افریقی اس لڑکی کو بانہوں میں بھر رہا تھا اور وہ لڑکی مزاحمت کررہی تھی۔ انداز کے قریب جانے پر اس افریقی کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور پھر اس نے تقریباً اسے چھوڑ دیا۔ وہ لڑکی خوف سے کانپ رہی تھی۔ خوف و ہراس کے بادل اس کی آنکھوں میں واضح دکھائی دے رہے تھے اس افریقی کے جانے کے بعد انداز جونہی جانے کو مڑا۔ اس لڑکی نے انداز کا بازو پکڑ لیا۔ انگلش زبان میں اس کا شکریہ ادا کرنے لگی اور ریکوسٹ کرنے لگی کہ آج وہ رات اسے پناہ دے دے۔ انداز کو اس کی بات پر ایک دم جھٹکا لگا تھا کہ وہ ایک لڑکی کو ساتھ رکھے اسے اسلی ہی بات تھی۔ وہ لڑکی اب باقاعدہ منتیں کرنے لگی کہ اسے بس آج رات کی پناہ دے دے کل وہ اپنا انتظام کرلے گی۔ انداز کو کچھ دیر پہلے والی سچویشن سوچ کر اس پر ترس آگیا۔ کیونکہ اگر وہ حامی نہ بھرتا تو جانے وہ کہاں رات گزارتی۔ کن لوگوں کے ہاتھ آجاتی وہ پاکستانی ہوکر کیسے ایک بے سہارا لڑکی کو یوں بے یارو مددگار چھوڑ سکتا تھا۔ اس لیے وہ اسے لیے اپنے اپارٹمنٹ میں آگیا۔

انداز نے چپ چاپ اسے اس کا کمرہ بتایا اور خود اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا اسے لیٹے لیٹے خیال آیا کہ پارس آن لائن ہوگی اس کا انتظار کررہی ہوگی اس لیے وہ اٹھا اور لیپ ٹاپ آن کرکے گھر والوں سے بات کرنے لگ گیا۔

☆......☆

''اماں اب میں سوچ رہی ہوں انداز کے لیے لڑکی دیکھنا شروع کردیں۔'' ہر ماں کی طرح رخشندہ نے بھی بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش ظاہر کی۔

''وہ بات تو ٹھیک ہے مگر آج کل کے بچوں کا کیا پتہ انہیں پہلے سے ہی کوئی لڑکی پسند ہو اس لیے پہلے انداذ سے پوچھ لو۔'' عریشہ آفندی نے بیٹی کو مخلصانہ مشورہ دیا۔

''ہاں آپا! اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' نوشین نے بھی ساس کی بات سے اتفاق کیا۔

''وہ بات تو ٹھیک ہے مگر ہمارے سامنے پلا بڑھا ہے مجھے نہیں لگتا اسے کوئی پسند ہوگی۔'' رخشندہ بیگم نے بیٹے کی سنجیدہ طبیعت کو ذہن میں لاتے ہوئے کہا۔

''ارے میری بھولی ماں وہ اب آپ کے سامنے نہیں ہیں کیا پتہ بلکہ پکا پتا ہے کہ کوئی پسند آ گئی ہے۔'' بلاج نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اپنا لقمہ دیا۔

''کیا مطلب؟'' سب کی مشکوک نظریں بیک وقت اس پر اٹھی تھیں۔

''مطلب یہ کہ میری سکس سینس کہتی ہے کہ بھیا کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے کیونکہ پہلے بھیا ہنسنے کیا مسکرانے سے پہلے بھی سو دفعہ سوچتے تھے۔ اور اب بات بات پر ان کا قہقہہ ہوتا ہے اور مجھے پکا یقین ہے یہ تبدیلی کسی صنف نازک کی مرہون منت ہے۔'' بلاج نے کسی عامل بابا کی طرح پُر یقین لہجے میں کہا۔

''میں نہیں مانتی۔'' سب سے پہلے نانو نے اس کی نفی کی۔

''ٹھیک ہے مسز آفندی آپ نہ مانیں۔ جب بھیا کسی گوری چٹی غریب کپڑوں میں لپٹی میم کو گھر لے آئیں گے پھر تو مانیں گی نا۔'' بلاج نے مستقبل کی خاکہ کشی کی۔

''اچھا تو تم بھی اسی لیے گھر سے باہر جا رہے ہو۔'' نوشین نے بلاج کے سارے منظر کو ناک سے مکھی کی طرح اڑا دیا اور اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں۔ کیونکہ اب اس کی ٹانگ کھینچنا لازمی تھا۔

''ارے مامی تو سی گریٹ ہو۔ آپ کو یہ سب کس نے بتایا۔'' وہ بلاج ہی کیا جو کسی حملے کا مقابلہ نہ کرے وہ ہر بازی پلٹنا جانتا تھا۔ اس لیے تو مسخرے پن سے پوچھا تھا۔

''تمہاری حرکتوں نے۔'' جواب رخشندہ کی طرف سے آیا تھا جبکہ عریشہ آفندی ہنس ہنس کے بے حال ہو رہی تھیں۔

☆......☆

انداذ صبح ایک مکمل نیند کے بعد بیدار ہوا تو وہ یکسر رات والے واقع کو بھول چکا تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ رات کو مارجرین کو گھر لایا تھا۔ انداذ نے جونہی لاؤنج میں قدم رکھا لاؤنج کی طرف وڈ سے خوشبوؤں نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کچن کے داخلی دروازے سے جھانکنے پر وہ اسے برنر کے پاس ایپرن پہنے ہوئے نظر آئی۔

''آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی میں خود بنا لیتا۔'' انداذ نے مارجرین سے خالصتاً انگریزی میں بات کی تھی۔ جواباً مارجرین نے مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

''آپ شاور لے لیں میں بریک فاسٹ لگاتی ہوں۔'' مارجرین کافی پھینٹتے ہوئے پیچھے ہی پیچھے مڑی انداذ کو اپنی طرف تکتا پا کر کہہ گئی۔ انداذ جو اسے سراہتی نظروں سے تک رہا تھا اس کی بات سن کر خجل سا ہو کر کمرے میں چلا گیا۔ ایک دلفریب اور خوبصورت مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ وہ یونہی مسکراتا ہوا شاور لینے چلا گیا۔

مارجرین ناشتہ ٹیبل پر لگائے کافی دیر سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر وہ تھا کہ نکل ہی نہیں رہا تھا۔ کافی دیر بعد

دروازے کو تکنے کے بعد اس نے اٹھ کر دروازہ ناک کیا۔
"yes" اندر سے آواز آئی۔
"ٹیبل ریڈی ہے آپ آجائیں۔" مارجرین نے روانی سے انگلش میں کہا۔
"او کے وداِن ٹو منٹس میں آرہا ہوں۔" جواباً انداز بھی انگلش میں بولا۔
مارجرین انہی قدموں واپس لوٹ آئی۔ کچن میں کافی کے مگ اٹھائے پھر سے ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔ انداز پہلے ہی ٹیبل پر بیٹھا تھا ان لوازمات کو تک رہا تھا جو ناشتے کے لیے بنائے گئے تھے۔
"عام دنوں میں اتنا پر تکلف ناشتہ وہ بھی میرا فیورٹ۔" انداز کہے بغیر نہ رہ سکا۔ جواباً مارجرین مسکرا ہی سکی۔
انداز کو ٹیبل پر پڑے چیز آملیٹ' پاستا اور کافی کو دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ ایسا ناشتہ وہ صرف چھٹی والے دن کیا کرتا تھا باقی دنوں میں صرف کافی سے کام چلالیا کرتا تھا۔ انداز نے بہت رغبت سے ناشتہ کیا تھا۔ جبکہ مارجرین نے صرف چکھا ہی تھا۔ کیونکہ وہ سارا وقت تو انداز کی پرسنیلٹی میں کھوئی رہی سرخ و سفید جلد چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹ' ڈارک پنک کٹاؤ دار ہونٹ' جھیل جیسی شفاف اور گہری آنکھیں' سنہری اور بلیک مکس کمپلیکشن کے بال جو یا تو قدرتی تھے یا پھر ڈائی کروائے تھے۔ بہر حال بال اس کی پرسنیلٹی پر بہت سوٹ کرتے تھے۔ کھڑی ستواں ناک اسے رعب دار بناتی تھی اور اس کی نفیس ڈریسنگ اس کی نفاست کا پتہ دیتی تھی۔ ناشتہ کرتے ہوئے انداز نے صرف ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔
"اگر میرا جائزہ ختم ہو گیا ہو تو ناشتہ کرلیں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" انداز نے مسکراتے ہوئے کہا۔
مارجرین نے خجل ہو کر ناشتہ شروع کیا اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر انداز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
☆......☆
"دادو کیا یہ انداز بھیا کی وائف بنیں گی؟" پارس دادی کے قدموں میں بیٹھی ماما کی ہدایت پر تیل ڈلوا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس تصویر کا جائزہ لے رہی تھی۔ جو روحان آفندی کے ایک دوست کی بہن تھی اور وہ لوگ انداز کے لیے اس کا پرپوزل جا رہے تھے۔
"نہیں یہ تمہارے دادا کی وائف ہوں گی۔" عریشہ آفندی نے مسکراہٹ دبائی لاؤنج میں بیٹھے تمام نفوس کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"اُف دادو! اتنی ینگ دادا جان کی وائف۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ آئی مین اولڈ اینڈ ینگ کمبینیشن کیسا رہے گا؟" پارس بھی شرارتاً دادو سے پوچھ رہی تھی۔
"پارس اٹھو چلو بال سمیٹو بہت تنگ کیا تم نے۔" نوشین نے اپنی شرارتی اور تھوڑی بے وقوف بیٹی کو مصنوعی غصے سے ڈانٹا۔
"او کے ماما!" وہ فوراً حکم بجالائی۔
"ویسے دادا جان اوہ سیڑھیاں چڑھتی پلٹ کر دادا جان کے کان میں گھسی۔
"اگر یہ آپ کی وائف بنیں تو ٹھیک ہے مگر انداز بھیا کے ساتھ یہ بالکل سوٹ نہیں کرتی۔ جتنی سنجیدگی تصویر میں ان کے چہرے پر ہے۔ حقیقت میں تو یہ گورنمنٹ ٹیچر کی طرح ہوں گی۔ انداز بھیا کے لیے کوئی بولتی مینا ہونی چاہیے۔ جو انہیں ہنستا بولنا سکھا دے آگے آپ کی مرضی۔" آخر میں پارس نے شان بے نیازی سے کندھے

اچکائے اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔
روحان آفندی نے اس کی بات کو بالکل سیریس نہیں لیا لیکن ان کے برابر بیٹھی عریشہ آفندی ضرور سوچ میں پڑ گئیں تھیں۔

ایسا کوئی زندگی میں آئے
جو زندگی کو زندگی بنائے

اپنے کمرے میں آتے ہوئے یہ گانا پارس کے لبوں پر تھا۔

دل و جان سے مجھ پر مرے
صرف مجھ سے محبت کرے

گانے کے ساتھ ساتھ وہ بال میں کنگھی کر رہی تھی۔
بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر سائیڈ دراز سے کیچر نکالنے لگی کہ قریب ہی اسے بلاج کی آواز سنائی دی۔
''میرا دل کرتا ہے میں تمہارے سارے کیچر ہی توڑ دوں۔'' بالوں کو کیچر کرتے ہاتھ ایک لمحے کو تھمے تھے۔ اگلے ہی پل کیچر ہاتھوں سے چھوٹ گیا آنکھیں جھلملانے لگیں مسکراہٹ کی جگہ افسردگی نے لے لی۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی۔
''بلاج! تم بدل گئے ہو تم کہتے تھے مجھے روز کال کرو گے۔ لیکن اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی تم نے مجھے یاد نہیں کیا۔ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی پھر مانوں گی بھی نہیں۔ آئی مس یو سو مچ بٹ یو ڈونٹ مس می۔'' وہ تصور میں بلاج سے شکوے کر رہی تھی اور وقت کے بہت سے سنگریزے پھسل گئے۔

☆......☆

''ہیلو لیونا کیسی ہو؟'' مارجرین نے یونیورسٹی گراؤنڈ میں بیٹھی اپنی دوست لیونا سے پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔'' لیونا کے پوچھنے پر مارجرین کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا۔
''کیا بات ہے کیا پھر آنٹی سے جھگڑا ہوا ہے؟'' لیونا نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ لگایا تھا کہ یقیناً مارجرین کا پھر اپنی اسٹیپ مدر کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے۔
لیونا! یو نو میں اس گھر میں رہنے کے پیسے پے کرتی ہوں۔ یونیورسٹی کے علاوہ اپنے اخراجات کے لیے جاب کرتی ہوں۔ بٹ ماما نے تو کل حد کر دی اپنے گھر سے نکال دیا اور میرے پاپا چپ چاپ تماشہ دیکھتے رہے۔ میرے والٹ میں اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ رات کو کمرہ ہائر کر لیتی۔'' مارجرین نے ساری بات لیونا کو بتائی۔
''تو تم ساری رات کہاں رہیں۔ تم مجھے بتاتی تو سہی یا میرے گھر آجاتیں۔'' لیونا کو دکھ ہوا تھا۔
''میں نے تمہاری طرف آنے کا سوچا تھا مگر کول نے بتایا رات وہ تمہاری طرف رہے گا تو مجھے اچھا نہیں لگا تمہاری طرف آنا۔'' مارجرین نے اسے بتایا وہ دونوں انگلش میں بات کر رہی تھیں۔ اندازاً ان کی طرف پشت کیے بینچ پر بیٹھا کتاب پڑھنے میں مصروف تھا اس نے ان دونوں لڑکیوں کی گفتگو پر کوئی دھیان نہیں دیا۔
''تو پھر رات کہاں گزاری کیا آنٹی نے واپس گھر بلا لیا تھا۔''
''نہیں وہ مجھے مہینے کے آخر میں بھی گھر نہیں بلا سکتیں اور شومئی قسمت آج کل مہینے کا آخری چل رہا ہے۔ ایک پاکستانی مل گیا تھا ریسٹورنٹ میں اس نے میری مدد کی اور رات بھی اس کی طرف رہی۔'' مارجرین

بتاتے ہوئے انداز کو یاد کر رہی تھی۔ جو اسے بہت اچھا لگا تھا بہت منفرد اور الگ سا۔

''تم ایک پاکستانی کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں رہیں اس نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' لیونا نے اس پر نظریں جماتے ہوئے کچھ کھوجنا چاہا۔

''اوہ کم آن لیونا! وہ ایسا نہیں ہے اس نے تو مجھے چھوا تک بھی نہیں۔ انداز دوسرے لڑکوں کی طرح نہیں ہے۔ اس نے مجھے رات گزارنے کے لیے جگہ دی۔ میں تو اس کی حد درجہ مشکور تھی مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا میں اس کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ اس شکریے کے لیے میں نے اس کے لیے ناشتہ بنا دیا اور وہ آگے سے میرا مشکور ہو رہا تھا۔'' مارجرین اسے تفصیل بتا رہی تھی۔ جبکہ کچھ ہی دور بیٹھا انداز اپنا نام سن کر چونک گیا تھا اور پھر مارجرین سے ساری تفصیل سننے کے بعد وہ سمجھ گیا تھا کہ مارجرین اپنی کسی فرینڈ کو ساری کہانی سنا رہی تھی۔ سب سے زیادہ خوشگوار حیرت اسے یہ پتہ چلنے پر ہوئی تھی وہ اسی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ اور سب سے زیادہ برا اسے اس کی فرینڈ کی بات سن کر لگا تھا اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر ان کی طرف چلا آیا۔ کیونکہ اسے اپنی پوزیشن کلیئر کرنی تھی۔

''دیکھیں مس! ہم مسلمان اتنے کمزور نفس کے مالک نہیں ہوتے کسی لڑکی کو تنہائی میں دیکھ کر اپنا ایمان گنوا بیٹھیں۔ ہمیں اتنا ڈر لوگوں کے ہجوم میں خدا کا نہیں ہوتا جتنا تنہائی میں ہوتا ہے۔'' انداز ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنا دفاع کرنے لگا۔

''مسلمان کمزور نفس کا مالک نہیں دہشت گرد تو ہے ناں۔'' لیونا کو اس اجنبی کا مداخلت کرنا بالکل پسند نہیں آیا تھا جس کا اظہار اس نے واضح بھی کر دیا تھا۔

''کون کہتا ہے مسلمان دہشت گرد ہیں مسلمان تو اتفاق و محبت کا درس دینے والے امن پسند اور صلح جو انسان ہیں۔'' انداز کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

''جب ہی تو تم امن پسند پاکستانیوں کے شہر میں آئے روز بم دھماکے ہو رہے ہیں۔ گھر سے نکلتے ہو مگر آنے کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے تم لوگ یورپین کنٹریز میں دہشت گرد کہلائے جاتے ہو اور وہ طالبان جنہیں یہ لگتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ اسلام اور امن پھیلا رہے ہیں پاکستان میں در حقیقت وہی دہشت گرد ہیں۔'' لیونا کا لہجہ حد درجہ کڑواہٹ لیے ہوئے تھا۔ انداز کو اس کے لہجے اور باتوں سے بہت دکھ پہنچا تھا کہ سامنے بیٹھی لڑکی اس کے ملک کو دہشت گرد قرار دے رہی ہے۔

''یہ بات ٹھیک ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ انسانی تاریخ اس طرح کے درندوں سے بھری پڑی ہے۔ پہلی تین صدیوں میں یہودیوں اور رومیوں نے ایسے ایسے مظالم عیسائیوں پر ڈھائے کہ انسانیت کانپ گئی۔ یورپ کی تاریخ وحشت اور بربریت سے بھری پڑی ہے۔ مسیحوں نے ایک دوسرے کی خون کی ندیاں بہائیں بے رحم طریقوں سے اپنے مخالفین کو اذیتیں دیں۔ جن کو دیکھ کر جھرجھری آ جاتی ہے۔ بغداد کے چوراہوں پر انسانی سروں کے مینار بنائے گئے۔ یہ تعصب کی جنگ تو برسوں سے چلی آ رہی ہے۔ جس دن یورپین ممالک کی طرح پاکستان سے بھی تعصب ختم ہو گیا اس دن پاکستان بھی دہشت گردی سے پاک ہو جائے گا۔ اور کسی حد تک اس پر قابو پالیا گیا ہے۔'' لیونا کی بات پر انداز نے اسے تاریخ کی کچھ ایسی مثالیں یاد کروائیں جن کے سامنے دہشت گردی تو کچھ بھی نہ تھی۔ انداز کی بات سن کر لیونا کچھ دیر تک خاموش رہی اور کچھ توقف کے بعد بولی۔

''مسٹر! آپ کافی محب وطن لگ رہے ہیں جبھی تو اپنے ملک کا دفاع کرنے چلے آئے۔ آپ کی جگہ کوئی اور

ہوتا تو یقیناً میری باتوں سے قائل ہو جاتا۔''

''ہر کوئی اپنے وطن سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی آپ کرتی ہیں۔ میری جگہ پر آپ ہوتیں تو آپ بھی یقیناً اپنے ملک کا دفاع کرتیں۔'' انداذ نے ابھی بھی اپنے لہجے کو حد درجہ نارمل رکھا ہوا تھا۔ وہ شرمندہ سی مارجرین پر نظر ڈال کر اٹھ گیا کیونکہ اس کی کلاس کا ٹائم ہو رہا تھا۔

''ہائے داوے آئی ایم لیونا!'' لیونا نے تعارف کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''آئی ایم انداذ ضیاالرحمٰن!'' انداذ لیونا کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ جبکہ لیونا کو اس کا نام سن کر ہی مارجرین کی خاموشی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

''اوہ تو یہ تھا تمہارا سب سے منفرد اور الگ سا انداذ جس کی تعریفیں تم کچھ دیر پہلے کر رہی تھیں۔ ٹھیک کہا تھا تم نے جتنی کنزرویٹو سوچ کا وہ مالک ہے وہ تمہیں کیا چھوتا اس نے مجھ سے ہاتھ نہیں ملایا۔'' لونا غصے سے اس کی پشت کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے کہ وہ کنزرویٹو سوچ کا مالک ہے مجھے لگا تمہیں اس کی باتیں پسند نہیں آئیں۔'' مارجرین اس ساری گفتگو کا یہی نتیجہ اخذ کر پائی تھی۔

''میڈم! موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ہر شخص کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے اس لیے میں نے وہی کہا جو میری رائے تھی پاکستان کے بارے میں اس میں اتنا منہ پھلانے کی کیا بات ہے۔'' لیونا کا انداز لاپرواہ سا تھا وہ بہت بولڈ اور ہر بات منہ پر کہنے والی لڑکی تھی جبکہ اس کے برعکس مارجرین بہت ہی جائز باتوں پر بھی نہ بول سکتی تھی۔ وہ لڑنے جھگڑنے سے بہت گھبراتی تھی۔ پُر امن ماحول کے لیے خاموشی کی چادر اوڑھ لیتی۔ تبھی تو اس کی اسٹیپ مدر اسے اپنے گھر میں رکھنے کے پیسے لیتی تھیں اور وہ ہر ماہ انہیں رقم تھما دیتی تھی۔ اور اپنے اخراجات کے لیے اس نے ایک ریسٹورنٹ میں ویٹر کی جاب کر لی تھی۔ اور یونیورسٹی میں اسے اسکالرشپ ملا ہوا تھا۔ ورنہ وہ شاید اتنی بڑی یونیورسٹی میں اپنے مل پر نہ پڑھ سکتی تھی۔

☆......☆

''صبح صبح کیوں فون کر رہے ہو؟'' پارس کی سوئی سوئی سی آواز فون ابھری۔

''کیونکہ میں جاگ رہا ہوں تو تم کیسے سو سکتی ہو۔'' مزے سے جواب آیا۔

''تم کیوں اتنی صبح جاگ رہے ہو؟'' پارس نے نیند سے بند آنکھوں کو بمشکل کھولا تھا۔

''حسیناؤں کو دیکھنے کے لیے۔'' بلاج نے جل کر جواب دیا۔

''تم وہاں یہ کام کر رہے ہو اور بہانے ٹریننگ کے واہ مسٹر بلاج ضیا۔'' پارس جس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں بلاج کی بات سن کر پوری کی پوری کھل گئی۔

''ہاہاہا۔'' بلاج کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''جلنے کی بو آ رہی ہے مجھے۔''

''تمہاری وہ حسینائیں جل رہی ہوں گی۔'' پارس نے لفظ حسیناؤں کو اچھا خاصہ لمبا کیا۔

''ان میں تم بھی تو شامل ہو۔'' بلاج نے اسے مزید تپایا۔

''تم مجھے اس لسٹ میں شامل نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔'' دوسری طرف سے وارن کیا گیا۔

''او کے تمہیں دوسری لسٹ میں ایڈ کر لیتا ہوں۔'' بلاج نے اس کے غصے کو مزید ہوا دی۔

"بلاج ضیا! ایک بات یاد رکھنا میں تمہاری فرسٹ سیکنڈ یا تھرڈ کسی بھی لسٹ میں نہیں آتی۔ میں جو ہوں جیسی ہوں ٹھیک ہوں آئندہ مجھے ان چپاخہ لڑکیوں کے ساتھ نہیں ملانا۔" غصے سے کہہ کر لائن کاٹ دی گئی۔

بلاج کافی دیر تک اس کی بے وقوفی اور معصوم انداز پر ہنستا رہا جانتا تھا کہ وہ ناراض ہو گئی ہے۔ اسی لیے تو اسے کال بیک کی دوسری طرف سے موبائل بند کر دیا گیا تھا ایک بار دو بار تین بار اور پھر بار بار کال کرنے پر بھی کوئی جواب موصول نہ ہوا تو اس نے موبائل پاکٹ میں رکھ لیا اور تیار ہونے لگا۔ کیونکہ اس کی ٹریننگ کا ٹائم ہو رہا تھا۔

دوسری طرف پارس کو غصہ آ رہا تھا کہ بلاج نے اسے دوسری لڑکیوں کے ساتھ کمپیئر کیوں کیا۔

"اگر واقعی اس نے کوئی حسینہ ڈھونڈ لی تو۔"

"کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو گی۔" طرح طرح کے سوال اسے پریشان کر رہے تھے۔ نہیں وہ مذاق کر رہا ہو گا۔

"اور اگر سچ ہوا تو۔" دل نے اسے ڈرایا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ جتنی بھی خوبصورت ہو پارس ضیا جیسی نہیں ہو سکتی۔" اس نے خود کو تسلی دی مگر دل تھا کہ بے چین۔

"اُف اس بلاج کے بچے نے میری ساری نیند خراب کر دی خود تو جاگ رہا ہے مجھے سونے نہیں دیا۔" وہ سارے خیالات جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆......☆

ریڈ لانگ کوٹ پہنے بلیک مفلر گلے میں لپیٹے مارجرین کے ریسٹورنٹ کے جانب اٹھتے قدم خود بخود انداز کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ صبح والی گفتگو یاد کر کے ایک بار پھر شرمندگی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اسے لیونا کو منع کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ہر بار کی طرح بہت کوشش کے باوجود بھی وہ بول نہ پائی تھی۔ اس کی خاموشی سے شہہ پا کر لیونا نے انداز کو آتی سنا دی۔

"کیا وہ مجھے معاف کرے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ماما کی طرح دروازہ ہی نہ کھولے اور مجھے باہر سے دفع ہو جانے کو کہے۔" مختلف سوچوں کو سوچتے ہوئے اس نے کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ پہلی بار پر کوئی جواب نہ آیا۔ کچھ سوچ کر اس نے دوسری بار کال بیل دی۔ جواب اس دفعہ بھی ندارد تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ گھر پر ہی نہ ہو۔" تیسری دفعہ کال بیل بجانے کے بجائے وہ واپس کے لیے مڑ گئی۔ ابھی وہ سیڑھیوں پر ہی تھی جب انداز کی پیچھے سے آواز سنائی دی۔

"مارجرین!" وہ اپارٹمنٹ کی آخری سیڑھی پر تھی پلٹ کر دیکھا تو انداز دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

"آئی ایم سوری میں نماز پڑھ رہا تھا اس لیے تھوڑا لیٹ دروازہ کھولا۔" انداز کی بات پر مارجرین نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔ وہ سفید شلوار سوٹ میں سفید ٹوپی لگائے کھڑا تھا۔

"اٹس اوکے۔" وہ مسکرا دی۔

"آؤ اندر آؤ نا۔" انداز نے مسکراتے ہوئے اس کو اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ اس کے ہمراہ چلی آئی۔ باہر کی نسبت اندر کا ماحول کافی گرم تھا۔ اس لیے اس نے اپنا کوٹ اتار کر لٹکا دیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔ مارجرین کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں سے بات شروع کرے وہ لفظوں کو توڑنے جوڑنے میں مصروف تھی جب انداز نے اس خاموشی کو توڑا۔

''آپ یونیورسٹی میں کیا کر رہی ہیں؟''

''میں آرٹ اینڈ پینٹنگ کی کلاسز لیتی ہوں۔ کیونکہ مجھے خوبصورت چیزوں اور مناظر میں رنگ بھرنا اچھا لگتا ہے۔ خاص طور پر نیچر کو ڈرا کرنا مجھے بہت پسند ہے۔'' انداذ کے مختصر سوال پر مارجرین نے تفصیل سے انگلش میں جواب دیا۔

''اوہ دیٹس گڈ!۔ میں یہاں بزنس ایڈمنسٹریشن کے کچھ کورسز کے لیے آیا ہوں۔'' انداذ نے اسے سراہتی نظروں کے ساتھ دیکھتے ہوئے اپنے متعلق بتایا۔

''آپ چائے لیں گی یا کافی' چونکہ کوئی میڈ نہیں ہے اس لیے مجھے خود ہی آداب میزبانی نبھانے ہوں گے۔'' انداذ اپنی طبیعت کے بالکل برعکس تھوڑا شرارتی انداز اور لہجہ لیے پوچھ رہا تھا۔

''آپ رہنے دیں میں بنا دیتی ہوں۔'' مارجرین نے انداذ کے اٹھنے پر فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔

''کیا یہ بھی کوئی شکریہ ادا کرنے کا نیا طریقہ ہے یا۔'' انداذ نے اس کی صبح والی بات کو ذہن میں لاتے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا جبکہ مارجرین کو کچھ دیر والی شرمندگی ایک بار پھر گھیر چکی تھی' وہ خاموشی سے سر جھکا گئی انداذ کو بھی اس کے سر جھکانے پر احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی کہہ گیا ہے اسے تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے الٹا میں نے ہی اسے سنا دی۔

''آئی ایم سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا میں تو بس۔'' انداذ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کن لفظوں میں وضاحت کرے۔

''نہیں انداذ! سوری تو مجھے آپ سے کرنی ہے صبح لیونا کو آپ سے یوں بات نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن یہ بولڈنس اس کی طبیعت کا خاصا ہے اس کے دل میں جو بات ہوتی ہے وہ منہ پر کہہ دیتی ہے وقتی طور پر اس کی بات بری ضرور لگتی ہے لیکن کچھ وقت گزرنے پر یہ احساس ہوتا ہے کہ شی از رائٹ۔'' مارجرین نے انداذ کی ادھوری بات اچکتے ہوئے بالآخر سوری کر ہی دیا تھا۔

''ارے نہیں آپ کیوں سوری کر رہی ہیں مجھے لیونا سے کوئی گلہ نہیں ہے کسی حد تک وہ بھی ٹھیک تھی اور میں صبح کلاس سے لیٹ ہو رہا تھا اس لئے جلدی چلا گیا تھا ورنہ اس سے تفصیلی بحث و مباحثہ کرتا۔'' انداذ کا ہلکا پھلکا لہجہ دیکھ کر مارجرین کی اٹکی سانس بھی بحال ہو گئی۔

''اب تو کافی میں ہی بناؤں گی۔''

''وائے ناٹ۔''

مارجرین مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی جبکہ انداذ موبائل میں مصروف ہو گیا۔ سیل فون میں گیلری آپشن پر جونہی اس نے فنگر ٹچ کی تمام گھر والوں کے ہنستے مسکراتے چہرے سامنے آ گئے۔ وہ ایک کے بعد ایک تصویر کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ یہ ساری تصویریں اس نے بنا بتائے کھینچی تھیں جس میں ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا' اور اپنے سیل فون میں محفوظ کر لی تھیں مارجرین جب کافی بنا کر واپس آئی تو انداذ کو مسکراتے ہوئے فون اسکرین کو گھورتے ہوئے دیکھا۔ شاید وہ اس کی ماما کی تصویر تھی۔ کپ ٹیبل پر رکھتے پر اسے احساس ہوا کہ کافی بن چکی ہے۔

''شی از مائی گرینی!'' انداذ نے فون اسکرین مارجرین کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ شی از ٹو ینگ۔'' مارجرین کو واقعی ہی حیرت ہوئی تھی کہ اس کی نانی ماں اتنی ینگ ہیں جبکہ وہ اسے انداذ

کی ماما سمجھ رہی تھی۔ انداز نے ایک کے بعد ایک تصویر دکھاتے ہوئے اسے تمام اہل خانہ سے ملوایا۔ دو گھنٹے انداز کے اپارٹمنٹ میں گزار کر ہوٹل کی طرف اٹھتے قدموں میں ایک عجیب سی سرشاری سی تھی۔ وہ بہت خوش سی ریسٹورنٹ پہنچ کر اپنا کام سنبھال چکی تھی۔ آج نہ تو اسے لوگوں کے نخروں پر غصہ آرہا تھا اور نہ ہی وہ آرڈر لیتے وقت کوفت کا شکار ہو رہی تھی۔ واقعی کسی نے سچ کہا ہے دل کا خوبصورت موسم باہر کے ہر موسم پر حاوی ہو جاتا ہے۔ آپ کے اندر اگر خوشیوں کے دیپ جل رہے ہیں تو پھر باہر کی ویرانیاں اور اداسی آپ کو بھی اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتی۔ وقتی طور پر ہی سہی آپ ہر ٹینشن کو بھول جاتے ہیں۔

☆......☆

''رخشی پھپھو کیا کر رہی ہیں؟'' پارس نے رخشندہ بیگم کے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔

''میں اپنی بیٹی کی برتھ ڈے پارٹی پلان کر رہی ہوں۔'' وہ آنکھوں میں آئی نمی کو چھپاتے ہوئے بظاہر مسکرائیں۔

''پھپھو جانی!'' آہستہ سی آواز میں پکارا گیا۔

''جی بیٹا!'' رخشندہ کے لہجے میں افسردگی اور نمی واضح تھی۔

''آپ انداز بھیا اور بلاج کو مس کر رہی ہیں نا؟'' پارس نے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بس ایسے ہی۔'' ان سے کوئی بات نہ بن پڑی اور آنکھیں تھیں کہ چھلکنے کو بے تاب۔

''پھپھو جانی! مجھے بھی وہ بہت یاد آتے ہیں' انداز بھیا تو پھر بھی روزانہ بات کرتے ہیں مگر بلاج تو ہمیں جا کے بھول ہی گیا ہے۔''

''بلاج کے تو میں کان کھینچوں گی تم دیکھنا میں کیسے اس کی خبر لیتی ہوں۔ تم بتاؤ تمہیں وہ لڑکی کیسی لگی؟'' رخشندہ نے بات کے اختتام پر موضوع بدلا۔

''پھپھو جانی! سچ بتاؤں تو مجھے وہ لڑکی بالکل اچھی نہیں لگی' وہ تصویر میں اتنی ٹف لُک دے رہی ہیں' تو حقیقت میں تو اور بھی سنجیدہ ہوں گی انداز بھیا تو پہلے ہی اتنا خاموش رہتے ہیں ان کے لئے تو کوئی ایسی لڑکی ہو جو انہیں ہنسنا بولنا سکھا دے۔ اس لئے یہ میری طرف سے ریجیکٹ ہے۔'' پارس نے اسے مسترد کیا۔

''ہم م م م...... پھر تو کوئی بولتی مینا ہوگی تمہاری نظر میں؟'' رخشندہ نے مشکوک نظروں سے اپنی لاڈلی بھتیجی کو دیکھا۔

''آہم...... پھپھو جانی! یہ تو انداز بھیا ہی بتا سکتے ہیں میں آج رات بات کروں گی ان سے پوچھوں گی کہ بھیا یا تو کسی بولتی مینا کا پتا بتا دیں یا پھر ہم کوئی سخت اسکول کی سخت ٹیچر لے آئیں۔''

''بہت شرارتی ہو گئی ہو۔''

''وہ تو میں ہوں۔'' وہ اترائی۔

''تھوڑی سمجھدار بھی ہو۔'' کچھ دیر پہلے اس کی طرف سے ملنے والی رائے کو سوچتے ہوئے رخشندہ بیگم نے کہا۔

''تھوڑی کیوں بہت کیوں نہیں۔''

''بہت تو تب ہو گی جب تم بلاج کی دلہن بن جاؤ گی اور اس گھر کو سنبھالو گی۔'' وہ پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ پارس کو جی بھر کر شرم آئی۔ جس کی وجہ سے وہ پھپھو کے دوپٹے کو منہ پہ ڈال چکی تھی۔ رخشندہ

بھی اس کے مظاہرے کو دیکھ چکی تھیں اس لئے انہوں نے بات بدل دی۔
''کیا گفٹ لوگی اس دفعہ اپنی برتھ ڈے پر؟''
''کچھ بھی نہیں' پھپھو جانی میں نے سوچا ہے میں اس دفعہ برتھ ڈے سیلیبریٹ ہی نہ کروں' جب انداز بھیا آ جائیں گے پھر کرلیں گے۔'' پارس کے جواب پر وہ قدرے حیران ہوئی تھی وہ تو بھی کسی کو معاف نہیں کرتی تھی۔
''کیا بات ہے اس دفعہ آپ خود ہی پارٹی پوسٹ پونڈ کر رہی ہو ابوری تھنگ از اوکے۔''
''یس پھپھو جانی! آئی ایم اوکے' بٹ اس دفعہ گھر کے آدھے افراد تو گھر پہ نہیں ہیں پاپا بھی بزنس ٹور پر ہیں۔ انداز بھیا بھی اور بلاج کی بھی ٹریننگ چل رہی ہے' جب سب اکٹھے ہوں گے پھر کریں گے نا پارٹی۔'' وہ آنکھیں بند کئے ہوئے سب کو یاد کرتے ہوئے کہہ رہی تھی' زخشندہ بھی اس کی بات پر چپ کر گئی تھیں یہ بات سچ تھی کہ اس گھر کے مکین جس قدر محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے تھے اس کی مثال نہیں ملتی تھی اور اب دور جانے پہ گھر سونا سونا سا لگ رہا تھا۔

☆......☆

''تو فائنلی تم نے کول سے شادی کا فیصلہ کر ہی لیا۔''
''ہاں میں نے اور کول نے یہی سوچا ہے کہ ہم شادی کرلیں کل بھی تو کرنی ہے آج کیوں نہیں؟ میں تو تمہیں بھی مشورہ دیتی ہوں کب تک اپنی اسٹیپ مدر کی باتیں سنو گی کسی بھی اچھے لڑکے کو دیکھ کر شادی کرلو۔'' لیونا نے مارجرین کو پرخلوص سا مشورہ دیا۔ لیونا کی بات پر مارجرین کی تصوراتی آنکھ میں انداز کا سراپا آ کر ٹھہر گیا۔
''اچھے لڑکے کہاں ملتے ہیں تم ان کا ایڈریس دو میں شادی کرلوں گی۔'' مارجرین کا لہجہ طنز بھرا تھا۔
''اچھا لڑکا ڈھونڈنے سے ہی ملے گا اور تم بھی تو آج تک نہ خود کسی لڑکے کی طرف بڑھی اور نہ کسی اور کو بڑھنے دیا۔ کالج میں جیم کتنا تمہارے پیچھے پھرا کرتا تھا اور وہ رابرٹ اب بھی مجھے ملے تو سب سے پہلے تمہارا ہی پوچھتا ہے۔ تم ان میں سے کسی کو تو پازیٹو رسپونس دے دو۔'' لیونا اسے ان سب کے نام یاد کروا رہی تھی جو اس کی طرف بڑھے تھے۔
''ان میں سے کوئی بھی انداز کی طرح نماز نہیں پڑھتا۔'' مارجرین جب بولی تو اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔
''ڈونٹ بی سلی مارجرین! انداز نماز اس لئے پڑھتا ہے کیونکہ اس کے مذہب میں اس کا حکم ہے' ہم اپنے مذہب کے مطابق اپنے طریقے سے عبادت کرتے ہیں' وائے ڈونٹ یو انڈرسٹینڈ۔'' لیونا کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لے وہ دوسرے مذہب کے فرد کو ہمارے ساتھ کمپیئر کر رہی ہے۔
''لیونا! اگر میں نے کسی لڑکے کو سوچا ہے تو وہ صرف انداز ہے ورنہ آج تک تم جانتی ہو میری دلچسپی لڑکوں میں صفر رہی ہے۔ مجھے ان کی کوئی بھی بات اٹریکٹ نہیں کرتی' بٹ مجھے انداز کی ہر بات نے اٹریکٹ کیا ہے' وہ نماز پڑھتا ہے نظریں جھکا کے بات کرتا ہے' میں نے اتنے دنوں میں ایک بار بھی اسے شاؤٹ کرتے نہیں سنا۔ ایون اس نے اس دن تمہاری باتوں کا جواب بھی کتنے تحمل سے دیا تھا' وہ جب بھی تم سے ملا میں نے اس کے لہجے میں تمہارے لئے گرم جوشی ہی دیکھی جبکہ تم دونوں کی پہلی ملاقات کوئی خاص اچھی نہیں تھی اور سب سے بڑھ کے پاکستان میں اس کی فیملی بہت لوونگ ہے جب میں اپنے گھر کو اس کے گھر کے ماحول سے کمپیئر کرتی ہوں تو مجھے لگتا ہے ہم صرف ساتھ رہتے ہیں' محبت تو پیچھے کہیں کھو گئی ہے' کسی روبوٹ کی طرح اپنے اپنے ٹریک پر چلتے

رہتے ہیں اور ایک دن تھک کر گر جاتے ہیں کیا یہی ہے زندگی؟ زندگی کا مقصد صرف کام ہے محبت نام کا کوئی لفظ کیوں نہیں ہے ہماری زندگیوں میں' صرف پیسہ ہی سب کچھ ہے۔" نپے تلے الفاظ بولنے والی مارجرین اپنی طبیعت کے برخلاف اتنا بول رہی تھی۔

"اوہ تو اس پاکستانی نے تمہیں اپنی اچھائیوں کے جال میں پھنسا ہی لیا' وہ صرف اپنا مطلب پورا کرے گا اور وقت آنے پر تمہیں چھوڑ کر پاکستان چلا جائے گا' پھر پلٹ کر خبر بھی نہیں لے گا' اس کی محبت کا مقصد صرف اور صرف گرین کارڈ کا حصول ہے جو اسے تمہاری شکل میں با آسانی مل جائے گا۔" لیونا اس کی ساری تقریر سے یہی مطلب اخذ کر پائی تھی۔

"تم اتنا غلط کیوں سوچتی ہو اس کے بارے میں؟ میں نے جو کچھ بھی تم سے کہا وہ میری آبزرویشن اور فیلنگز ہیں اسے تو شاید خبر بھی نہیں کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے اور جہاں تک گرین کارڈ کی بات ہے تو یہاں رہائش اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ ایون وہ تو یہاں رہنا ہی نہیں چاہتا نیکسٹ منتھ وہ پاکستان واپس جا رہا ہے اور گزرتے ہر دن کے ساتھ مجھے یہی لگ رہا ہے وہ میرے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسلتا جا رہا ہے اور ایک دن میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔" لیونا غیر محسوس طریقے سے اسے بڑی توجہ سے نوٹ کر رہی تھی۔

"مارجرین! میں مان لیتی ہوں تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے لیکن ایک بات تمہیں بھی ماننی ہو گی پاکستان میں زندگی بہت مشکل ہے' وہاں بھوک و افلاس ہے' لوڈ شیڈنگ' پاپولیشن' دہشت گردی سو طرح کے مسائل ہیں تم وہاں ایڈجسٹ نہیں کر پاؤ گی۔"

"مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر مجھے وہاں کے لوگوں کی بے بہا محبتیں مل گئیں تو میں ہر طرح کے حالات میں ایڈجسٹ کر لوں گی۔" مارجرین نے اس کی ساری منظر کشی کے جواب میں کہا۔

"یہ محبت کا خمار صرف چار دن کا ہے جب سر سے عشق کا بھوت اتر جائے تو سب کچھ واضح نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور جس دن تم پر یہ حقیقت آشکار ہوئی اس دن پچھتاوے تمہارے دامن میں ہوں گے اور محبت کہیں دور ویران بستی میں جا سوئے گی۔" لیونا اسے ہر طریقے سے سمجھانا چاہتی تھی تاکہ پھر سے وہ سب نہ دہرائے جو لیونا کی ماں ایک بار کر چکی ہے وہ بھی ایک پاکستانی کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی اور وہ پاکستانی ملنے کے بہانے پاکستان آیا پھر کبھی نہ پلٹ کر دیکھا اس نے کہ اس کی بیوی اور بیٹی باہر کے ملک میں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ لیونا کی ماں اس شخص کی بے وفائی برداشت نہ کر سکی اور مر گئی۔ اسی لئے لیونا کو پاکستان اور وہاں کے ہر شخص سے نفرت تھی جس کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار بھی کرتی رہتی تھی اور اب وہ مارجرین کو بھی اسی لئے سمجھا رہی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے کنویں میں چھلانگ نہ لگائے' لیکن مارجرین کو ماسوائے محبت کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆

آٹھ ماہ کیسے پر لگا کے اڑے اعداد کو پتا بھی نہ چلا اور ٹھیک دو دن بعد اس کی پاکستان واپسی تھی۔ ابھی یوں ہی لگ رہا تھا جیسے کل کی بات ہو جب وہ یہاں آیا تھا' لیکن یہ حقیقت تھی کہ ٹائم گزر چکا تھا اور شاید یہ مارجرین کے ساتھ کا اعجاز تھا جو اسے آٹھ ماہ بہت مختصر سے لگے تھے اس کا دل دعا گو تھا کہ یا اسے مارجرین مل جائے یا یہ وقت ٹھہر جائے۔

"مارجرین تو تب ملے گی جب تم اس سے بات کرو گے اور وقت کبھی ٹھہرتا نہیں چلتا رہتا ہے۔" دماغ نے اسے ترغیب دی دل بھی دماغ کی بات سے مکمل طور پر متفق ہوا تھا کچھ سوچ کر اعداد نے مارجرین کا نمبر ڈائل

کر دیا۔
''ہیلو مارجرین! آر یو فری؟'' فون اٹھانے پر انداز نے پوچھا۔
''یس کہو۔''
''کیا تم میرے ساتھ شاپنگ مال تک چلوگی ایکچوئیلی سب کے لئے گفٹ لینے ہیں اور آج سے پہلے کبھی ایسا ایکسپیریئنس بھی نہیں رہا سو ول یو ہیلپ می؟'' گھبراہٹ کے مارے وہ جو اسے ڈنر کی آفر کرنے والا تھا شاپنگ کی کر گیا۔ اس نے آدھے گھنٹے تک آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور وہ خود پہ ہی غصے جارہا تھا۔ دماغ نے اسے نکما قرار دے دیا تھا۔ وہ اگر ڈنر کی آفر نہیں کر سکتا تو پرپوز کیا خاک کرے گا۔
''نہیں نہیں میں اسے پرپوز کرلوں گا اگر آج نہ کر سکا تو شاید پھر کبھی نہ کر پاؤں۔'' دماغ کے لتاڑنے پر اس نے مصمم ارادہ کیا۔
''اچھا کیسے پرپوز کرو گے؟'' دماغ نے اسے چیلنج کیا۔
''ایسے..... میں کہوں گا ''ول یو میری می'' نہیں یہ تو بہت پرانا انداز ہے۔ چلو ایسا کروں گا ایک پھول لے جاؤں گا اور کہوں گا یہ میری محبت ہے قبول کر لیجیے۔''
''کیا تم نوے کی دہائی میں رہتے ہو جو ایسے کہو گے۔'' دماغ نے یہ طریقہ بھی رد کیا۔
''چلو پھر کہوں گا مارجرین میرے ساتھ پاکستان چلو گی۔'' ''تم اسے پرپوز کر رہے ہو یا پاکستان آنے کا دعوت نامہ دے رہے ہو۔ دماغ ہنسا۔
''اف...... پھر کیا کہوں؟'' وہ جھنجلایا۔
''کچھ نیا اسٹائل اپناؤ جس سے وہ امپریس ہو جائے۔'' دماغ نے نئی ترکیب حاضر کردی۔
''ٹھیک ہے پھر صاف صاف کہہ دوں گا مارجرین میں شاعر نہیں ہوں جو تمہارے لئے غزل لکھوں گا اور کہوں گا کہ یہ میرا محبت نامہ ہے اس لئے سیدھے اور صاف لفظوں میں بات اتنی سی ہے آئی لو یو۔'' انداز نے گویا ارادہ کر لیا تھا یہ سب کہنے کا مگر اس بار دل اور دماغ دونوں ہنس پڑے۔
''اب کیا ہے'' ''یوں تو تم منٹوں میں فیل ہو جاؤ گے کچھ اور سوچو ذرا دل سے لفظ نکالو۔
''لفظ ہیں کوئی خون نہیں جو دل سے نکالو'' دماغ کی بات پر گویا انداز کو غصہ آیا۔
''لوزر'' دماغ کو بھی غصہ آیا۔
''اچھا ایک اور ٹرائی کرتا ہوں؟ میں کہوں گا مارجرین تمہارا ساتھ مجھے مکمل کر دیتا ہے میں زندگی کے اس سفر میں تمہیں ہمسفر بنانا چاہتا ہوں ول یو میری می۔''
واہ انداز بیٹا کیا جملہ بولا ہے۔ وہ خود کو ہی داد دینے لگا اس بار دماغ بھی خاموش رہا۔ گویا قبولیت کی سند مل چکی تھی۔
''او گاڈ! میں نے آدھا گھنٹہ انہی باتوں میں ویسٹ کر دیا مارجرین میرا انتظار کر رہی ہوگی ہری اپ جلدی نکلو۔'' گھڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور واقعی ہی مارجرین اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بلیک لانگ کوٹ پہنے سر پر ہیٹ جمائے وہ بلاشبہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ انداز کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ دونوں ساتھ میں چلتے ہوئے ہال کے اندر آ گئے۔ مارجرین بہت سوچ سمجھ کر گفٹ لے رہی تھی سب کے لئے اور انداز اسے ہر لحہ سراہتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مارجرین کے لیے ستائش

ہی ستائش تھی۔ ایک جیولری شاپ کے قریب سے گزرتے ہوئے انداز مارجرین کو رکنے کا کہہ کر اندر چلا گیا مارجرین آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی جبکہ انداز نے ایک خوبصورت سا نیکلس اس کے لئے لیا اور پیک کروا کے باہر آ گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے ہمراہ باہر آ رہے تھے جب انداز کے لبوں پر ایک دعا آ کر ٹھہر گئی۔

"کاش! یہ لڑکی یوں ہی میرے ہمراہ چلتی رہے کتنا سمیٹ دیا ہے اس نے میری ذات کو۔"

انداز کے یوں محویت سے تکنے پر مارجرین نے اس کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں گویا دھڑکنوں نے شور مچا دیا' جذبات کا منہ زور طوفان اُمڈ رہا تھا انداز نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدل لیا' مارجرین بھی اگلے کچھ منٹوں میں اس کی نظروں کے حصار سے نکل آئی تھی دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش اپنی فیلنگز سمجھنے سے قاصر تھے۔ دل محبت کا راگ الاپ رہا تھا مگر یہ بات سچ تھی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محبت کے نشے میں گم تھے' لیکن زبان کے راستے لفظوں کو اظہار کا روپ دینے میں پہل کوئی نہیں کر رہا تھا۔

مارجرین نے دوبارہ انداز کی طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی جبکہ انداز کا دل بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھے دھڑکنوں کا یہ شور پھر سے اٹھے اور وہ دونوں صم سے اس شور کی بے تابیوں اور بے قراریوں کو محسوس کریں صرف ایک پل کو وہ پل پھر سے آئے جس کی قید میں وہ ساری عمر گزار دے۔ دوسری طرف مارجرین کو خود پر گڑی انداز کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں دل تھا کہ پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب انداز کو اچانک ہی اپنی حد سے بڑھتی ہوئی نگاہوں کا اندازہ ہو گیا اس لئے وہ سنبھل گیا۔ دل کے جذبات کے اٹھتے شور پر اس نے کان بند کر لئے تھے۔ "ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا پھر آج کیا ہوا مجھے میں کیوں اتنا اور ہو گیا۔ مارجرین بھی کیا سوچتی ہو گی میرے بارے میں۔"

"کافی ٹائم ہو رہا ہے آئی تھنک ہمیں ڈنر کر لینا چاہئے۔" انداز نے اپنی تمام کیفیات پر قابو پا کر مارجرین سے پوچھا۔ مارجرین جواباً خاموش ہی رہی گویا اس کی خاموشی اس کی ہاں تھی۔ دونوں قریبی ریسٹورنٹ میں آ گئے۔ انداز نے نسبتاً کونے والی ٹیبل کو ترجیح دی تھی۔ ٹیبل کے دائیں طرف گلاس وال پر لگا خوبصورت سا وال پیپر بہت اچھا تاثر پیش کر رہا تھا۔ جس میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور پانی کے اوپر تیرتے دیے اس منظر کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ مارجرین تو اس مصنوعی منظر میں جیسے کھو سی گئی تھی اور بے اختیار بولی۔

"واؤ انداز! اٹس سو بیوٹی فل۔"

"ہاں اٹس بیوٹی فل...... بٹ اس کی خوبصورتی تم سے زیادہ نہیں جس ماحول کا حصہ تم بن جاؤ وہ ماحول خوبصورت ترین بن جاتا ہے اور اس سے منسلک موسم دلکش لگنے لگتا ہے۔ زندگی اتنی حسین تم سے ملنے سے پہلے مجھے کبھی نہیں لگی تھی اور اب تم سے ملنے کے بعد گزرتے ہر لمحے کے ساتھ میرے دل سے یہی دعا نکلتی ہے کاش وقت تھم جائے اور یہ لمحے یہ ساعتیں تمہارے سنگ صدیوں پہ محیط ہو جائیں۔" وہ سانس لینے کو رکا اور مارجرین پلک جھپکے بغیر اسے سن رہی تھی۔

"مجھے آج یہ اعتراف کر لینے دو مجھے تم سے محبت ہے بے پناہ اور بے حد ہے میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کو پہلی دفعہ دیکھ کے میرے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی تھی ہاں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ آپ کو دیکھ کر تھمتی دھڑکنیں چلنے لگتی ہیں۔ دل سرگوشیوں میں محبت کا پتہ دیتا ہے۔ آئی ڈونٹ نو مارجرین تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو بٹ میں یہ بات پوری سچائی سے کہنا چاہتا ہوں دل یو میری می؟"

انداز نے خوبصورت سرخ گلاب گلدان میں سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے پرپوز کیا۔
مارجرین کو اس لمحے سمجھ نہیں آیا کہ اس کی کس پہر کی مانگی دعا قبول ہو گئی ہے۔ جس شخص کو وہ گاڈ سے مانگتی تھی آج وہی شخص سامنے بیٹھا اسے اس سے مانگ رہا تھا۔ جس کا کہا گیا ہر لفظ سچائی میں ڈوبا تھا۔
انداز جواب کا منتظر ابھی بھی اس کے سامنے پھول بڑھائے بیٹھا تھا۔ مارجرین نے ہاتھ بڑھا کر پھول لے لیا جس کا مطلب اس کا جواب مثبت تھا۔
''مارجرین! تمہیں اندازہ نہیں ہے تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی سے ہمکنار کیا ہے۔ تھینک یو سو مچ' کیا تم میرے ساتھ پاکستان چلوگی جہاں میری فیملی ہے۔ نانو ہیں ماما ہیں وہ سب تمہیں بہت محبت دیں گے اتنی کہ تمہیں تمہارا ملک یاد نہیں آئے گا۔'' انداز خوشی سے سرشار اسے ان سب محبتوں کا پتا دے رہا تھا جو پاکستان میں بستی ہیں۔
''انداز! شادی کے بعد لڑکی اسی شہر اور ملک میں رہتی ہے جہاں اس کا شوہر رہتا ہے اس لئے میں بھی پاکستان میں رہوں گی جہاں تم رہو گے۔'' مارجرین کے اس خوبصورت جواب پر انداز نہال ہو گیا تھا۔
باتوں کے درمیان ہی کھانا آ گیا وہ دونوں مستقبل کی پلاننگ کرتے ڈنر کرنے لگے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا وہ جب باہر نکلے تو رات کے 11 بج رہے تھے۔ باہر نکلتے پر پتہ چلا کہ برف باری ہو رہی ہے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے مین روڈ پر آ گئے۔ مارجرین نے ہائی ہیل پہنی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت سلو قدم رکھ رہی تھی کہ کہیں پھسل نہ جائے اور ہوا بھی یوں ہی چلتے چلتے اس کا پاؤں پھسل گیا اس نے سنبھلنے کے لئے انداز کا بازو پکڑنا چاہا مگر بازو کی جگہ اس کے کوٹ کا کنارا اس کے ہاتھ آیا۔ انداز نے بھی اسے سنبھالنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے پکڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارجرین گھبرا کر اس کے سینے سے آ لگی اور زور سے آنکھیں بند کر لیں اسے ابھی تک گر جانے کا خوف ہی جکڑے ہوئے تھا۔ سمجھ تو انداز کو بھی نہیں آئی تھی کہ کیا ہوا مارجرین کی گرم سانسیں اسے اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کیے اس لمس کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ مارجرین ابھی بھی اس کے سینے سے لگی تھی۔ انداز جونہی بانہوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ کرنے لگا۔ قریب سے ایک منی چلا چلا گزارا۔ لڑکے نے انداز اور مارجرین کو یوں سڑک پر کھڑے دیکھ کر سیٹی بجائی اور ساتھ ہی اپنی پارٹنر لڑکی کو اشارہ کیا۔ اس نے بھی ان دونوں کو دیکھ سیٹی بجادی۔ مارجرین کے گرد بازو حمائل کرتا انداز ان کی سیٹی پر جیسے ہوش میں آ گیا اور وقت کے ہزارویں حصے میں سنبھل گیا۔ مارجرین بھی انداز کے سینے سے الگ ہو گئی اور خفت سے سر جھکا گئی۔
''الس او کے لاؤ ہاتھ دو۔'' انداز نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سارا راستہ وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہی لایا اور لیونا کے اپارٹمنٹ کے باہر آ کر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی انداز باہر کھڑا رہا اس کے جاتے ہی وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں آ کر بھی ہلکی ہلکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔ محبت کا یہ روپ اس کے لیے بہت دلکش اور حسین تھا، سب کچھ نکھرا نکھرا اور اچھا لگ رہا تھا۔ اپارٹمنٹ کی ہر شے مسکراتی ہوئی نظر آ رہی تھی جیسے وہ سب اس کی خوشی میں خوش ہوں۔ گنگنا رہے ہوں۔

☆......☆

مارجرین کا آج اس ملک میں آخری دن تھا۔ اگلے چند گھنٹوں میں وہ انداز کے ساتھ پاکستان جانے والی تھی۔ رات وہ جب اپنے گھر کچھ ضروری سامان لینے گئی تو اس کی اسٹیپ مدر نے اسے بہت روکنا چاہا اس کو جھوٹے پیار کے واسطے بھی دیے۔ کیوں کہ مارجرین کے جانے سے انہیں ان پیسوں سے ہاتھ دھونا پڑتا جو ہر ماہ

ان کی جیب میں آتے تھے لیکن جب مارجرین نے انہیں اپنے اٹل فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ اسے بددعائیں دینے لگیں کہ اگر وہ کل کو خالی ہاتھ واپس آئی تو وہ اسے نہیں رکھیں گی۔ مارجرین نے واپسی کی ساری کشتیاں جلا دی تھیں۔ وہ اب صرف آگے بڑھنا چاہتی تھی پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ اور انداذ ساری پیکنگ کر چکے تھے۔ جب لیونا اور کول ان سے ملنے آگئے۔ انداذ کول سے پہلی بار مل رہا تھے۔ اس لیے اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ مارجرین اس کی آنکھیں پڑھ چکی تھی۔ اس لیے آگے بڑھ کر تعارف کروانے لگی۔

"انداذ! یہ کول ہے لیونا کا بوائے فرینڈ اور بہت جلد یہ دونوں شادی کرنے والے ہیں۔"

"ہائے نائس ٹو میٹ یو۔" کول نے ہاتھ بڑھایا جسے انداذ نے تھام لیا۔

"انداذ اس نیو ایئر پر کول کا پہلا البم ریلیز ہونے والا ہے، اس کے بعد کول ایک سپر اسٹار بن جائے گا۔ تم ابھی سے کول کا آٹوگراف لے لو اور پاکستان جا کر اپنے دوستوں کو بڑھ چڑھ کے بتانا کہ تم کول سے مل چکے ہو۔" لیونا نے مسکراتے چہرے کے ساتھ کڑوے لفظ کہے۔ مارجرین کو بھی اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اس کے برعکس انداذ نے اس کی بات کا جواب مسکرا کر دیا تھا۔

"الحمدللہ! میرے پاکستان میں ہر طرح کا ٹیلنٹ موجود ہے جس کی بدولت وہ غیر ملکیوں کے بہت سے ریکارڈ توڑ چکے ہیں اور اپنا نام گنیز بک میں لکھوا چکے ہیں اگر تم لوگ پاکستانیوں کو اچھے لفظوں میں یاد رکھو گے تو پاکستانی بھی تم لوگوں کو یاد رکھیں گے اور سراہیں گے کیوں کہ ٹٹ فار ٹیٹ (Tit for Tat)۔"

انداذ کی بات نے لیونا کو سرتاپیر جلا دیا تھا۔ مارجرین نے ماحول کی تلخی کو کم کرنے کے لیے لیونا کو دوسری باتوں میں لگا لیا۔ لیونا وقتی طور پر تو باتوں میں مشغول ہوگئی تھی مگر وہ انداذ کی بات کو نہیں بھولی تھی اور جب تک جوابی کوئی بات اس کے منہ پر مار نہ دیتی تب تک کسی صورت اسے چین نہیں ملنا تھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ سب ایئرپورٹ روانہ ہو گئے تھے۔ لیونا اور کول ان کے ساتھ ہی تھے، مارجرین کو اپنی دوست سے دوری کا دکھ تھا اور آج اس بات کا احساس لیونا کو بھی ہو رہا تھا کہ جیسے بھی تھا مارجرین اس کی ایک مخلص دوست تھی جس نے ہر مشکل وقت پر اس کا ساتھ دیا تھا اور اب وہ دونوں گلے لگیں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کا وعدہ کر رہی تھیں۔ نم آنکھوں کے ساتھ لیونا نے اسے خدا حافظ کہا تھا کول نے بھی مارجرین سے ہاتھ ملایا۔ یہی وہ وقت تھا جب لیونا انداذ سے اپنی انسلٹ کا بدلہ لے سکتی تھی۔

"مارجرین! تمہارا یہ آخری موقع ہے جب تم نے ایک میل سے ہاتھ ملایا کیوں کہ اب تم پاکستان چلی جاؤ گی اور پاکستانی نیرو مائنڈڈ مرد کبھی یہ بات برداشت نہیں کرتے کہ ان کی عورت کسی دوسرے مرد سے ہاتھ ملائے۔" لیونا اپنی طرف سے برج پھینک چکی تھی۔ اب اسے انداذ کی جوابی کارروائی کا انتظار تھا کہ وہ کیسے ایک چٹکے سے یہ بازی اپنے نام کرتا ہے۔

"لیونا! ایک بات بتاؤ کیا ملکہ الزبتھ سے ہر مرد ہاتھ ملا سکتا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ وہ ملکہ ہے اور ملکہ سے ہر ایرا غیرا مرد ہاتھ نہیں ملا سکتا۔" لیونا نے اپنی ہی بات کا مزہ لیا۔

"بالکل اسی طرح پاکستان میں ہر مسلمان لڑکی ہمارے لیے ملکہ الزبتھ کی طرح ہے اور جیسے ہر کوئی ملکہ الزبتھ

سے ہاتھ نہیں ملا سکتا اسی طرح مسلم پرنسز سے بھی ہر مرد ہاتھ نہیں ملا سکتا۔" انداذ نے بہت تحمل سے اس پر اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ پہلی ملاقات کی طرح آخری ملاقات نے بھی کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑا تھا لیونا پر، وہ پہلے روز سے ہی اسے ہر لمحہ نیچا دکھانے کے چکر میں رہی اور انداذ کمال مہارت سے اس کی ہر بازی اور ہر بات کو اس پر ہی الٹ دیتا تھا جس کا نتیجہ لیونا کو غصہ آجاتا لیکن یہ تو آخری ملاقات تھی اور اس میں بھی انداذ کی آخری بات اسے سلگا گئی تھی۔

☆......☆

آج انداذ پاکستان واپس آرہا تھا۔ یہ بات صرف پارس کو پتا تھی کہ ان کے ساتھ مارجرین بھی آرہی ہے۔ وہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ خوشی سے پورے گھر کے چکر کاٹ رہی تھی۔ پارو جان کو بھی انداذ کی پسند کے سارے کھانے بنانے کو کہہ آئی تھی اور اب اس کا روم سیٹ کر رہی تھی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر بڑے گلدان میں تازہ پھول منگوا کر رکھے اور بیڈ کے درمیان میں بہت سارے غبارے پڑے تھے جن پر ویلکم لکھا ہوا تھا۔ سب تیاری مکمل کر کے وہ خود فریش ہونے چل دی۔ لائٹ پنک فراک اور چوڑی دار پاجامے کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے وہ بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔ بالوں کو برش کرتے ہاتھ تھم گئے اور قریب ہی لفظوں کی بازگشت سنائی دی۔

"اگر میرا بس چلے تو میں تمہارے سارے کیچر ہی توڑ دوں۔ مجھے تمہارے کھلے بال اچھے لگتے ہیں انہیں ہمیشہ کھلا ہی رکھا کرو۔"

پارس نے ہاتھ میں پکڑا ربڑ بینڈ واپس دراز میں رکھ دیا اور بالوں کی گھنی آبشار کمر پر گرا لی۔ ہلکی سی پنک لپ اسٹک اور باریک کاجل کی دھار نے اس کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا۔ گاڑی کے ہارن پر اس کا تسلسل ٹوٹا اور وہ باہر کی طرف بھاگی۔

"بھیا۔" وہ انداذ کو دیکھ کر دوڑ کر آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔

"بھیا! یقین نہیں ہو رہا کہ یہ آپ ہی ہیں۔" پارس نے الگ ہوتے ہوئے بے یقینی سی کیفیت میں کہا۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں ہو رہا کہ یہ پری زمین پر کیسے آگئی۔" انداذ کا اشارہ اس کی تیاری کی طرف تھا۔

"بھیا! آپ کی والی پری زیادہ خوب صورت ہے۔" پارس نے مارجرین کو دیکھتے ہوئے اس کے کان میں کہا۔

"بہت شرارتی ہو گئی ہو تم۔" انداذ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور باقی سب سے ملنے لگا۔ پارس مارجرین سے ملنے لگی جو کہ اسے پہلی نظر میں ہی بہت پسند آئی تھی۔ ہاں البتہ وہ مغربی لباس میں ملبوس تھی جو کہ شاید اس کے ماحول کا غماز تھا۔ انداذ نے مارجرین سے سب کا تعارف کروایا اور سب کو یہی بتایا کہ وہ اس کی دوست ہے اور پاکستان دیکھنے آئی ہے۔ اصل بات وہ موقع محل دیکھ کر بتانا چاہتا تھا۔ ابھی ملنے ملانے کا سلسلہ جاری تھا جب ایک شیطان نازل ہو گیا۔

"ہیلو! ایوری باڈی بلاج ضیا کی شاہی سواری تشریف لا چکی ہے لہٰذا استقبال کے لیے پھولوں کی پلیٹیں اٹھا لیں۔" بلاج آتے ہی اپنی جون میں لوٹ آیا تھا۔

"کیسی ہو میری پنک گرل فرینڈ! تمہارے بنا دل نہیں لگتا یقین مانو آرمی والے ہر ہفتے چھٹی نہیں دیتے ورنہ تمہارے ہجر میں آہیں بھرنے کے بجائے میں دوڑا چلا آؤں اور تمہارے چرنوں میں سر رکھ دوں۔" اس کا اگلا ٹارگٹ عریشہ آفندی بنی تھیں جو کہ اس کے تھرڈ کلاس سے ڈائیلاگ پر ہنس رہی تھیں۔ جب کہ مارجرین اس

خاندان کی محبتیں دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اور کہیں دل کے گوشے میں چھپی حسرت بھی پوری کر رہی تھی۔

"ہیلو ڈیئر بھابھی!" بلاج نے مارجرین سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھابھی کا لفظ آہستگی سے اس کے کان کے قریب آ کر کہا۔ جسے سن کر مارجرین کے لب مسکرا اٹھے اور پاس کھڑے انداذ نے بھی اس کا جملہ سن لیا تھا۔

"اوئے باز آجاؤ ورنہ پٹے گا مجھ سے۔" انداذ نے اسے وارن کیا۔

"بھیا! میں تو پارٹی بنا رہا ہوں وہ کیا ہے نا میری پری مجھ سے ناراض ہے سو اسے منانے کے لیے میلپ درکار ہے۔"

"بھیا! ان سے کہیں کہ اپنی ان پریوں سے فرصت مل گئی جو اس پری کا خیال ستانے لگا۔" جواب کافی روٹھے پن سے آیا تھا۔ سب ان کی نوک جھونک کو انجوائے کر رہے تھے۔

"بلاج! بہت کان کھینچوں گا اگر تم نے میری گڑیا کو تنگ کیا تو۔" انداذ نے بلاج کا کان کھینچا۔

"اف بھیا! درد ہو رہا ہے چھوڑیں نا، بسز آپ ہی ضمانت دلوا دیں۔" اس نے مدد طلب نظروں سے مارجرین کی طرف دیکھا۔ مارجرین نے نظر اٹھا کر انداذ کی طرف دیکھا ہی تھا کہ انداذ نے کان چھوڑ دیا۔ بلاج کی زیرک نظروں سے یہ سب مخفی نہ رہ سکا۔

"ارے واہ! ایک نظر کرم پر جان کی خلاصی گویا ان کا کہنا گیا قیامت برپا کرے گا۔" بلاج نے شاعرانہ انداز اپنایا۔ مارجرین ان کی خالص اردو سمجھ تو نہ سکی البتہ اس کی شرارت پر ہنس ضرور پڑی تھی۔

"ارے بچو! یہیں رکنے کا ارادہ ہے چلو اندر چل کر فریش ہو جاؤ، تمہارے نانا اور ماموں بھی آنے والے ہیں۔" عریشہ آفندی نے سب کو ان کے کمروں میں بھیجا۔ انداذ اپنا کمرہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ پورا کمرہ گلاب کی بھینی بھینی خوشبو میں بسا تھا اور بیڈ پر بے شمار غبارے جن پر ویلکم کندہ تھا۔

ادھر بلاج جب اپنے روم میں گیا تو وہاں ایسا کچھ نہیں تھا البتہ ایک چیز ایسی ضرور تھی، جس پر اسے ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ وہ تھی بلاج کی تصویر جو کے تکیے کے پاس الٹی پڑی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ پارس اس کے روم میں آئی ہے یہ سوچ کر ہی بلاج کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

پارس نے مارجرین کو اس کا روم دکھایا جو کہ وہ پہلے ہی سیٹ کروا چکی تھی جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

فریش ہونے کے بعد جب وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر رات کے کھانے کے لیے آئے تو وہیں روحان آفندی اور ضوبیان سے ملاقات ہوئی۔ روحان آفندی نے بہت پرشفقت سا ہاتھ مارجرین کے سر پر رکھا جس پر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں کتنی محبتیں اس نے ان چند گھنٹوں میں سمیٹی تھیں اتنی تو اسے پوری زندگی نہیں ملی تھیں وہ پیاسی تھی ان سب رشتوں اور محبتوں کی اور یہ پیاس اور تشنگی یہاں آ کے پوری ہو رہی تھی۔ ٹیبل پر ساری ڈشز انداذ کی پسند کے مطابق تھیں اور پارس ان کے سر پر کھڑی اس کی پلیٹ میں وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ ڈال رہی تھی۔

"ارے واہ کیا خدمتیں ہو رہی ہیں اور ہمیں کوئی پوچھ ہی نہیں رہا۔" بلاج کی زبان میں کھجلی ہوئی تو کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"بھیا! مجھے کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔" پارس نے ناک پر ہاتھ رکھا اس کے اس انداز پر سب ہنس پڑے۔

کھانے کے بعد سب ٹی وی لاؤنج میں محفل جما چکے تھے۔ جب کہ پارس، پارو (نوکرانی) کو لیے کچن میں آگئی اور چائے کا پانی رکھنے لگی۔ جب پیچھے سے بلاج آگیا۔

"پارو! آپ جائیں میں پری کی میلپ کر دیتا ہوں۔" بلاج نے پارو کو فارغ کیا اور پارس کے قریب آگیا۔

''ناراض ہو مجھ سے؟''
''نہیں تو۔''
''لگ تو رہا ہے۔''
''غلط لگ رہا ہے۔''
''اچھا ادھر تو دیکھو۔'' بلاج نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا اور کان پکڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

بس اک معافی ہماری توبہ کبھی جواب ہم ستائیں تم کو
لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑے اب اور کیسے منائیں تم کو
تو کیا تم اب تک ہماری نگاہوں کے تقاضوں سے بے خبر ہو
ہمیں محبت ہے تم سے پگلی اور اب کیسے بتائیں تم کو

بلاج نے بہت جذب کے ساتھ آنکھیں بند کر کے غزل پڑھی کہ اس کا حرف حرف سچائی میں ڈوبا ہوا لگ رہا تھا۔ ویسے بھی پارس ضوبیان، بلاج ضیاء سے خفا نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لیے دوبارہ سے دوستی ہو گئی۔ پھر سے وہی شرارتیں اور ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔

☆......☆

روحان آفندی نے کامیاب بزنس ڈیل کی خوشی میں رات کو پارٹی رکھی تھی۔ جس میں روحان آفندی کے تمام دوست مدعو تھے جن میں قابل ذکر مدیحہ کی فیملی تھی جس کا پرپوزل وہ لوگ انداز کے لیے چاہ رہے تھے۔ جب سے پارس اور بلاج نے یہ بات سنی تھی وہ مرجوڑے پلاننگ میں مصروف تھے کہ روحان آفندی کو مارجرین پسند آجائے مدیحہ کی بجائے اور اسی پلاننگ کی پہلی کڑی مارجرین کے لیے شاپنگ کرنا تھی اور اس کے لیے پاکستانی ڈریسز لینے تھے اسی لیے پارس اور بلاج اسے لے کر قریبی مال میں آگئے۔ پارس نے اپنے لیے چند ایک چیزیں ہی لی تھیں جب کہ مارجرین کے لیے انہوں نے ڈھیروں شاپنگ کی تھی واپسی پر بلاج اسے سارے راستے اردو سکھاتا رہا۔

شام کی تیاری میں پارس نے اس کی کافی ہیلپ کی تھی۔ کاہی گرین ٹیل میں سنہری بالوں کے ساتھ جس کے آخر میں کرل ڈلے تھے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ پارس خود بھی پنچ اور سلور کام دار فراک میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ وہ ماما اور نانو کے ساتھ آنے والے سب مہمانوں سے مل رہی تھی۔ جب رخشندہ نے اسے آواز دی اور اس کا تعارف مدیحہ اور اس کی فیملی کے ساتھ کروانے لگیں اور پھر انہی کی ہدایت پر وہ مدیحہ کو لیے اس طرف آگئی جہاں بلاج اور مارجرین باتوں میں مصروف تھے۔

نواز اکرم کی فیملی کو انداز بہت پسند آیا تھا۔ جس کا اظہار وہ دبے دبے لفظوں میں پارٹی کے دوران ہی کر چکے تھے۔ وہ تو شاید پرا پر رشتہ مانگ ہی لیتے مگر بلاج کو یونٹ سے ارجنٹ کال آگئی تھی۔ اسی لیے اسے پارٹی کے دوران ہی جانا پڑا اور روحان آفندی نے بھی اس بات کو پھر کسی دن پر اٹھا دیا۔

☆......☆

صبح صبح روحان آفندی جب فجر کی نماز پڑھ کر گھر آئے تو مارجرین لاؤنج میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔
''کیا بات ہے بیٹا! اتنی سردی میں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟'' روحان آفندی نے اس کے قریب جاتے ہوئے پوچھا۔

"دادا جان! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" مارجرین بھی پارس کی دیکھا دیکھی سب رشتوں کو ویسے ہی بلانے لگی تھی جیسے پارس بلاتی تھی۔

"ہاں کہو بیٹا! کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔"

"دادا جان! میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔" بات نہیں گویا بم پھوڑا تھا اس نے روحان آفندی کے سر پر۔

"بیٹا! اسلام قبول کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ مجھے آپ کا یہ فیصلہ بالکل جذباتی لگ رہا ہے۔ مذہب جذباتیت کی بنا پر تبدیل نہیں کیے جاتے اس کے لیے دل سے رضامند ہونا ضروری ہے کیوں کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے لیے آپ کو وہی اپنانا ہوگا جو ہمارے مذہب میں جائز ہے اور اس عادت کو چھوڑنا ہوگا جس سے منع فرمایا گیا۔ حلال اور حرام کا فرق کرنا پڑے گا۔ اسلام جبر کا دین نہیں ہے اور نہ ہی وہ کسی کو مجبور کرتا ہے اسے اپنانے کے لیے بلکہ اسلام بہت امن اور نرمی کا دین ہے۔" روحان آفندی نے اس کے فیصلے کی وضاحت اچھے خاصے کھلے الفاظ میں کی تھی۔

"دادا جان! میں نے اس فیصلے پر بہت سوچا ہے غور کیا ہے لیکن میرا دل مکمل طور پر اسے اپنانے پر مطمئن ہے۔" مارجرین کا لہجہ اٹل تھا۔

وہ اسے لیے قاری صاحب کے پاس چلے آئے قاری صاحب نے اسے کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا، ساتھ ہی اس کا نام بھی بدل دیا۔ اب قاری صاحب اسے بنیادی باتیں بتا رہے تھا، اسلام کے بارے میں جسے وہ بہت توجہ سے سن رہی تھی۔ انہوں نے قاری صاحب کے کہنے پر اس کا نام بسمہ رکھ دیا تھا۔

"روحان آفندی آپ کو بہت بہت مبارک ہو اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ایک غیر ملکی لڑکی آپ کے گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا کرے گا۔" قاری صاحب روحان آفندی کو مبارک باد دیتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

روحان آفندی جب گھر پہنچے تو سب لوگ ناشتے پر ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"آپ اور مارجرین کہاں چلے گئے تھے صبح صبح۔ ڈرائیور بتا رہا تھا کہ آپ نماز پڑھ کر آئے اور مارجرین کو لے کر پھر چلے گئے۔" عریشہ آفندی ان کو دیکھتے ہی ان کی طرف بڑھیں۔

"مارجرین نہیں بسمہ نام ہے میری بیٹی کا۔" روحان آفندی نے اسے اپنے گلے لگاتے ہوئے کہا عریشہ آفندی کے ساتھ تمام اہل خانہ سراپا سوال بنے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے جب کہ انداز مسکرائی نظروں سے مارجرین کو دیکھ رہا تھا کیوں کہ وہ پہلے سے ہی ساری بات جانتا تھا۔

"ہاں بیگم بسمہ اسلام قبول کر چکی ہے اور آج سے یہ میری بیٹی ہے۔ روحان آفندی کی ایک نہیں اب دو بیٹیاں ہیں۔" وہ فخر سے اپنی شریک سفر کو تمام حقیقت بتا رہے تھے، سب افراد ہی اس کے اس اقدام سے بہت خوش تھے۔ سب باری باری اسے مبارک باد دے رہے تھے جب کہ پارس تو اس سے لپٹی کانوں میں سرگوشیاں کیے جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے آج خالی مبارک باد پر ہی ٹرخاؤ گے یا ناشتہ بھی ملے گا۔" روحان آفندی کی بات پر رخشندہ اور نوشین سب کے لیے ناشتہ لگانے لگیں۔ ناشتہ کرتے روحان آفندی کی نظر جب انداز پر پڑی تو وہ آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔ انہوں نے اس کی نظروں کے زاویے پر دیکھا تو جو بات انہیں نظر آئی وہ انہیں حیران کر گئی تھی۔

اس نہج پر انہوں نے پہلے کیوں نہیں سوچا۔

"تو کیا انداز اور بسمہ......؟ یہ بات پہلے کیوں نہیں مجھے نظر آئی اور میں ان دو بچوں کے ہاتھوں پاگل بن گیا میں جو سمجھ رہا تھا بسمہ ہمارے گھر کے ماحول سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہی ہے اس کی اصل وجہ تو انداز ہے۔ نہیں بسمہ کو واپس جانا ہوگا۔ اپنے ملک انداز کے لیے میں مدیحہ کو قائل کر چکا ہوں۔" وہ دل ہی دل میں سارا پلان ترتیب دینے لگے۔

☆......☆

"ماما! پارس بے ہوش پڑی ہے اپنے روم میں۔" بسمہ جب پارس کے روم میں گئی تو پارس کارپٹ پر بے ہوش پڑی تھی کافی کا مگ بھی اوندھا پڑا تھا اور ٹی وی پر چلتی خبریں وہ تو سب دیکھ کر چکرا ہی گئی اور اب ریلنگ پر جھکی سب کو آوازیں دے رہی تھی۔

"ناظرین جیسا کہ ہم آپ کو پہلے بھی آگاہ کر رہے ہیں کہ ورسک روڈ پر موجود آرمی پبلک اسکول پشاور میں سات دہشت گرد گھسے ہیں۔ 10 بجے کے قریب اسکول میں دھماکہ ہوا جس میں 103 بچے شہید ہوئے ہیں جب کہ باقی بچوں کو دہشت گردوں نے اپنی حراست میں لیا ہوا ہے۔ ہمارے پاک فوج کے جوان آپریشن کر رہے ہیں جیسے ہی مزید اطلاع ملتی ہے ہم آپ کو آگاہ کریں گے۔" ٹی وی پر چلتی روح فرسا خبر نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔

"ناظرین پشاور روڈ پر آرمی پبلک اسکول میں ہونے والے دھماکے کی آواز صبح 10 بجے سنی گئی۔ ذرائع کے مطابق پتا چلا ہے کہ دہشت گرد اسکول کی پچھلی جانب سے عمارت میں داخل ہوئے تھے۔" نیوز کاسٹر ایک کے بعد ایک خبر پڑھ رہا تھا۔

"ناظرین ننھے ننھے معصوم بچے جو گھر سے علم حاصل کرنے کے لیے اسکول گئے تھے۔ ان سفاک دہشت گردوں کے ہاتھوں جنت میں چلے گئے۔ دہشت گردوں نے اسکول کی عمارت میں گھس کر اسے اپنی حراست میں لے رکھا ہے۔ 925 بچے اس وقت یرغمال بے دہشت گردوں کی حراست میں ہیں جب کہ 103 بچے شہید ہو چکے ہیں۔ ان بچوں کی شناخت ہو جانے پر ان کی لسٹیں جاری کر دی جائیں گی ورثاء درد و غم کی تصویر بنے اپنے بچوں کی راہ تک رہے ہیں۔

مائیں دروازے تکتی رہ گئیں
بچے اسکول سے جنت چلے گئے

"پارس بیٹا! ہوش کرو کیا ہوا ہے۔" رخشندہ نے پارس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے کہا۔

"پھپھو جانی! وہ بچے......" اس نے اتنا ہی کہا اور رونے لگی۔

"بیٹا! آپ دعا کرو ان بچوں کے لیے قرآن پاک پڑھو اللہ تعالیٰ ان کے ورثاء کو صبر عطا فرمائے۔" عریشہ آنٹی نم آنکھوں سے اسے دلاسا دے رہی تھیں۔

"دادو! کیا وہ دہشت گرد انسان نہیں کیا وہ کسی ماں کے بچے نہیں جو انھوں نے اتنی ماؤں کی گود اجاڑ دی، کیا انہیں تکلیف نہیں ہوئی معصوم بچوں کو مارتے ہوئے۔" ملک بھر میں ہر فرد کی آنکھ نم تھی ہر بچہ، بوڑھا اور جوان رو رہا تھا۔ مائیں چیخیں مار رہی تھیں۔ اپنے لخت جگر کو پکار رہی تھیں۔ اپنے ہی ہاتھوں سے ماؤں نے بچوں کو تیار کر کے جنت بھیج دیا۔ 103 بچے ایک ساتھ جام شہادت نوش فرما گئے۔ اس قیامت خیز گھڑی میں سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ بچے گرم لہو نے موسم کی سردی کو بھی کم کر دیا تھا۔ تاریخ کا سیاہ ترین باب رقم ہو گیا تھا۔ 16 دسمبر

سیاہ دن۔

"ناظرین شہید ہونے والے بچوں کی لاشیں جاری کردی گئی ہیں۔ ورثا روتے اور غم کی تفسیر بنے اپنے معصوم پھولوں کی لاشیں وصول کررہے ہیں۔ اس دکھ کی گھڑی میں ہر آنکھ اشکبار ہے ہر فرد دکھ کی تصویر بنا پھر رہا ہے۔ دہشت گردوں نے 16 دسمبر کو تاریخ میں سیاہ ترین باب رقم کردیا۔" انداذ نے آرمی یونٹ میں فون کرکے بلاج کی بابت دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ آپریشن کررہا ہے۔ انداذ نے سب کو ہی تسلی دی کہ بلاج خیریت سے ہے اور دل ہی دل میں وہ ملک وسلامتی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

"ناظرین آپ کو تازہ ترین اطلاعات سے آگاہ کرتے ہیں کہ پاک آرمی کے نوجوانوں نے کامیاب آپریشن کرکے 925 بچوں اور اساتذہ اکرام کو بازیاب کروالیا ہے جب کہ اب تک 135 بچے شہید ہو چکے ہیں۔ دہشت گردوں نے بہت سفاکیت سے معصوم بچوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے۔ خون آلود کتابیں اور کاپیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ناظرین آپ کو آڈیٹوریم کا ایک منظر دکھاتے ہیں۔ یہاں آپ ہر طرف پانی کی طرح بہا خون دیکھ سکتے ہیں آج دسویں کلاس کے طلباء کی الوداعی پارٹی تھی۔ وہ معصوم بچے اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ پارٹی اسکول کی نہیں اس دنیا کی الوداعی پارٹی ہے۔ خوش وخرم سے بے گناہ اور معصوم بچے جو مستقبل کی طرف گامزن تھے ان دہشت گردوں کے ہاتھوں جنت کی طرف گامزن ہوگئے۔ اسکول آئے یہ بچے واپسی کا راستہ ہی بھول گئے اور ابدی نیند سوگئے۔ اپنے ہاتھوں سے تیار کرکے اسکول بھیجنے والی مائیں خالی ہاتھ رہ گئیں۔

ٹی وی پر چلتی خبروں سے تمام اہل خانہ نم آنکھیں لیے ہوئے تھے جب انداذ کے فون پر کال آگئی۔ وہ فون لیے سائیڈ پر چلا گیا۔

"ہیلو مسٹر انداذ میں آرمی یونٹ سے میجر آفاق بات کررہا ہوں۔ کیپٹن بلاج سیریسلی انجرڈ ہیں ہم نے انہیں آرمی ہاسپٹل راولپنڈی میں شفٹ کردیا ہے آپ چاہیں تو انہیں اسلام آباد لے کر جاسکتے ہیں، نہیں تو یہیں ان کا علاج شروع کردیا جائے گا۔" میجر آفاق نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

"بہت شکریہ میجر آفاق! ہم کچھ ہی دیر میں ہاسپٹل پہنچ رہے ہیں۔" انداذ نے افسردگی سے فون بند کردیا۔

"نانا جان! آپریشن کامیاب ہوگیا ہے آرمی یونٹ سے میجر آفاق کا فون تھا۔ بلاج سیریسلی انجرڈ ہے، انہوں نے آرمی ہاسپٹل راولپنڈی میں شفٹ کردیا ہے میں اور ماموں جارہے ہیں اگر آپ بھی جانا چاہیں تو......؟"

"انداذ! میرا بیٹا ٹھیک تو ہے ناں؟" رخشندہ نے تو دل ہی تھام لیا تھا۔

"رخشندہ! حوصلہ رکھو ہر ماں تمہاری طرح ہی ہے یہ دکھ کی گھڑی ہم سب کے لیے ہے ہمیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔"

پورے ملک میں تین دن سوگ کا اعلان کردیا گیا تھا۔ گورنمنٹ عمارتوں پر پرچم سرنگوں کرنے کا حکم جاری ہوگیا تھا۔ گزرتا دسمبر ایک اور زخم دے گیا تھا۔ زخم بھی وہ جو شاید بھلائے جانے کے قابل بھی نہیں تھا۔

☆......☆

دنوں کا کام ہوتا ہے گزرنا، سو وقت کے ساتھ بدلتی سوئیوں کی پیروی میں ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ 16 دسمبر کے سیاہ دن کی سیاہی ابھی بھی ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ بلاج اب پہلے سے کافی بہتر تھا۔ اسے گھر شفٹ کردیا گیا تھا۔ سب اس کے روم میں جمع تھے۔ بسمہ نے پارو کے ہاتھ اس کے لیے سوپ بھجوایا۔ جب انداذ

کچن میں آیا۔
''تمہارا فون آرہا ہے۔'' انداز نے اس کی طرف موبائل بڑھایا جس پر لیونا کی کال آرہی تھی۔
حال احوال کے بعد لیونا اس سے سانحہ پشاور کے حوالے سے بات کرنے لگی۔
''بسمہ! یونو کل میں نے اور کول نے ان شہید بچوں کے لیے کینڈلز جلا کر دعا کروائی تھی۔ تم لوگوں نے بھی کروائی ہوگی۔'' لیونا اس سے پوچھ رہی تھی۔
''نہیں لیونا ہم نے کینڈلز جلا کر دعا نہیں کروائی۔''
''کیوں؟''
''کیوں کہ کینڈلز جلا کر مرنے والوں کی یاد میں دعا کروانا کیتھولک مذہب میں جائز ہے اسلام میں نہیں اور اسلام میں کسی بھی چیز کا اضافہ اگر اپنی طرف سے کیا جائے تو وہ بدعت کہلاتا ہے، اس لیے ہم نے قرآن خوانی کروائی ہے۔ ان بچوں کے لیے دعا بھی کی اور صبح شام ان کے لیے سیپارے پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا ثواب پہنچائے۔'' بسمہ نے ٹھوس لہجے میں اسے بتایا۔
بسمہ کی بات سن کر لیونا البتہ خاموش رہی، جب کہ انداز سوچ رہا تھا کہ پہلے پاکستانیوں کو باہر کے ممالک میں دہشت گرد کہا جاتا تھا۔
''تو کیا اب انہیں یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بچے اسکول تو جاتے ہیں لیکن گھر نہیں آتے۔ یعنی دہشت گردی کا ایک اور دھبہ۔ آخر اس کا ذمہ دار کون ہے؟''

☆......☆

(ڈیڑھ ماہ بعد)
سورج کی سنہری کرنیں خوب چمک رہی تھیں۔ اس سنہری دھوپ نے سردی کا احساس قدرے کم کر دیا تھا۔ روحان آفندی نے صبح ہی سب کو بتا دیا تھا کہ دوپہر کو ان کے دوست لنچ پر آرہے ہیں اور خصوصاً وہ بسمہ کا پرپوزل جا رہے ہیں۔
''لیکن آپ کے دوست نواز اکرم کی فیملی پہلے انداز کی بات تو پکی کر چکی۔ پھر بسمہ کے لیے کسی کو بلاتے۔'' عریشہ آفندی کو ان کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ چائے پیتے انداز کو تو اچھو لگ گیا تھا۔ سن کر روحان آفندی نے ساری کارروائی ملاحظہ کی۔
''آرام سے بیٹا دھیان کدھر ہے۔'' ضوبیان ماموں نے پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے انداز سے کہا۔
''بیگم! بیٹی کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے اگر آج ان لوگوں کو بسمہ پسند آجاتی ہے تو پھر ہم انداز کے لیے بھی سوچ لیں گے۔ ویسے بھی ہم انداز اور بلاج کی شادی اکٹھی ہی کریں گے۔''
''کیوں بھئی ضوبیان ابھی سے تیاری شروع کردو۔ پارس کو ہم لے جانے والے ہیں اب تم بیٹی کو پرائی ہی سمجھو۔'' رخشندہ نے بھی بیٹے کی ماں بن کر رعب جمایا۔ ہر کوئی اپنی نوک جھونک میں مصروف تھا۔ انداز کی سوئی ابھی تک پہلی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔
''نانا کے دوست......بسمہ کا پرپوزل......تو کیا میں نے دیر کر دی مجھے پہلے ہی نانا جان کو بتا دینا چاہیے تھا لیکن اب کیا کروں؟'' وہ تقریباً سر پکڑے بیٹھا تھا۔
''پارس......وہی تمہاری مدد کر سکتی ہے۔'' دماغ کی ترغیب حاضر تھی۔

''بس مجھے پارس سے بات کرنی چاہیے۔'' وہ فوراً پارس کے کمرے کی طرف بڑھا لیکن وہ کمرے میں نہیں تھی۔

''بلاج کے کمرے میں ہوگی۔'' اور وہ واقعی ہی بلاج کے سر پہ کھڑی ناشتہ کروا رہی تھی۔

''پارس! بلاج آئی نیڈ یور ہیلپ۔'' انداز بیک وقت دونوں سے مخاطب ہوا۔

''جی بھیا کہیں۔''

''پارس! نانا جان ابھی بتا رہے تھے کہ دوپہر کو ان کے کوئی دوست لنچ پر آ رہے ہیں۔''

''تو کیا ہوا بھیا! اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے دادا جان کے دوست اکثر اوقات آتے رہتے ہیں۔'' پارس کو سمجھ نہ آئی کہ وہ دادا جان کے دوست کی آمد کی وجہ سے اتنا پریشان کیوں ہے۔

''وہ لوگ بسمہ کا پرپوزل چاہتے ہیں۔'' انداز نے اصل بات کا بھانڈا پھوڑا۔

''واٹ......؟'' ناشتے کی ٹرے پکڑے پارس کے ہاتھ انداز کی بات پر کانپ گئے۔

''لیکن نانا جان نے رات تک تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔'' بلاج کو بھی ایک دم پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

''پلیز اب تم دونوں ہی کچھ کر سکتے ہو، ورنہ میں بسمہ کو کھو دوں گا۔'' انداز کی بات سن کر پارس کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا۔ اسے بھی بسمہ اور انداز کا کپل بہت پسند تھا۔

''بھیا! آپ پریشان نہ ہوں میں اور بلاج کرتے ہیں بات ماما اور پھپھو سے۔'' پارس نے انداز کو تسلی تو دی مگر اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے الفاظ کھوکھلے ہوں کیوں کہ روحان آفندی کے فیصلوں سے انحراف آج تک گھر کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا۔ وہ اور بلاج کافی دیر سر جوڑے پلان بناتے رہے۔ عریشہ آفندی سے بات کی تو انہوں نے بھی ڈپٹ کر انہیں چپ کروا دیا کہ وہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ کیا سہی ہے اور کیا غلط پھپھو اور ماما کچن میں اتنی بزی تھیں کہ انہیں بات سننے کی فرصت نہیں۔ بالآخر اس نے تھک کر بسمہ سے بات کرنے کا سوچا۔

''آپ کیوں نہیں کچھ کہہ رہیں بھیا آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ آپ کے علاوہ کسی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اس لیے آپ کو اس رشتے سے انکار کرنا ہوگا۔'' پارس نے اب فیصلہ اس پر چھوڑا تھا۔

''پارس میں پاپا کو انکار نہیں کر سکتی انہوں نے مجھے بیٹی بنایا ہی نہیں بلکہ ہر طرح سے بیٹی کا مان بھی دیا۔ انہوں نے مجھے ان چند دنوں میں جتنی محبت دی ہے اس کا بدلہ میں ساری زندگی بھی چاہوں تو نہیں دے سکتی اگر انہوں نے میری زندگی کا فیصلہ کیا ہے تو یقیناً اچھا ہی کیا ہوگا۔'' بسمہ نے بہت ضبط کے ساتھ پارس کو انکار کر دیا اس کے جانے کے بعد وہ جی بھر کر روئی، محبت سے دستبرداری اتنی آسان تو نہیں تھی۔ انداز بھی کمرہ بند کیے محبت کے لٹ جانے کا ماتم کر رہا تھا۔ پارس ان دونوں سے نظریں چرائی پھر رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے۔

''پارس! جاؤ بسمہ کو کہو کہ تیار ہو جائے اور خود بھی ذرا کپڑے بدل لو کیسے سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہو۔'' نوشین نے بیٹی کو ڈانٹا جو رونی صورت بنائے پھر رہی تھی۔ وہ بسمہ کو تیار ہونے کا کہہ کر خود بھی تیار ہونے چل دی، بہت بے دلی سے اس نے کپڑے تبدیل کیے اور دھلا دھلایا چہرہ لیے نیچے آ کر کچن میں پھپھو کی ہیلپ کروانے لگی۔ دادا جان کے بلانے پر رخشندہ باہر چلی گئیں اور وہ مہمانوں کے لیے چائے بنانے لگی۔ کیوں کہ مہمان آ چکے تھے۔ ڈرائنگ روم سے ان کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے ٹرالی سجائی اور لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی سب سے مل کر وہ پارو کو چائے سرو کرنے کا کہہ کر بسمہ کے روم میں جانے لگی جب دادو نے اسے آواز دے دی۔

''پارس! یہ شادی کا جوڑا اور جیولری ہے بسمہ سے کہو تیار ہو جائے۔ وہ لوگ ابھی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔'' دادی نے اسے جوڑا اور زیورات تھمائے۔

”لیکن دادی! ابھی تو انہوں نے دیکھا بھی نہیں بسمہ کو۔“ اسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

”پارس! جتنا کہا ہے اتنا کرو۔“ نوشین نے غصے سے بیٹی کو ڈپٹ کر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بے دلی سے جوڑا اور زیورات لیے بسمہ کے روم میں آ گئی اور بیڈ پر پھینک کر پھٹ پڑی۔

”یہ لیں جوڑا اور ہو جائیں تیار بہت شوق ہے نا آپ کو اچھی بیٹی بننے کا تو بن جائیں پہن لیں یہ جوڑا اور کر لیں نکاح کیوں کہ وہ لوگ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں۔“ پارس کا خیال تھا کہ اس کی بات سن کر بسمہ کوئی تو ری ایکشن شو کرے گی لیکن وہ چپ چاپ جوڑا اٹھا کر بدلنے چلی گئی جب کہ پارس وہیں اپنا سر تھامے بیٹھ گئی۔ سب کچھ بہت جلدی جلدی ہو رہا تھا۔ بلاج بھی مہمانوں کے درمیان بیٹھا پریشان تھا جب کہ باقی سب خوش گپیوں میں مشغول تھے کہیں کچھ تو غلط ہو رہا تھا لیکن کیا اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”پارس بیٹا! جاؤ بسمہ کو دیکھو اگر تیار ہو گئی ہے تو لے آؤ۔“ عریشہ آفندی نے بسمہ کو بلانے بھیجا۔

”اور سنو انداز سے بھی کہو کہ نیچے آئے۔“ پیچھے سے روحان آفندی نے بھی پکارا وہ بسمہ کے روم میں جانے کے بجائے پہلے انداز کے روم میں آئی۔ دادا جان کا حکم دے کر وہ بسمہ کو لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

بسمہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ جب لیونا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”تم سے اچھے تو تمہارے بابا ہیں جنہوں نے ہمیں انوائیٹ کر لیا ورنہ تم نے تو بتایا بھی نہیں اپنی شادی کا۔“ لیونا کی بات پر بسمہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا سامنے ہی اس کے فادر، کول اور لیونا کھڑے تھے۔

وہ ابھی بھی حیران تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سب یہاں کیسے۔ پارس بھی حیران تھی۔

”کیوں بیٹا! کیسا لگا سرپرائز؟“ روحان آفندی نے مسکراتے ہوئے پوچھا وہ تو حیرت کے مارے بول ہی نہ پائی۔ اتنی دیر میں انداز بھی وہاں آ گیا۔ ڈرائنگ روم کے منظر نے اسے بھی حیران کر دیا۔

”کیا کوئی بتائے گا یہ سب ہو کیا رہا ہے۔“ بلاج نے سسپنس ختم کرنے کی دہائی دی۔

”میں بتاتا ہوں۔“ روحان آفندی نے بات شروع کی۔

”بسمہ نے جب اسلام قبول کیا تو مجھے لگا یہ ہمارے گھر کے ماحول سے متاثر ہے۔ یہ بات بھی ٹھیک تھی لیکن اس کی اصل وجہ انداز تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور میں نے جب بھی پوچھا انداز نے کہا نانا جان میری فرینڈ ہے بسمہ اور پاکستان دیکھنے آئی ہے۔ وہ تو جب مجھے اصل کہانی سمجھ آئی تو میں نے سوچا اگر تم لوگ مجھے پاگل بنا سکتے ہو تو کیوں ناں میں بھی تم لوگوں کو ستاؤں، اس لیے میں نے بسمہ کے والد کو فون کیا اور کہا کہ وہ ایک بار پاکستان آ کر بسمہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ اپنی امانت ہمارے حوالے کر دیں، لیونا اور کول بھی ان کے ساتھ چلے آئے۔ یہ بات تم لوگوں سے اس لیے چھپائی گئی کہ ہمیں نہ بتانے کی کچھ تو سزا ملنی چاہیے نا۔“ روحان آفندی نے ساری بات مزے سے بتائی۔ انداز نے سر جھکا لیا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اتنے اچھے نانا جان کا منہ چوم لے۔

”کیا خیال ہے برخوردار! کرو گے شادی میری بیٹی سے یا پھر لڑکی کو برطانیہ واپس لے جائیں۔“ بسمہ کے حقیقی باپ نے آگے بڑھ کر انداز کو چھیڑا۔

”مجھے قبول ہے۔“ انداز جلدی سے بولا اس کی اس تیزی پر سب کا مشترکہ قہقہہ لاؤنج میں گونجا۔ محبتوں میں بندھے اس خاندان نے نفرتوں کو گھر اور دلوں میں گھسنے نہیں دیا تھا اگر محبت زادِ راہ بن جائے تو زندگی کا ہر سفر سہل ہو جاتا ہے۔

......☆......

روداد کی ڈائری

رابعہ افضال خان کی ڈائری سے

ایک نظم

اس کڑی دھوپ میں جلتے ہوئے پاؤں کی طرح
تو کسی اور کے آنگن میں ہے چھاؤں کی طرح
تو تو واقف ہے میرے جذبوں کی سچائی سے
پھر کیوں خاموش ہے پتھر کے خداؤں کی طرح
میں تو خوشبو کی طرح ساتھ رہی ہوں تیرے
تو بھٹکتا رہا ہے بے چین ہواؤں کی طرح
وہ جو برباد ہوئے تھے صدا بدنام ہوتے ہیں
تم تو معصوم رہے اپنی اداؤں کی طرح
غم تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی خوشی راس نہیں
زندگی کاٹ رہے ہیں ہم سزاؤں کی طرح

افشاں علی کی ڈائری سے

ایک پیاری اور دل کو چھوتی نظم

مجھے اتنا پیار نہ دو بابا
کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو
یہ جو ماتھا چوما کرتے ہو
کل اس پر شکن عجیب نہ ہو
میں جب بھی روتی ہوں بابا!
آپ آنسو پونچھا کرتے ہیں
مجھے اتنی دور نہ چھوڑ آنا
میں روؤں اور آپ قریب نہ ہوں
میرے ناز اٹھاتے ہو بابا
میرے لاڈ اٹھاتے ہو بابا
میری چھوٹی چھوٹی خواہش پر
آپ جان لٹاتے ہو بابا
کل ایسا ہو ایک نگری میں
میں تنہا آپ کو یاد کروں
اور رو رو کر فریاد کروں
اے اللہ میرے بابا سا بھی
کوئی پیار جتانے والا ہو
میرے ناز اٹھانے والا ہو
مجھے اتنا پیار نہ دو بابا
کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو

ثناء کنول کی ڈائری سے

ڈاکٹر نوید صدیقی کی غزل

آنکھوں میں خواب رکھنے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
سردیوں کا پیچھا کرنے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
سوچوں میں کھوئی رہتی ہے کنگن کو گھماتی رہتی ہے
مجھے دیکھ کے وہ شرمانے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
ضد کرتی ہے میری زندگی میں بہاریں لے کر آئے گی
ہر رت خزاں سے وہ لڑنے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
چاند رات کو اک کھڑکی میں چاند کو میں نے دیکھا تھا
صبح شام اب کھڑکی کھلنے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
ساون نے جلوہ دینے پایا بہن میری سے کتابیں لینے
ہر روز وہ گھر میں آنے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے
نوید اک دن میں نے اسے کہا میرے دل میں
ہے کوئی اور بسا منہ پھیر لیا
اور رونے لگی کیسی پاگل لڑکی ہے

رسولاں صادق کی ڈائری سے

بشیر بدر کی غزل

پرکھنا مت، پرکھنے میں کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا، دریا نہیں رہتا
ہزاروں شعر میرے سو گئے کاغذ کی قبروں میں
عجب ماں ہوں کوئی بچہ مرا زندہ نہیں رہتا
تمہارا شہر تو بالکل نئے انداز والا ہے
ہمارے شہر میں بھی اب کوئی ہم سا نہیں رہتا
محبت ایک خوشبو ہے ہمیشہ ساتھ چلتی ہے
کوئی انسان تنہائی میں بھی تنہا نہیں رہتا

نعمانہ ادریس کی ڈائری سے

جمال زیدی کی غزل

تیرا پیار فسانہ تھا
ہم نے کب یہ جانا تھا
مجبوری اور دوری کا
قصہ بہت پرانا تھا
حوا کی اک بیٹی نے
پھر اس کو دہرانا تھا
ہم نہ سمجھے آخر تک
ورنہ سارا زمانہ تھا
اس گلی میں کبھی جمال
تیرا آنا جانا تھا

صباء غنی کی ڈائری سے

وصی شاہ کی نظم

ابھی تو آنکھ کی مشعل
مجھے رستہ دکھاتی ہے
ابھی تو آئینہ چہرہ دکھاتا ہے
سراب ہی سہی جاناں!
یہ رستہ پیر کے نیچے
ابھی تو آس لکھتا ہے
ابھی ہے وقت مٹھی میں
اگرچہ ریت کی مانند
پھسلتا جا رہا ہے پر
تمہارے لوٹ آنے تک
سنبھالوں گا کوئی لمحہ
یہ سارا وقت گرنے سے
میرے ہاتھوں سے بہنے سے
ذرا اک لمحہ پہلے تک
اگر تم لوٹ آؤ تو
اگر تم لوٹ آؤ تو میری تکمیل ہو جائے

اسے رنگ بہت بھاتے تھے

اقراء نعیم کی ڈائری سے

عافیہ احمد کی نظم

تو بیوٹیشن کا کورس کر لیا
اس کی صحت عزیز رکھی تھی
کوکنگ کا ڈپلومہ بھی کر لیا حاصل
ہر سُو نچھاور کرنے تھے پھول
مالی سے گلابوں کی قسمیں بھی جان لیں ساری
ڈرائیور تو اس کے پاس ٹکتے ہی نہ تھے
آج ڈرائیونگ لائسنس پا لیا
گھر جو پہنچی اس کے اپنی کامیابیاں لے کر
لان میں گل رنگ چہرہ لیے اک لڑکی کے ساتھ
کر رہا تھا منتخب وہ اپنی شادی کے کارڈ

☆

نورین ملک

اشعار

سدرہ شاہین..................خانیوال

کسی کی شوخ نظروں نے کیا دامانِ دل چھلنی
مگر تم سے رفو گر آج تو شاید رفو نہ ہو
کھلے ہیں چار سو میرے گلاب و یاسمن شاہین
تمہارے بن یہ لگتا ہے کہ ان میں رنگ و بو نہ ہو

ریمل آروز..................اوکاڑہ

ہر کسی سے مسکرا کے ملتا ہے وہ شخص
مری محبت کو نقصان بھی ہو سکتا ہے

مریم ماہ منیر..................لاہور

تمہارا مجھ سے ملنا بس ایک خواب جیسا تھا
جونہی آنکھ کھلی میری تم تصور سے حسین نکلے

سباس گل..................رحیم یار خان

اُٹھا کر ہاتھ میں پرچم انا کا
کھڑے ہیں پستیوں میں لوگ کتنے

ریما نور رضوان..................کراچی

مجھے اس جگہ سے بھی محبت ہو جاتی ہے زندگی جی
جہاں ایک بار بیٹھ کر ہمسفر کی تجھے سوچ لیتی ہوں

نیناخان..................کراچی

نہیں ہے آنسوؤں پر اختیار اپنے "نیلا"
لہو لہو دل سے مسکرایا نہیں جاتا

فرزانہ شوکت..................کراچی

کرم کرو یا ستم ہم گلہ نہیں کرتے
خزاں میں پھول یقیناً کھلا نہیں کرتے
ملا دو خاک میں ہم کو مگر خیال رہے
ہم جیسے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

عانیہ نیازی..................ربوہ

محبتوں میں تو ملنا ہے یا اجڑ جانا
مزاج عشق میں کب اعتدال رکھا ہے

نور بانو..................کوئٹہ

عشق ٹھہرا تو پھر انا کیسی
وہ نہ بدلے تو ہم بدل جائیں

دھنک ناز..................کراچی

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی
یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا
زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے
میں ایسے حادثوں پر دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

صاسحر..................ہارون آباد

مجھے رونے کا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

شمائلہ ملک..................کراچی

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ
دیکھے جاتے نہ تھے آنسو مرے جس سے محسن
آج ہنستے ہوئے دیکھا اسے اغیار کے بیچ

ثناء حیات..................کراچی

ہو میرا رفیق سفر مگر اتنا تو معتبر ہو
میں پھول مانگوں تو یہ نہ کہے کہ موسم گزر گیا

اس ماہ میں

اس ماہ کی اطلاع گمشدگی

بجلی

ایک صنف نازک جس کا نام "بجلی" بیگم ہے گزشتہ کئی دنوں سے اپنے آبائی گھر واپڈا ہاؤس سے غائب ہے اس کے مکمل کوائف مندرجہ ذیل ہیں۔

نام: میڈم بجلی بیگم

ولدیت: واپڈا خان

والدہ کا نام: انرجی سلطانہ

دادی کا نام: محترمہ لوڈشیڈنگ

جڑواں بھائیوں کے نام: مسٹر ریٹنل پاور اور ٹرانسفارمر

بہن کا نام: مس توانائی خانم

دوستوں کے نام: یوپی ایس اور جنریٹر

اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس کا چہرہ کبھی کبھار 220 وولٹ کے کرنٹ کی طرح چمکتا ہے جب کہ اکثر اس کے چہرے پر بلیک آؤٹ کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو میڈم بجلی کے بارے میں علم ہو تو اس کے والد واپڈا خان کو اس کی اطلاع دیں اطلاع دینے والے کا نام صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔ اس کی نمایاں پہچان یہ بھی ہے کہ بجلی کے میٹروں میں لوڈشیڈنگ کی طاقت سے داخل ہوتی ہے اور انہیں فل اسپیڈ سے چلاتی رہتی ہے پھر ہر ماہ بجلی کے بلوں کی اوڑھنی میں چھپ کر عوام کے گھروں میں جاتی ہے اور فیول ایڈجسٹمنٹ کا ہتھوڑا مار کر بم نذرانہ وصول کرتی ہے۔

اس کا منہ بولا بھائی سیورانرجی بھی اس کے لیے بہت پریشان ہے۔ میڈم بجلی کی گمشدگی کی رپورٹ تمام گرڈ اسٹیشنوں میں درج کروادی گئی ہے۔

نوٹ: اگر میڈم بجلی خود یہ اشتہار پڑھے تو فوراً گھر آجائے اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

عائنہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کی خوب صورت بات

کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے۔ بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں گزرتی۔ سو آغاز بہتر ہے مقصد بہترین ہونا چاہیے۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کی دعا

خدا کے حضور!

ہمارے ہاتھ کشادہ کردے اے خدا
تا کہ ہم برکتیں حاصل کرسکیں
اس زمین کی خوب صورتی اور
فیاضی سے سرشار ہوسکیں
ہمارے دلوں کو کشادہ کردے ہمارے مالک
تا کہ ہم غریبوں، لاچاروں اور بیماروں کو
گلے لگاسکیں
جو اس دھرتی کے سینے پر خاموش دکھ کے ساتھ
چل پھر رہے ہیں
ہمارے ذہنوں کو کھول دے اے اللہ

تاکہ ہمیں تیری معرفت حاصل ہو سکے
اور ہم تیرے طے کردہ مقصد زندگی پر
پورا اتر سکیں
ہماری روح میں کشادگی پیدا کردے،
اے پروردگار
تاکہ ہم تجھے خوش آمدید کہہ سکیں
اور یہی ہمارے کہنے اور کرنے کا مرکز اور
ذریعہ ہو
اے ہمارے مالک ہمارے ارادوں کو کشادہ فرما
تاکہ ہم تیری منشا اور ارادے کا انتخاب کرسکیں
تمام تر دنیاوی مال و اسباب سے ماورا
ہمارا اندرونی خیالات سے خالی کردے
یاعلیم یارب العالمین
اور اس میں صرف اپنی محبت،
معرفت اور علم کی باتیں بھر دے
تاکہ تیری قدرتوں اور بے پایاں عنایات کا
چرچا کرسکیں
تو بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ رشتے بنانا کوئی مشکل نہیں انہیں نبھانا مشکل ہے۔

☆ زندگی میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جذبے سچے ہونے کے باوجود خلوص اور محبتوں کے عوض انسان کو کچھ نہیں ملتا۔

☆ فتح امید سے نہیں علم اور خدا پر اعتماد سے حاصل ہوتی ہے۔

☆ آخرت کا کام آج کر دنیا کا کام کل پر چھوڑ دے۔

☆ وقت، خوشبو اور ہوا کبھی قید نہیں ہو سکتے مگر کیش ہو سکتے ہیں۔

☆ جو باتیں دل سے نکلتی ہیں دل میں جگہ بناتی ہیں۔

☆ سچی توبہ ندامت اور استغفار تقویٰ کا حسن ہے۔

☆ عمل کے لیے جدوجہد کرو باتیں بنانا چھوڑ دو، باتیں بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆ آپ کچھ کھونے کے بعد بھی اگر آپ میں حوصلہ ہے تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے کچھ نہیں کھویا۔

☆ لوگوں کے آگے جھکنے سے ان سے مایوس ہونا بہتر ہے۔

☆ حقیقی خوب صورتی کا سرچشمہ ہمارا دل ہے اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھیں بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔

دھنک ناز۔ کراچی

اس ماہ کی نظم

یہ کیسی رت ہے

یہ کیسی رت ہے
کہ آنکھوں میں تو پھول کھلتے ہیں مگر
آنکھوں میں
پچھلے موسم کے خشک پتے بکھر رہے ہیں
گلاب چاروں طرف کھلے ہیں
مگر دریچوں میں جانے والوں کی راہ تکتے
اداس چہرے
خزاں کی دہلیز پر کھڑے ہیں
بچھڑنے والوں کی یاد کانوں میں
لڑکھڑاتی ہوئی صداؤں
کے جال بنتی ہے آس چھنتی ہے
یہ کیسی رت ہے
بہار آ کر کھلے کواڑوں کو کھٹکھٹاتی ہے
یہ دل کی پھوار دریچوں میں سرسراتی ہے
اور پیلے گلاب آنگن میں گھل رہے ہیں
یہ کیسی رت ہے
کہ پانیوں میں تمام منظر گھرے ہوئے ہیں

مگر نگاہوں میں پیاس لکھی ہے
شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: نوشین مدثر۔ لاہور

اس ماہ کا ڈراپ سین

دو دوست ایک بلڈنگ کی دسویں منزل پر رہتے تھے ایک دن وہ گھر آئے تو معلوم ہوا کہ بجلی گئی ہوئی ہے لہٰذا لفٹ بند تھی سیڑھیوں کے ذریعے دسویں منزل تک جانے کے خیال سے ہی دونوں پریشان ہو گئے مگر مرتے کیا نہ کرتے دونوں نے فیصلہ کیا کہ سیڑھیوں کے ذریعے باتیں کرتے چلیں گے۔ ایک نے کہا میں تمہیں مزاحیہ قصہ سناتا ہوں تم مجھے کوئی افسوسناک واقعہ سنانا۔

مزاحیہ قصہ سناتے ہوئے وہ آٹھویں منزل پر پہنچ گئے تو پہلا دوست بولا۔ اب تمہاری باری ہے کوئی افسوسناک واقعہ سناؤ۔

دوسرا بولا۔ اگر میں نے تمہیں افسوسناک واقعہ سنایا تو تم رونے لگو گے۔

پہلے نے کہا۔ نہیں میں نہیں روؤں گا۔

دوسرا بولا۔ تو پھر سنو گھر کی چابی نیچے گاڑی میں ہی رہ گئی۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

مزاحیہ غزل (ڈراپ سین)

جنوری میں سرسری ملاقات ہم نے کی
فروری میں اس سے کچھ بات ہم نے کی
مارچ میں اشارے سے پیغام دیا اس نے
اپریل میں آنکھوں سے سلام کیا ہم نے
مئی میں آکر وہ آنکھوں میں بس گیا
جون میں آکر وہ دل میں اتر گیا
جولائی میں کھائیں ہم نے جینے مرنے کی قسمیں
اگست میں کہا توڑ دیں گے زمانے کی رسمیں
ستمبر میں اچانک اس نے ملاقاتیں کم کر دیں
اکتوبر میں اس کی یاد میں نے آنکھیں نم کر دیں
نومبر میں جب اس کی شادی کا کارڈ آیا
دسمبر میں ہم نے بھائی کہہ کر دل بہلایا

شہلا گل سحر۔ کوہاٹ

اس ماہ کے لطیفے

اس ماہ کا لطیفہ

مریض: "میں بہت خوش رہتا ہوں، نیند سکون سے آتی ہے، زندگی میں امن ہی امن ہے، ہر کام میں دل لگتا ہے، کوئی پریشانی نہیں، ایسا کیوں ہے ڈاکٹر صاحب؟"

ڈاکٹر: "میں آپ کی بیماری سمجھ گیا ہوں جناب! آپ کی زندگی میں وٹامن She کی شدید کمی ہے"۔

بسمہ علی۔ تھر

درخواست

ایک ہالی وڈ اسٹار کی شادی تھی اس کی گاڑی خراب ہوگئی تو اس نے اپنی ہونے والی بیوی کو فون کیا۔

"جیکی! میری گاڑی خراب ہوگئی ہے دیکھو جب تک میں نہ آؤں تب تک کسی سے شادی نہ کرنا"۔

صائمہ نور۔ کراچی

جنت

صاحبو! گھریلو سکون سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں
ایک دن میرے بابا نے مجھ سے پوچھا:
"مفتی دنیا میں جنت حاصل کرنا چاہتے ہو؟"
میں نے کہا: "بالکل چاہتا ہوں، آگے ملے نہ ملے یہاں مل جائے"۔ بولے "آسان بات ہے کہ بیوی کی کوئی بات کے جواب میں کہو ہاں جی"۔ صاحبو! اس روز سے میں جنت میں رہتا ہوں۔ (ممتاز مفتی)

شاکلہ قیصر۔ کراچی





حضور اکرمؐ نے فرمایا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے مرتبے میں کم وہ شخص ہوگا جس کی فحش گوئی اور بدزبانی کے ڈر سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہو۔'' (بخاری مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

مسلمان اور مومن

اشفاق احمد کہتے ہیں:

ایک دفعہ ایک سوال نے مجھے بہت ڈسٹرب کیا۔ میں نے اپنے ملنے والوں سے اکثر اسے پوچھا لیکن میرا دل مطمئن نہ ہوا سوال تھا:

مسلمان اور مومن میں کیا فرق ہے؟

ایسے میں، میں ایک دن ایک گاؤں سے گزرا تو میں نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ جو گنے نکال رہے تھے۔ میرے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا میں نے ان بابا جی سے وہ سوال پوچھا۔

''بابا جی! کیا آپ بتا سکتے ہیں مسلمان اور مومن میں کیا فرق ہے؟''

بابا جی نے اپنا سر اٹھایا اور کہا:

''مسلمان وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے اور مومن وہ ہے جو خدا کی مانتا ہے۔''

عائشہ نیازی۔ ربوہ

جاہل کی چھ علامتیں

جاہل چھ باتوں سے پہچانا جاتا ہے:

1۔ بے موقع غصہ۔

جاہل آدمی، انسان، جانور بلکہ بے جان چیز پر بھی غصہ کرتا ہے۔

2۔ غیر مفید گفتگو۔

سمجھدار آدمی بھی فضول باتیں نہیں کرتا یہ صرف جاہل کا کام ہے۔

3۔ بے موقع دینا۔

کسی کو کچھ دینا جس سے اخروی یا دنیوی فائدہ نہ ہو جہالت ہے۔

4۔ ہر ایک سے راز کھول دینا۔

راز کی بات ہر کسی سے کہہ دینا نقصان سے خالی نہیں۔

5۔ ہر کسی پر بھروسہ کر لینا۔

ہر کسی پر بھروسہ کرنے والا پچھتاتا ہے۔

6۔ دوست و دشمن کی تمیز نہ کرنا۔

لباس خضر میں سینکڑوں رہزن پھرتے ہیں دنیا میں رہنا ہے تو کچھ تو پہچان پیدا کر۔

نور بانو۔ کوئٹہ

اقوال زریں

☆ ذہن کی اصل عقل، عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی حقیقت کا علم تم سے چھپا لیا ہے اس لیے کوئی چیز تمہیں اچھی لگے یا نہ لگے اس کے خلاف نہ کہو۔

☆ جو شخص بغیر عقل علم کے گوشہ نشین اور مشغول

ہو جاتا ہے وہ اپنی بے علمی سے اپنے کاموں کو سدھارنے کے بجائے بگاڑ لیتا ہے۔

☆ جو مصیبت میں صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بے حساب مدد فرماتا ہے۔

☆ جب کوئی شخص تم سے کسی کی طرف سے رنجیدہ بات کہے تو اسے جھڑک دو کہ تو اس سے برا ہے۔

نوشین مدثر۔ لاہور

فریاد

ایک شخص نے بھکاری سے نرمی سے پوچھا کہ وہ پیشہ ور ہونے کے ناطے دن بھر میں کتنا کما لیتا ہے۔

''پانچ چھ سو بڑے آرام سے مل جاتے ہیں اگر لوگ یہ معاف کرو بابا والی بے حسی نہ کریں تو دیہاڑی ہزار روپے سے کسی طرح بھی کم نہیں ہو سکتی۔

مہکتی کلیاں

☆ سورج سے سبق سیکھنا ہے تو اسے ڈوبتے ہوئے دیکھو۔

☆ انسان دکھ نہیں دیتا انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

☆ بات لفظوں کی نہیں لہجے کی ہوتی ہے۔

☆ مصیبت اگر انسان کو دولت مند نہیں تو عقل مند ضرور بنا دیتی ہے۔

☆ دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی ہوئی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔

☆ عاقل پہلے قلب سے پوچھتا ہے پھر منہ سے بات کرتا ہے۔

☆ اگر انسان سوچنے کی عادت ڈالے تو ہر شے میں اس کے لیے عبرت ہے۔

☆ اپنی ضرورتوں کو کم کرو تمہیں راحت حاصل ہوگی۔

☆ مستقل مزاجی کانٹوں کو پھول بنا دیتی ہے۔

☆ تعریف کے قابل وہ شخص ہے جو غرور اور تکبر جیسی لعنت سے پاک ہو۔

دھنک ناز۔ کراچی

دعاؤں کی ضرورت

☆ جب مہنگائی حد سے بڑھ جائے۔

☆ لوڈشیڈنگ کے عذاب سے جان نہ چھوٹے۔

☆ پولیس والے دھڑلے سے رشوت لیں۔

☆ کلرک کاغذات میں ہیر پھیر کریں۔

☆ ٹیچر سیاست پر تبصرہ کریں اور سبق نہ پڑھائیں۔

☆ کرکٹر سٹے بازی میں ملوث ہو جائیں۔

☆ سیاست دان اخلاقی طور پر حد درجہ گر جائیں۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

محبت کس سے کی جائے

☆ سورج سے مگر...... اس میں تپش ہوتی ہے۔

☆ آگ سے مگر...... یہ جلا دیتی ہے۔

☆ پانی سے مگر...... یہ بہا کر لے جاتا ہے۔

☆ اونچائی سے...... مگر یہ سر کے بل گرا دیتی ہے۔

☆ گہرائی سے...... مگر یہ تو اپنے اندر دبالی ہے۔

☆ پھولوں سے...... مگر یہ جلد مرجھا جاتے ہیں۔

☆ کانٹوں سے...... مگر ان میں تو چبھن ہوتی ہے۔

☆ خوشیوں سے...... مگر یہ تو وقتی ہوتی ہیں۔

☆ لوگوں سے...... مگر یہ بے وفا ہوتے ہیں۔

تو پھر کس سے محبت کی جائے؟ بے شک اللہ تعالیٰ کی پاک ذات سے محبت کی جائے جس کی محبت میں کوئی شک نہیں ہے۔

شمائلہ ملک۔ کراچی

ہر چیز ایک بار

☆ زندگی ملتی ہے ایک بار۔

☆ موت آتی ہے ایک بار۔

☆ پیار ہوتا ہے ایک بار۔

☆ سچا دوست ملتا ہے ایک بار۔

☆ دل ٹوٹتا ہے ایک بار۔

☆ جب سب کچھ ہوتا ہے ایک بار تو پھر لائٹ

کیوں جاتی ہے بار بار۔

رابعہ منیر۔ سرگودھا

محبت

محبت ایک تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ یہ پھر باہر آنے نہیں دیتی۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں تاریکی کی اتنی عادی ہو چکی ہوتی ہیں کہ روشنی میں بھی کچھ نہیں دیکھ سکتیں وہ بھی نہیں جو بالکل واضح اور روشن ہوتا ہے۔

باتیں خلیل جبران کی

زندگی محض ایک نیند ہے نفس سے پر فریب خوابوں میں بٹی ہوئی، حزن و ملال ایک پردہ ہے کہ جس میں نفس اپنے اسرار چھپا لیتا ہے۔ ذہانت ایک ملمع سازی ہے۔ سب سے زیادہ نفرت انگیز ذہانت ان لوگوں کی ہے جو تقلید اور نقالی میں ماہر ہوتے ہیں۔

میرا خیال۔

خوش رہنے کے لیے ضروری ہے کہ سب آپ سے خوش رہیں تب ہی آپ دل سے خوش رہ سکیں گے۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

بے نام آنسو

کتنے آنسو ہوتے ہیں جو کسی اور کے لیے ہوتے ہیں اور کسی دوسرے کے نام لگ جاتے ہیں۔ آنسوؤں پر نام لکھے ہوتے تو کتنے راز، راز نہ رہتے کتنی محبتیں اشتہار بن جاتیں، کتنی ہمدردیوں، کتنے دلاسوں کا پول کھل جاتا۔ اللہ سوہنا کتنا چنگا ہے جس نے آنسوؤں کا پردہ رہنے دیا ہے۔ ایک دو پردہ نہ ہوتا تو شاید کوئی پردہ نہ رہتا۔ کتنی ڈولیوں کے قرض یہ ماں باپ کی جدائی کا ایک نام بھی نہ ہوتا۔ کتنے جنازوں، کتنی قبروں پر اجنبی سے ناموں کے آنسو پڑے ہوتے اور پھر لوگ رو بھی نہ سکتے۔ بدنامی کے خوف سے اور پھر دکھ آنکھ کا آنسو نہ بنتے۔ دل میں جمع ہوتے رہتے اور دکھوں کا سفر جو ہے آنکھوں سے دامنوں تک کا یہ ختم ہو جاتا۔ کتنا اچھا کیا اللہ سائیں نے کہ آنسوؤں پہ نام نہیں لکھے اور وہ کسی اور کے نام پر بہائے جاتے ہیں پر لگ کسی دوسرے کے نام جاتے ہیں۔

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

بڑے کام والا چھوٹا سا دل!

دل ہمارے جسم کا انتہائی اہم عضو ہے۔ جو ہمارے جسم میں خون کی روانی کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ خون کو شریانوں میں پمپ کرتا ہے اور یہ شریانیں خون کو ہمارے پورے جسم کی سیر کراتی ہیں۔ اس طرح یہ خون ہمارے جسم کے ہر حصے تک پہنچ جاتا ہے۔ دل کا سب سے اہم کام اس کا دھڑکنا ہے دل کا ہر وقت شور کرتے رہنا، زندگی کی علامت ہے اور اس کا خاموش ہو جانا موت کا پیغام...... یہ اپنی رضامندی، زور زور سے دھڑک کر اور اپنی ناراضی کا اظہار خاموش رہ کر کرتا ہے۔

دل سنتا ہے، بولتا ہے، خوشی میں ناچتا ہے اور خون کے آنسو بھی روتا ہے۔ یہ روٹھتا بھی ہے اور مان بھی جاتا ہے۔ دل صرف یہی کام سرانجام نہیں دیتا بلکہ اس کا ایک انتہائی اہم کام جذبات کو کنٹرول کرنا بھی ہے۔ ہمارے ہر قسم کے جذبات دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دل ہمارے جذبات کا گڑھ ہے۔ یہ ان تمام غیر مرئی جذبات کو کنٹرول کرنے کا کارنامہ سرانجام دیتا ہے جنہیں ہم محسوس کرتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے لیکن یہ جذبات ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہیں اور ہمارے ہر عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

دل خون کو پمپ کرتے وقت ان جذبات کی تھوڑی یا زیادہ مقدار اس میں شامل کر دیتا ہے۔ یہ جذبات خون کے ساتھ ہمارے جسم کے ہر حصے تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہر جذبے کا اظہار ہمارے جسم کے ہر حصے سے ہوتا ہے جیسے خوشی

میں ڈھیروں خون بڑھ جانا، غم یا پریشانی میں بھوک اڑ جانا، نیند نہ آنا، محبت میں پورے وجود پر سرشاری کی کیفیت طاری ہو جانا، نفرت سے منہ پھیر لینا، عزت و احترام سے گردن کا جھک جانا، گھبراہٹ میں پسینے چھوٹ جانا اور زبان کا ہکلانا، حسد میں خون جلانا، ڈر یا خوف میں جسم پر کپکپی طاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کیفیات کے پیچھے دل ہی کارفرما ہوتا ہے۔ جذبات سے لبریز یہ خون جب دماغ تک پہنچتا ہے تو سوچ اور خیالات کا رخ بدل جاتا ہے۔ یہ دل جب کچھ کرنے کی ٹھان لیتا ہے تو سارے جسم میں اتنی ہمت اور جوش بھر دیتا ہے کہ مشکل سے مشکل کام بھی آسان لگنے لگتا ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

شہداء پشاور کی یاد میں

ماں کے راج دلارے میرے
باپ کی آنکھ کے تارے میرے
ظالم تو نے کیسے کیسے
آج ہمارے پیارے مارے

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

میٹھے میٹھے اقوال

☆ جو قوم اپنی عورتوں کو عزت اور تحفظ نہیں دیتی وہ برباد ہو جاتی ہے۔ (وارث شاہؒ)

☆ بہت سے نقصانات انسان کو اس وجہ سے پہنچتے ہیں کہ وہ کسی سے مشورہ نہیں لیتا۔ (افلاطون)

☆ انسان اپنا سب کچھ بدل سکتا ہے یہاں تک کہ اپنی شکل بھی پر اپنی فطرت نہیں بدل سکتا۔ (واصف علی واصف)

☆ انسان کا اپنے دشمن سے انتقام کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی خوبیوں میں اضافہ کرے۔ (حضرت علیؓ)

☆ دل کے اندر اتنی جگہ پیدا کرو کہ تمہارے اس دل میں دوسروں کے راز سما جائیں۔

☆ اپنے دوستوں کو اچھائی کی نصیحت کرتے رہو۔ چاہے اسے اچھا لگے یا برا۔

☆ دشمن کی دشمنی اس سے مشورہ کرنے سے ختم ہو سکتی ہے۔ (حضرت بابا فریدؒ)

☆ اگر دل میں محبت آجائے تو زبان میں شائستگی آنا شروع ہو جاتی ہے۔

☆ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ کیوں کہ یہ اللہ کا تم پر کرم ہے کہ اپنی مخلوق کو تمہارے دروازے پر بھیجتا ہے۔

☆ مفید چیز اگر مقدار میں بڑھ جائے تو غیر مفید ہو جاتی ہے۔

☆ مینو زندگی کے دستر خوان کی سب سے لذیذ اور سب سے میٹھی ڈش ہے۔

☆ خاموشی انسان کو خود سے متعارف کرواتی ہے جیسے آواز دوسروں سے۔

☆ جن لوگوں نے زندگی میں اللہ کو یاد رکھا لوگوں نے مرنے کے بعد انہیں یاد رکھا۔

☆ زیادہ بولنے والا شخص مجبور ہوتا ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔ (واصف علی واصف)

☆ جو یہ سوچ کر لڑے کہ میں ہار جاؤں گا تو وہ ضرور ہارے گا۔ (نپولین بوناپارٹ)

☆ جب تک کچھ ثابت نہ ہو محض گمان پر کسی سے جدائی اختیار مت کرو۔ (سری سقطیؒ)

زارا صدف۔ کراچی

رشتے

موت زندگی کا بڑا نقصان نہیں ہے۔ سب سے بڑا نقصان وہ ہے جب رشتے ختم ہو جاتے ہیں جب کہ ہم اس وقت زندہ ہوتے ہیں۔

ملالہ اسلم۔ خانیوال

......☆......

ذرا ہٹ کے کہنا

نعت شریف

تقدیر میں لکھ دو طیبہ کا سفر آقاؐ
مٹ جائے میرے دل سے یہ روگ ہجر آقاؐ

دن رات تڑپتا ہوں طیبہ کی جدائیوں میں
اٹھتی ہے میرے سینے میں غم کی یہ لہر آقاؐ

دل کی یہ تمنا ہے اک بار چلے آؤ
نوری کرنوں سے چمکے میرا گھر آقاؐ

عثمانؓ و علیؓ جانیں کیسی تھیں وہ سیاہ زلفیں
ہوئے جن پر فدا ہیں صدیقؓ و عمرؓ آقاؐ

ہوتا میں کبوتر تو اڑ جاتا مدینے کو
آب زم زم سے دھوتا میں اپنے پر آقاؐ

جاگے یہ نصیبا تو ہو سون کرم ایسا
مل جائے مدینے میں چھوٹی سی قبر آقاؐ

حافظہ سون شاہ

اور وہ مرگئی

شاخ پہ بیٹھی ہنستی گاتی چہچہاتی چڑیا
اپنی آنکھوں میں حسین سپنے پروتی
ہر فکر سے بے پروا چاہت کے گیت گاتی
یکلخت چلی آندھی غم کی
وقت کے طوفان نے چھین لی
اس کی ہر چاہت، معصومیت
کاٹ کر پر اس کے
باندھ کر زنجیر میں رنگی رواجوں کی
اسے آزاد کر دیا
اور وہ مرگئی
شاخ پہ بیٹھی
گنگناتی چہچہاتی چڑیا مرگئی......!

زینب شاہ۔ پشاور

نظم

تعمیر کیا تھا میں نے اک محل
وفا کی مٹی سے
محبت کا بھروسے کا
مگر نہ جانے وہ کیسا طوفان تھا؟
جو ایک ہی جھٹکے میں دیکھتے دیکھتے
گرا گیا میرا محل محبت کا.

سدرہ شاہین

نادان لڑکیاں

کس قدر نادان ہوتی ہیں لڑکیاں
بجز اصفت مردوں کے
لبوں سے ادا ہونے والے
چند میٹھے لبوں کے عوض
لبوں پہ کھلنے والے ہنسی کے ٹکڑوں
شفاف آنکھوں میں
تیرنے والے کنول
دل میں مچلنے والے
سارے ارماں
تمام مہکتی چاہتیں
تمام آسودہ خواہشیں

ان کے نام کر دیتی ہیں
اور
بدلے میں عمر بھر
کے عذاب خرید لیتی ہیں

شہلا گل سحر

زیست کے رنگ

رنگ ہی رنگ   زندگی کے رنگ
آؤ ہم تم اپنے لیے رنگ چن لیں
تم محبت کا بھڑکتا ہوا گل رنگ لے لو
میں وفا کا نرم و نازک رنگ چن لیتی ہوں
سنو تم خلوص کا پاکیزہ سفید رنگ لے لو
میں ہنستے موسموں کے رنگ لے لیتی ہوں
وہ دیکھو شبنم کا اک تارہ ٹوٹا
تم اس کے صبیح رنگ اپنے اندر جذب کر لو
میں مسرتوں کا چمپئی رنگ اٹھا لیتی ہوں
تم روٹھنے کے شریر رنگ لے لو
میں منانے کے شوخ رنگ چن لیتی ہوں

فرزانہ شوکت

تمہارے بغیر

میری جان
تمہارے بغیر مجھے کچھ
بھی اچھا نہیں لگتا
کہ جب تم کسی ٹینشن
میں ہوتے ہو
اور اداسی تمہارے
چہرے پر رقصاں ہوتی ہے
میرا دل بہت گھبراتا ہے
اپنے رب سے دعا میں
التجا میں، مناجات کرتا ہے
میری جان
تمہارے بغیر مجھے کچھ بھی
اچھا نہیں لگتا
یہ چڑھتا سورج
یہ ڈھلتی شام
یہ پھیلی چاندنی
یہ خاموش تاروں بھری رات
یہ میٹھی خنک بھری ہوائیں
یہ نرم گرم سی دھوپ
میری جان
تمہارے بغیر مجھے کچھ بھی
کچھ بھی اچھا نہیں لگتا
تمہارے مسکراتے چہرے سے
میری تمام خوشیاں
منسوب ہیں
تمہارا ہنستا مسکراتا چہرہ
میرے دل کو بڑھاتی
چین و سکون راحت دیتا ہے
میری جان
تمہارے بغیر مجھے کچھ بھی
اچھا نہیں لگتا
اپنی چاہت تمہیں کس طرح
دکھاؤں میں کس طرح جتاؤں
بس اپنے پروردگار سے دعا ہے
میری زندگی میری جان
میرا پیار میرے ہمسفر حیات
کو بھی رب تعالیٰ کسی پریشانی میں
مبتلا نہ کرے
زندگی خوشیوں کا گہوارہ بنی رہے

ریما انور رضوان

کرپشن

بلندیوں کی چاہ میں وہ کچھ اس طرح گرا
ضمیر اپنے ہی بوجھ تلے دب کر مر گیا

احساس جرم وندامت نہ ہو سکا اسے
حرام وحلال کا فتویٰ دیتے کوئی تھک گیا
جس دیس کو اپنی دھرتی ماں کہا اس نے
اسی دیس سے غداری کر گیا
اپنے نفس پر جس نے قابو پالیا
مقام بشریت سے آگے نکل گیا
فطرت انسانی بھی کتنی عجیب ہے ثمینہ
جس تھالی میں کھایا سوراخ اسی میں کر گیا

ثمینہ فیاض

نظم

میں جھیل سی گہری لڑکی تھی
اور تیری محبت ایک کنکر
پھر دل میں ہلچل سی مچی
اور کئی امنگیں جاگ گئیں
کتنی امیدیں بندھنے لگیں
اک روز اچانک ایسا ہوا
بے نام سی چاہت روٹھ گئی
میں ٹوٹ گئی......!

ریمل آرزو

صلح

ہاں ایک شخص ہے ایسا
جو نزدیک ہے بہت
اس سے بالکل نہیں بنتی
نہ رنجش ختم ہوتی ہے
نہ تعلق بحال ہوتا ہے
میں جس سمت بھی جاؤں
وہ مخالف سمت جاتا ہے
یہ ذہن ودل کی
جنگ میں جو
وہ الجھن نہیں سلجھتی
کون صلح کرائے پھر؟
میری خود سے نہیں بنتی

حمیرا افضا

سنو ذرا

میرے آنسوؤں کو دینے گہرائی
میرے لمحوں کو دینے سہارا
لفظوں کو میری سن کر
جان لو سچائی
پھر سے بن جاؤ ہمارا سہارا

زارا صدف قمر

نظم

جتنا میں چاہتی ہوں
کوئی کسی کو چاہ نہیں سکتا
جتنے دکھ میں نے اٹھائے ہیں
اتنے دکھ کوئی اٹھا نہیں سکتا
یہ راز عیاں ہو کر بھی
نہ ہو سکا فاش
میں لٹ چکا پھر بھی
کسی کے آنہ سکا ہاتھ
میں نے لوگوں کی خوشیوں
کی مانگیں دعائیں ہر بار
میں کیا ایذا کسی کو دوں
میں خود چور چور رہوں آج
رب نے دی زندگی کیوں؟
جان کر میں ہو جاؤں گی لاچار
میں خاموش رہی تو ہوئی ظلم کی انتہا
تہارہ گئی جو اٹھائی آواز

نور الصباء

مجھے تم سے محبت ہے

سنو
تم بہت پاگل سے ہو

اپنے انداز سے
اپنی آواز سے
مجھے اپنا بنا لیتے ہو
کچھ ایسا بولتے ہو کہ
میں مدہوش سی ہو جاتی ہوں
تمہارے لفظوں
تمہاری باتوں میں کھو جاتی ہوں
پھر نہ دماغ کچھ سوچتا ہے
نہ سمجھتا ہے
بس دل یہی کہتا رہتا ہے
مجھے تم سے محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

دانیہ آفرین

غزل

سونی سونی دل کی راہیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
کس کو دل کا حال سنائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
اجڑے منظر اجڑی گلیاں بکھر گئیں سب آس کی کلیاں
آنکھوں میں کیا خواب سجائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
چھوڑ گیا وہ ساتھ ہمارا ڈوب گیا قسمت کا تارہ
ارماں کو آگ لگائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
زہر غموں کا پینا پڑے گا کچھ بھی ہو جینا تو پڑے گا
آؤ دکھوں کا شہر بسائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
پل پل اس کی یاد ستائے آنکھیں برسیں نیند نہ آئے
خونِ جگر سے شمع جلائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت
شمعِ محبت کے پروانو پیار نگر کے اے دیوانو!
آؤ مل کر سوگ منائیں اجڑ گیا ہے شہرِ محبت

حلیم خان حکیم

سنو جاناں

کبھی یوں بھی تو ہو
رات ہو پورے چاند کی اور تم آؤ

کبھی یوں بھی تو ہو
بادل ہو آنچل ہو اور تم آؤ
ساحل ہو سمندر ہو دل پاگل ہو اور تم آؤ
میرے ہاتھوں پر تیرے نام کی مہندی ہو
میری سانسوں میں تیرے پیار کی خوشبو ہو
اور تم آؤ
تیری سیج ہو میرا گھونگھٹ ہو اور تم آؤ
میرا لب تیرا نام میں میرا دل تجھے پکارے اور تم آؤ
بن بادل برسات ہو من بھی میرا چنچل ہو اور تم آؤ
میری آنکھوں میں تیرے خواب ہوں
میرے ہونٹوں پر تیرا نام ہو
اور ہاں اور تم آؤ (اے کاش)

شاہ کنول اللہ دتہ

میری شاعری

ہے ان دنوں کی بات
جب زندگی اداس تھی
تھی شام و سحر غمگین
تنہا دل و روح تھے
نہیں معلوم کہ
مسکراہٹ کیا ہوتی
نہیں پتہ کہ
خوشیاں کیا ہوتی
تب تمہارے آ جانے سے
زندگی مکمل ہوئی
محبت کیا ہوتی ہے
مجھ کو بتلایا
مسکراتے کیسے ہیں
مجھ کو سکھلایا
میرے جذبوں کو
میرے احساسات کو

میری شاعری کو
تم نے سنوارا
چاند میں تمہارا چہرہ
ستاروں میں تمہاری آنکھیں
پھولوں میں تمہاری مسکراہٹ
فلک ! سے برسات کی
بھینی بھینی خوشبوؤں میں
تمہاری یادوں نے
میری شاعری کو نکھارا
تمہاری محبت نے
مجھ کو لکھنا سکھایا
میری سادہ محبت کو
میری خاموش شاعری کو
تم نے سنوارا
ہے اب پوری زندگی کی
تمہاری محبت میری شاعری

مدیحہ اعجاز

اداس لڑکی

میری نظموں میں جو لڑکی ہے
وہ اکثر اداس رہتی ہے
اس کی نگاہوں کو
صرف میری ہی پیاس رہتی ہے
وہ اداس سی لڑکی
جب بھی گنگناتی ہے
تو اس کے گیت کا محور
میری ہی ذات رہتی ہے
کسی تہوار والے دن
اسے میری ہی آس رہتی ہے
جب کبھی مجھ سے ملتی ہے
کہتی ہے
”اے امتیاز وقت
کبھی میری بھی یاد رہتی ہے“

ایس امتیاز احمد

غزل

عشق تمام ہو رہا ہے
کام تمام ہو رہا ہے
ذرا دیکھو میری حالت
کیا انجام ہو رہا ہے
خوابوں کا آنکھوں کو
آخری سلام ہو رہا ہے
سن کر غزل میری
کوئی رام ہو رہا ہے
کوئی دکھ دینے آ رہا ہے
بڑا اہتمام ہو رہا ہے
محبت میں اس دیوانے کا ساتھی
بہت نام ہو رہا ہے

زہیرہ مہیار

غزل

غم یادوں کا دل سے بھلایا نہیں جاتا
دکھ اپنا کسی کو پھر سنایا نہیں جاتا
جا کے پھر کوئی آتا نہیں ہے زمانے میں
اندھیری راہوں میں یوں چراغ جلایا نہیں جاتا
گریزاں تھے جو میری وفاؤں سے یوں بھی
بند آنکھوں میں خواب سجایا نہیں جاتا
شام کے گہرے سائے تھے ساتھ تیرا کوئی نہیں
داغ دل سے یوں چاہتوں کا مٹایا نہیں جاتا
کھو کے کسی کو زندگی پھر دشوار ہو گئی جاوید
ہنسی ہنس کے یوں بھی دل کسی سے لگایا نہیں جاتا

محمد اسلم جاوید

......☆......

سندیسے

افشاں علی..........کراچی

محترم و قابل احترام ہستی صالحہ آپا، پیاری سی نورین ملک، محنتی ردا اسٹاف و دیگر تمام سویٹ اینڈ لولی لکھاری و قارئین بہنوں کو پیار کی بارش میں بھیگا خلوص و محبتوں کے خمیر سے گوندھا سلام، الفت قبول ہو۔ کیسے جناب کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ مارچ کا شمارہ جب ہاتھوں میں آیا تو دل خوش ہو گیا تھا۔ سرورق پر نک سک سی تیار سدرا کا خوب صورت سا انداز دل کو بہت بھایا۔ ”گوشہ آگہی“ اور ”ردائے جنت“ سے فیض یاب ہونے کے بعد سلسلے وار ناول کی طرف بڑھی۔ کس کی کیا کیا تعریف کروں؟ شازیہ مصطفیٰ کا خوب صورت انداز، نائلہ طارق کا انوکھا دل چھوتا ناول اور پیاری سی قمروش جی کا پیار برساتا دل لبھاتا ناول، سب ہی بہت خوب صورتی سے اپنی اپنی رفتار سے چلتے ردا کی شان بڑھا رہے ہیں۔ گل مہر کا ناولٹ سسپنس لیے ہوئے نظر آیا مگر اچھا لکھا۔ یوم پاکستان، محبت اور سمجھوتہ، یقین، رواجوں کے فیصلے، خالی ہاتھ، کرب کے دور ہاتی ہیں، عزم سفر یہ سب افسانے مختصر پر اثر تھے بہت زبردست۔ جب کہ ٹوٹ کر مجھ سے محبت کرو، شاخیں پھول اور شعلے، درد محبت بیاں نہیں، محبت دھنک رنگ، بڑی خوب یاری ہماری یہ تمام افسانے بھی بہت عمدہ لگے۔ بسمہ علی، ثنا عثمانی، اسوہ علی، نینا خان یہ نئے افسانے ہیں جو یقیناً صالحہ آپی کی بدولت ہی متعارف ہوئے ہیں جب کہ رابعہ افضال، عائشہ خان، شاہدہ علی، شاہ ناز، دانیہ آفرین، یاسمین آفریدی، سیدہ فرزانہ حبیب اس مہینے کے شامل یہ نام تو ویسے ہی جانے پہچانے ہیں سب نے بہت اچھا لکھا۔ پھر چاہے وہ بسمہ علی یا ثنا عثمانی نیو رائٹر ہو یا عائشہ خان، دانیہ آفرین، فرح ناز، شاہدہ علی ہوں سب کے افسانے اس بار بہت اچھے اور دل کے قریب تر لگے۔ سیدہ فرزانہ حبیب کا ناول بھی بہت عمدہ رہا۔ بہت اچھا لکھا آپ نے۔ عزم سفر صالحہ آپی آپ کا تو نام ہی کافی ہے۔ آپ کا نام ہو پھر چاہے وہ افسانہ ہو یا ناولٹ ناول ہو یا سلسلے وار ناول خوب سے خوب تر ہی ہوتا ہے۔ افسانوں میں عائشہ خان کے افسانے کی ہیروئن کا نام بہت یونیک لگا جو کہ بہت پسند آیا۔ شاہدہ علی کا ”خالی ہاتھ“ فسانہ سب پر بازی لے گیا۔ ”ردا کی ڈائری“ میں شیریں تبسم، دیا اور سعدیہ عابد کی ڈائری پسند آئی۔ اس ماہ کی حمد، ہماری بھی سنیے، ہری مرچیں، اس ماہ کے سوال، اس ماہ کا ڈراپ سین، اس ماہ کی نمکین غزل پسند آئی۔ جب کہ ”خوشبو“ میں کائنات ارشد، ایس امتیاز احمد، نگہت توقیر، نوشین مدثر کا انتخاب اچھا لگا۔ ”ذرا پھر کہنا“ کسی ایک کا نام نہیں لے سکتی کیوں کہ سب ہی کی شاعری قابل تعریف تھی۔ سندیسوں میں بہت ٹائم بعد روشنی فیصل کا نام دیکھنے کو ملا۔ کیسی ہو ڈیئر؟ اور سویٹ مہد کو پیار۔ رابعہ افضال آپ کا سندیسہ اچھا لگا۔ خوش ہو جاؤ۔ شیریں تبسم ویلکم، ثنا کنول، سیدہ فرزانہ آپ کا سندیسہ بھی پڑھ کر اچھا لگا جب کہ عانیہ نیازی ڈیئر آپ کی امی کی طبیعت سن کر دل اداس ہوا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے (آمین) نور بانو، منی آراء، آفتاب سسٹرز آپ سب کہاں غائب ہیں؟ ثنا دوستوں کے نام پیغام میں آپ کا پیغام پڑھا۔ ڈیئر صالحہ آپی کے بعد میں آپ کی محبتوں کی مقروض

ہوں۔ اتنے پیار سے آپ یاد رکھتی ہو بہت خوشی ہوتی ہے ہمیشہ یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو، آمین۔ پیاری صالحہ آپی اس بار ''گوشہ چشم'' کو شامل دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ اتنے پیار سے آپ جواب دیتی ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے۔ اب پر خلوص دعاؤں و محبتوں کے سنگ تلے افشاں علی کو اجازت۔

فریدہ فرید..........پاک پتن شریف

باوقار آپی، سوئٹ نورین جی، من موہنی سکھی سہیلیوں کو ڈھیروں سلام۔ مارچ کا ردا ہاتھ میں لیے دوستوں سے مخاطب ہونے کا موقع ہم جانے نہیں دینا چاہتے۔ کاش کہ اس ماہ نظام ڈاک کو مجھ پر رحم آجائے۔ ''سندیسے'' میں ہمیشہ کراچی کی سکھیاں بازی لے جاتی ہیں۔ ردا سے قربت جو ٹھہری ہمیں ردا سے دوری مار دیتی ہے۔ مارچ میں ردا کا ٹائٹل زیادہ پرکشش نہیں تھا مگر ماڈل کے ہاتھوں پر مہندی کا ڈیزائن اچھا تھا۔ اشتہارات کے اوپر سے جمپ لگا کر ''گوشہ آگہی'' تک پہنچے۔ آپی نے کہا دل میں بسنے والی پہلی چیز محبت اور اطاعت ہے ہم نے کہا دل میں بسنے والی دوسری چیز کسی مخلص رہنما کا ساتھ ہے جیسے ہماری آپی۔ ردا کے چمن میں آپی کے دم سے بہاراں ہے۔ سلسلے وار ناولز میں ہمارا پہلا شکار نائلہ طارق ہوتی ہیں۔ نائلہ جی کی تحریر پر میں آنکھیں بند کر کے پہنچ جاتی ہوں۔ نائلہ جی اگرچہ اس اسٹوری سے ہم زیادہ مانوس نہیں ہو پارہے مگر آپ کا طرز تحریر ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ فروش جی آپ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ہمیں اپنے کریکٹرز سے عشق کروا کے اب نئے کردار کے گرد کہانی گھومنا شروع ہو گئی ہے۔ آپ کا سحر کار قلم تو جادو گری دکھانے میں معروف ہے مگر ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ایک نئی اسٹوری شروع ہو گئی ہو۔ برائے مہربانی پرانے رنگوں کا ساتھ مت چھوڑیے۔ شازیہ جی! آپ نے اپنی بے حساب مصروفیت میں سے وقت نکال کر سندیسے کو دیا ذرہ نوازش، تعجب ہے آپ اس روٹین میں تسلسل سے ناولز کے لیے وقت کیسے نکال لیتی ہیں۔

آفرین ہے آپ پر۔ سیدہ فرزانہ آپ کی علیزے پر ہمیں ٹوٹ کر پیار آیا ہے۔ جو آپ کے قلم کا اعجاز ہے کہ ہم آپ کے کرداروں کے دیوانے ہو گئے ہیں۔ طاہرہ حسن اور گل مہر جی آپ دونوں کی اسٹوریز محبت کی بابت تھی۔ محبت سے تخلیق ہوئی اور محبت سے ہی ہمارے دل میں اتر گئیں۔ افسانوں کی زمین پر ردا میں کسی ایک افسانے کو نمبر دینا دشوار ہوتا ہے مگر آپی جی تو بیسٹ ہی بیسٹ ہیں دو صفحوں کے افسانے میں کتنے مفاہم پوشیدہ تھے سمندر کو کوزے میں بند کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ اسویرہ علی آپ کے افسانے کا ٹائٹل اتنا لولی تھا ہم سب سے پہلے وہیں جا پہنچے اور پیار کی بارش میں بھیگ گئے۔ سمیہ احمد کی مارچ کے ماہ میں یوم پاکستان'' اچھی کاوش تھی۔ ''محبت اور سمجھوتہ'' نام لیتے ہی اسٹوری ذہن میں آگئی تھی۔ پڑھ کر مزید لطف آیا۔ ثنا خان سفاک حقیقت اور زور بیان نے جسم سے روح کھینچ لی۔ رابعہ افضال خان، عائشہ خان، یاسمین آفریدی، دانیہ آفرین کے افسانے بھی دلچسپ تھے۔ فرح ناز رشتی، موضوع، ربط، کردار ڈائیلاگ، اور جھلک ان پر فیکٹ۔ شاہدہ علی، شاہ ناز جی لکھاریوں میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔ افسانوں سے بچے ردا میں نورین ملک کا ''اس ماہ میں'' اپنی حیثیت برقرار رکھتا ہے۔ عانیہ نیازی کا ''اس ماہ کا اقتباس'' سب سے اچھا انتخاب تھا۔ ''سندیسے'' کی بات نہ کریں تو سندیسہ لکھنا فضول ہے۔ پیاری سکھی افشاں آپ کا سندیسہ جس نمبر پر بھی ہو نمبروں ہی ہوتا ہے۔ آپ کی نٹ کھٹ ہستی آپ کے سندیسے کے ہر لفظ سے عیاں ہوتی ہے۔ عانیہ نیازی اللہ آپ کی اور ہم سب کی والدہ کو سلامت رکھے۔ آپ کی عادت ہو گئی ہے۔ چند لفظوں میں با مطلب بات کہنا آپ کا فن ہے۔ ریحا نور غیر حاضری پر جرمانہ نہیں لگ سکتی ورنہ سب سے زیادہ جرمانہ مجھے ہی بھرنا پڑے گا۔ روشنی فیصل طویل رخصت وہ بھی بغیر اطلاع اچھی وے و یلکم بیک۔ رابعہ افضال کی ہر تحریر پر رائے ایسے ہی تھی جیسے ہم خود لکھ رہے ہوں۔ خیالات بہت ملتے

ہیں دوست شاہ کنول، سیدہ فرزانہ، شیریں تبسم، تہمینہ بانو سندیسے کی بہار برقرار رکھنے پر مبارک باد۔ سینئر تجزیہ کار کھتی آرا جی آپ کی رائے کسی بھی تحریر کے لیے بہترین گائیڈ ثابت ہوتی ہے۔ نور بانو، فرزانہ شوکت، روشانے جی آداب عرض ہے ویسے گفٹ لینا ہمیں بھی اچھا لگتا ہے (ہاہاہا) سندیسہ طویل ہے۔ اس لیے اجازت۔

ریحانور رضوان.........کراچی

ڈیئر صالحہ آپی لولی فرینڈ نورین! دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ دل کی عمیق گہرائیوں اور دعاؤں کے خوبصورت گلدستے کے ساتھ تمام ردا اسٹاف، ردا قارئین، ردا لکھاری، ردا کے ہر سلسلے میں شامل ہر ایک فرد کو ریحانور رضوان کا پیار و خلوص بھرا السلام علیکم! رب کرے ردا سدا ترقی در ترقی کرے آمین۔ جنوری فروری کا شمارہ اوور آل بیسٹ رہا۔ آتی ہوں زیرِ نظر رسالہ مارچ کی طرف سرورق پر سدرا حسین لگ رہی تھیں۔ ہاتھوں پر مہندی بچ رہی تھی۔ ''گوشہ آگہی'' بہترین رہا۔ ہمیشہ کی طرح ''ردائے جنت'' میموری میں تاج دے گیا۔ شازیہ مصطفیٰ جی آپ تو ہیں ہی ردا کو نگین۔ حباب اور ضمران کی دوریاں مٹا ہی ناں۔ خوشنما واؤ یار ریشم کے ساتھ تیج کر رہی ہے۔ اسوریہ علی کا افسانہ بہت اچھا لگا۔ عائشہ کیری اور چھوہارے ہمیں ہمیشہ یاد رہیں گے۔ فرح ناز رفیق آ گئیں اور چھا گئیں۔ آپ کی تحریر من کو بہت بھائی۔ پورے ڈائجسٹ کی جان شاہدہ علی کا افسانہ ''خالی ہاتھ'' تھا بہت کم اس طرح کی سچائی سے قریب منظر کشی کوئی رائٹر کر پاتا ہے۔ افسانہ سو میں سے نمبر لے گیا۔ صالحہ محمود جی پر تبصرہ کون کر سکتا ہے۔ آپ کے قلم سے نکلے لفظوں نے ہمیں تو گائیڈ لائن دی ہے۔ قمروش آپی، زرمینل بالکل ٹھیک کر رہا ہے ڈالے نے بھی سرد مہری کی حد دکھائی تھی۔ وہی نہ نا انصافی کرنا آسان ہے۔ سہنا پڑے تو پھر احساس ہوتا ہے۔ عارفین اور معصوم کو جلد ملا دیں۔ حسین آفریدی کو جلد یہ احساس باور کرا دیں کہ اس کی

غزل سمیعہ زیدی نہیں لاروش اغولان ہے۔ باقی دا وے مجھے لاروش اغولان کے معنی ضرور بتائیں۔ ''ردا کی ڈائری'' میں سیدہ فرزین حبیب کا انتخاب بہت اچھا لگا۔ سحر انجم کا انتخاب بھی اچھا لگا۔ اشعار میں افشاں علی، اریشہ، ثنا حیات، عاصمہ رشید، حنا علی، کنزیٰ شاہ، اس ماہ میں سیدہ فرزین حبیب جی آپ کی حمد بہت ہی زیادہ پیاری لگی۔ باقی پورا کالم بہت اچھا لگا۔ خوشبو کا کالم خوشبو جیسی ہستی نورین ملک سجاتی ہیں۔ تب ہی مہکتا رہتا ہے۔ سانحہ پشاور پر بیلا خان نے اشکبار کر دیا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سباس گل جی سانحہ پشاور مدتوں بھلانے والا حادثہ نہیں۔ ثمینہ فیاض آپ کی بیٹی نظم بہت خوب صورت لگی۔ سید بشارت شاہ کی غزل اچھی لگی۔ ''سندیسے'' سب نے بہت اچھے لکھے۔

رابعہ افضال خان.........کراچی

سویٹ سی صالحہ آپی، نورین ملک، رائٹرز و قارئین کو رابعہ افضال خان کا سلام محبت سندیسے کی محفل میں حاضر خدمت ہے۔ اب بات ہو جائے مارچ کے شمارے کی۔ سرورق پر موجود سدرا اچھی لگی۔ ''گوشہ آگہی'' ہمیشہ کی طرح زبردست لگا۔ اب آتے ہیں سلسلے وار ناولز کی طرف سب ہی سلسلے وار ناولز ہر دفعہ کی طرح زبردست تھے۔ صالحہ آپی ''عزم سفر'' کی تو کیا بات ہے۔ آپ کے قلم سے لکھی گئی تحریر تھی اور بہت عمدہ تھی۔ باقی سب افسانے بھی اچھے لگے۔ بسمہ احمد، شاہ عثمانی، اسوریہ علی، ثمینہ خان، عائشہ خان، یاسمین آفریدی، دانیہ آفرین فرح ناز رفیق، شاہدہ علی، شاہ ناز سب ہی نے بہت اچھا لکھا۔ مہر گل کا ناولٹ اچھا تھا مگر پڑھ کر دل دکھی ہو گیا۔ محبت میں بے اعتباری اچھی نہیں لگتی۔ مستقل سلسلے سب ہی بہت اچھے رہے۔ سندیسے میں افشاں علی، روشنی فیصل نے اچھا تبصرہ کیا۔ پیاری عانیہ نیازی ہماری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں، انشاء اللہ آپ کی امی جلد صحت یاب ہو جائیں گی۔ ''گوشہ چشم'' میں اپنا نام دیکھ کر دل جھوم اٹھا۔ صالحہ آپی آپ کے قلم سے نکلے ہر لفظ نے میرا مان اور حوصلہ بڑھایا ہے اور آپی کل تو

کبھی نہیں ہوا اور انشاء اللہ کبھی ایسا ہوگا بھی نہیں کیوں کہ میں جانتی ہوں۔ آپ ہم سب سے بہت محبت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ردا کو بہت ترقی دے۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی اگلے ماہ انشاء اللہ پھر سندیسے کی محفل میں حاضر ہوں گی۔ اس کے ساتھ ہی سندیسے کی محفل سے اجازت۔"

ریحل آرزو.........اوکاڑہ

آداب صالحہ آپی! کیسے مزاج کیسے ہیں؟ امید واثق ہے کہ پھولوں کی طرح مہکتی ہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ سے منسلک ہر فرد کو اپنے حفظ و امان میں ہنستا مسکراتا خوش باش رکھے، آمین۔ آپی سب سے پہلے تو آپ کی بہت شکرگزار ہوں کہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے میری تحریروں کو ردا کے صفحات کی زینت بنایا اور ان تمام قارئین اور میری ساتھی لکھاری بہنوں کی محبتوں کا دل سے شکریہ جنہوں نے میرے ردا میں شائع ہونے والے افسانے پسند کیے اور میری ہمت بڑھائی۔ مجھے ردا ڈائجسٹ میں خوش آمدید کہا۔ افشاں علی، سحرش فاطمہ، ندا حسنین، ثناء ناز، دانیہ امتیاز، اقراء سیف، سیدہ فرزانہ حبیب فرزین اور عائشہ خان یہ سب بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خدا ان کو مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے اور ہمارا ساتھ ہمیشہ بنا رہے، آمین۔ آپی ردا کی محفل میں تاخیر سے آنے کا سبب یہ ہے کہ ہم اوکاڑہ والوں کو ردا ڈائجسٹ کے حصول کے لیے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے پلیز آپی یہ مسئلہ حل کروادیں۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ردا کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے، آمین۔"

ثمینہ فیاض.........کراچی

کیسی ہیں آپی؟ یقیناً خیریت سے ہوں گی ہماری دعائیں جو آپ کے ساتھ ہیں جنوری میں اپنی نظم اور فروری میں اپنا افسانہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اتنی کہ (خوشی سے بھنگڑے ڈالنے کو دل چاہ رہا تھا) دل سے بے اختیار آپ کے اور اپنے ردا کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں آپ سدا خوش و آباد رہیں اور ہماری پیاری پیاری تحریریں شائع کرتی رہیں دل سے آپ کی بہت مشکور ہوں اور امید کرتی ہوں کہ اپنی مزید تحریریں انشاء اللہ جلد دیکھنے کو ملیں گی۔ اس کے بعد سب سے پہلے میں کچھ دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے مجھے لکھنے میں میرا حوصلہ بڑھایا۔ پچھلے مہینے میرا ایک افسانہ چھپا تو آپ سب کے خلوص اور محبت کا احساس ہوا افشاں علی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے بہت محبت سے مجھے ویلکم کیا اور سحرش فاطمہ اور عائشہ خان کا بھی جنہوں نے مجھے اپنی محبتوں میں یاد رکھا۔ میں ان تمام دوستوں کا بھی بہت دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے میرے اس افسانے اور نظم کے لیے مبارک باد دیں اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا آپ سب کے خلوص اور اپنائیت کو دل سے سراہتے ہوئے بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کروں گی۔"

دانیہ آفرین.........کراچی

صالحہ آپی، نورین اور ردا کے تمام قارئین و رائٹرز کو میرا پیار بھرا اسلام۔ امید ہے آپ سب فٹ فاٹ ہوں گے۔ فروری کے شمارے میں ریحل آرزو کا افسانہ "ہمیں ایسی محبت ہے" انتہائی اہم موضوع پر تھا۔ جسے ریحل نے بخوبی لکھا۔ ثمینہ فیاض کا نام ردا میں نیا اضافہ ہے۔ ثمینہ جی آپ کو ردا فیملی کی طرف سے ویلکم آپ کا افسانہ "بدگمانی" بھی اہم معاشرتی مسئلے پر تھا۔ کنول آرا آپ کو میرا افسانہ "نیو ایئر پارٹی" پسند آیا آپ کا بھی بے حد شکریہ۔ اسی طرح اپنی آراء سے آگاہ کرتے رہیں اور رہنمائی کرتی رہیں۔ ثناء کنول آپ کی محبتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ ڈیئر آپ بھی ہماری زندگی کا خوب صورت حصہ ہیں۔ منگنی کی دلی مبارک باد اللہ پاک آپ کو ڈھیروں خوشیاں دے۔ افشاں علی ٹریٹ تیار رکھیے۔ ماشاء اللہ آپ کے قلمی سفر کے چار سال کامیابی سے پورے ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سفر کو اسی طرح جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ اب آتی ہوں بہار کے مہینے کی طرف مارچ کے شمارے کا مجھے بے صبری سے انتظار تھا۔ مارچ کا مہینہ مجھے

بہت زیادہ پسند ہے۔ وہ کیا ہے نا اللہ تعالیٰ نے مارچ کے مہینے میں ہی دنیا کو خوب صورت تحفہ ہماری شکل میں دیا تھا (ہاہاہا)۔ مارچ میں میرا افسانہ بھی شامل تھا تھینک یو سوچ۔ صالحہ آپی اینڈ نورین۔ اب ذرا تبصرے پر آتی ہوں۔ شاہ ناز آپ کے افسانے ''کرب کے دور باقی ہیں'' نے رلا دیا۔ بہت اچھا لکھا۔ یاسمین آفریدی کا افسانہ ''بڑی خوب یاری ہماری'' بھی اچھا تھا۔ بلاشبہ مخلص دوست اللہ کی بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ عائشہ خان آپ کا افسانہ ''محبت دھنک رنگ'' ہنستا مسکراتا ہمیں بہت پسند آیا۔ قلمی سفر کے آغاز پر بہت سی دعائیں۔ ''یوم پاکستان'' بسمہ احمد کیا کہنے آپ کے افسانے کے آپ کی تحریر امید سے بھرپور تھی۔ انشاء اللہ ایک دن ضرور آئے گا جب ہمارے حالات بہتر ہوں گے۔ فرزانہ حبیب فرزین جی آپ کا ناول ''میرے نصیب کا خوش بخت'' اچھا تھا۔ ہیروڈی ایس پی ہیروئن جرنلسٹ واہ جی ناکس کمل بدل انسانی سوچ کو مفلوج کر دیتا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر خوب لکھا۔ باقی رائٹرز نے بھی اچھا لکھا۔ اسی طرح خوب صورت تحریریں لکھ کر ہماری زندگیوں کو مہکاتی رہیں۔ صالحہ آپی آپ کے افسانے ''عزم سفر'' میں بہت اچھا پیغام تھا۔ آپ سب سے اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، آمین۔''

گیتی آراء............ کراچی

پیاری آپی آداب! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ آپی 9 مارچ کو پیارا ردا ملا۔ دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اب بات ہو جائے ماہ مارچ کے ردا کی ''گوشہ آگہی'' کی نصیحت آمیز باتیں دل میں گھر کر گئیں واقعی میں اس بے راہ روی کے دور میں قرآن و سنت سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے اور اب باری تھی میرے سب سے زیادہ پسندیدہ مضمون ''ردائے جنت'' قرآن و سنت کی روشنی میں بتائی گئیں باتیں ہمارے لیے کسی بہت بڑے خزانے سے کم نہیں۔ اب بات ہو جائے اس ماہ کے ناولٹ ''بے اعتبار محبت'' کی۔ جس میں انشال کی پیاری نے ہمیں بھی کشمکش و پیچ میں ڈال دیا تھا لیکن بعد میں راز کھلا تو اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہنے لگا کہ آخر ہمارا دھیان ادھر کیوں نہیں گیا۔ ''یوم پاکستان'' بسمہ احمد کی اس سبق آموز تحریر سے کاش ہمارے عوام اور گورنمنٹ بھی کچھ سیکھیں۔ شاہ عثمانی کی ''محبت اور سمجھوتہ'' ایک بہترین تحریر تھی، واقعی میں ہم اکثر ہر چیز سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ خاموشی سے بے توجہی سے بے وفائی سے۔ اسوریہ علی کی ''ٹوٹ کر مجھ سے پیار کرو'' ایک منفرد اور اچھی تحریر تھی۔ عالیان کا کردار اچھا لگا۔ ''شاخیں، پھول اور شعلے'' میں نینا خان یوں لگ رہا تھا پشاور کے سانحے کی ہو بہو عکاسی کر دی ہو۔ دل خون کے آنسو رو دیا۔ واہ نینا خان واہ! درد محبت بیان نہیں، محبت دھنک رنگ، بڑی خوب یاری ہماری، یقین، خالی ہاتھ، کرب کے دور باقی ہیں، درد محبت بیان نہیں۔ ٹھیک ٹھہریں۔ ''رواجوں کے فیصلے'' ونی کی رسم پر لکھی گئی ایک دلچسپ تحریر تھی اور اب باری تھی آپی کی تحریر کی جو کہ ہمیں ملتی تو مہینوں کے انتظار کے بعد پڑھنے کو ہے لیکن اس خوب صورت تحریر خوب صورت لفظوں کی گونج برسوں ہمارے دل و دماغ میں گونج بن کر گونجتی رہتی ہے اور کسی فلم کی طرح اس کہانی کا ایک ایک منظر اور ڈائیلاگ، کردار برسوں ہمیں اپنے حصار میں جکڑے رہتا ہے۔ ایسی ہی کہانیوں میں سے ایک کہانی ''عزم سفر'' ہے واقعی اگر انسان خدا پر بھروسہ انسانوں سے زیادہ اور ہمت اور عزم کرے تو بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ آسانی سے سر کر سکتا ہے۔ ''عزم سفر'' دل کو اداس کر دینے والی مگر ایک بامقصد کہانی تھی۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ آپی اسی طرح اگر آپ ہر ماہ مختصر سی سہی ایک تحریر افسانے کی صورت ڈال دیا کریں تو ردا میں چار چاند لگ جاتا ہے اور اب باری ناول اور ناولٹ کی جو کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنے لیے انتظار کی گھڑیاں چھوڑ گئے۔ ''ردا کی ڈائری'' سے ریما نور اور سحر انجم کا انتخاب اچھا لگا۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو''

ہمیشہ کی طرح فرسٹ کلاس رہے۔ 'الف' سے لے کر 'ے' تک سب ہی مضامین زبردست ہوتے ہیں اور اب باری تھی ''ذرا پھر سے کہنا'' کی سب بہن بھائیوں نے خوب سے خوب تر اپنی شاعری کے جوہر دکھائے۔ ''سندیسے'' زبردست رہا ہمیشہ کی طرح۔ شاہ کنول کو منگنی کی مبارک باد۔ عائشہ نیازی کی والدہ کے لیے صحت و تندرستی لیے دعا گو ہیں۔ اللہ ان کو جلد سے جلد صحت کل عطا فرمائے، آمین۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں شاہ کنول کا پیغام محبت زبردست رہا۔ پڑھ کر مزہ آگیا شکریہ کنول آپ نے ہمیں یاد رکھا۔ ہماری دعائیں صدا آپ کے ساتھ ہیں۔ ''کچن'' میں مٹن اگیک بریانی پسند آئی۔ ''سنگھار'' میں موٹاپا کم کرنے کی ٹپس زبردست رہی۔ اب اجازت ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ۔

ملائکہ اسلم............. خانیوال

السلام علیکم! پیاری سی صالحہ آپی اینڈ کیوٹ سی نورین آپی کو خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ آئی ہوپ سو آپ سب بخیر و عافیت سے ہوں گے۔ فروری کے شمارے میں صالحہ آپی نے مجھے جگہ دی۔ بنڈل آف تھینکس بہت خوشی ہوئی تھی۔ ''تیرے پیار کی خوشبو'' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ فروش شہک کیا بات ہے آپ کی ویلڈن بٹ پلیز مکمل سی رہنا۔ ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' شازیہ آپی پلیز حباب کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا۔ ضمران اور حباب میرے فیورٹ کردار ہیں۔ مکمل ناول میں سیدہ فرزانہ حبیب بازی لے گئی ہیں۔ اینڈ طاہرہ حسن نے بھی بہت اچھا لکھا۔ ''بے اعتبار محبت'' مہ گل نے بے اعتباری کے دائرے میں لپٹی تحریر کو اپنے خوب صورت لفظوں میں سمویا ہے، زبردست۔ ''جو عشق میں تجی وہ عشق ہی جانے'' نائلہ طارق پلیز صفحات بڑھا دیجیے تشنگی باقی رہتی ہے۔ بسمہ احمد کی ''یوم پاکستان'' بہت اچھا میسج لیے ہوئے تھی۔ ''محبت اور سمجھوتا'' شاہ ثانی کے کمپرومائز سے میں بھی اتفاق کرتی ہوں۔

اسویرہ علی اور دانیہ آفرین کی بھی اچھی کاوش تھی۔ بٹ نینا خان کی ''شاخیں، پھول اور شعلے'' چونکا گئی۔ عائشہ خان دی بیسٹ یار، رابعہ افضال خان کیا کرتی ہو یار۔ قلم سے جڑی رہنا۔ فرح ناز رفیق نے عمدہ لکھا اینڈ باقی افسانے بھی اچھے تھے۔ مستقل سلسلے میں ہمیشہ کی طرح سب بیسٹ تھے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' سب نے عمدہ لکھا۔ اینڈ ''سندیسے'' میں رابعہ افضال خان نے تبصرہ اچھا کیا۔ رابعہ افضال خان اینڈ شاہ اللہ دتہ میری تحریر ''محبتوں کے اعتراف'' پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ رابعہ افضال نے بھی جواب دے کر بچی کا دل خوش کر دیا ہے (ہاہا)۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' شاہ کنول اللہ دتہ دوستی کا دوسرا نام Trust ہوتا ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوگی آپ سے بات کر کے۔ افشاں علی آپ کو میرا تبصرہ پسند آیا بہت شکریہ۔ دانیہ اینڈ شاہ کنول آپ کی منگنی کا سنا خوشی ہوئی۔ بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے آپی ہمیشہ ہنستی مسکراتی ایسے ہی ہماری حوصلہ افزائی کرتی رہیں اور آپ کا سایہ ہم پر سلامت رہے، آمین۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ آپ سب جہاں رہو خوش رہو۔

اسویرہ علی............. کراچی

سویٹ صالحہ آپی! آپ کو اور تمام اسٹاف کو میرا پرخلوص سلام سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے رداڈائجسٹ میں میری کہانی کو شائع کیا۔ میں اس کے لیے آپ کی دل سے مشکور ہوں اور بے انتہا خوش بھی کہ آپ نے حوصلہ افزائی کی۔ مارچ کا ردا دیر سے ملا۔ ماڈل بہت پسند آئی۔ تیرے پیار کی خوشبو میرا فیورٹ ہے ''عزم سفر'' میں چھپا پیغام دل کو چھو گیا۔ مکمل ناول میں فرزانہ حبیب کا ناول بازی لے گیا۔ باقی ڈائجسٹ ابھی پڑھنا باقی ہے۔ اس لیے رائے محفوظ ہے۔ اپنی تمام امت مسلمہ کے لیے دعا گو۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

میری سویٹ اینڈ لولی فرینڈ بینا کے نام

میری سویٹ اینڈ لولی سی فرینڈ بینا کی 4 اپریل کو برتھ ڈے ہے تو اس اہم دن پر میری طرف سے میری فرینڈ بینا کے لیے

خدا کرے
تم جیو ہزاروں سال
سال کے دن ہوں
پورے پچاس ہزار
نہ کبھی آنکھ تمہاری نم ہو
نہ کبھی لبوں پر مسکراہٹ مدھم ہو
خوشیوں کا رقص تمہارے آنگن میں ہو
محبت کے سارے رنگ تمہارے دامن میں ہوں
تم گلاب کی مانند کھلی رہو
کبھی نہ غم کا پنچھی تمہیں ستائے
ہر لمحہ تو آباد رہے
یہ دعا میری ہے رب سے
ہر قدم پر تو کامیاب رہے

رابعہ افضال خان۔ کراچی

ارم اور بسم اللہ کے نام

میرے سوہنے پیارے ستارو! ٹھیک ہی ہو۔ (یار جانتی ہوں میں) 4 اپریل کو ارم اور بسم اللہ تم دونوں کی سالگرہ ہے۔ بہت بہت بہت مبارک ہو۔ خدا تم دونوں کو لمبی اور خوشگوار زندگی نصیب کرے۔ آمین۔ اللہ آپ کی سب اچھی اور نیک خواہشات پوری کرے۔ Bright Star کی طرف سے Bright Star کے دو ستاروں کو بہت سالگرہ مبارک۔ ٹریٹ تیار رکھو۔ معاف نہیں کرنے والے، او کے۔

سحر مبین۔ فیصل آباد

فرزانہ حبیب فرزین کے نام

تمہارے واسطے جتنی دعائیں سوچ رکھی ہیں
اگر انہیں لکھنا چاہوں تو
یہ زندگی بڑی مختصر محسوس ہوتی ہے
بس دو لفظوں میں اتنا کہنا ہے
تمہاری ہر رات ٹھہرے ہوئے پانی کے سکون جیسی ہو
اور
تمہارا ہر دن تمہارے بچپن کی عید جیسا ہو
آمین!

بہت پیاری رائٹر فرینڈ فرزانہ حبیب فرزین آپ کو سالگرہ کی اور منگنی کی فرسٹ اینی ورسری بہت مبارک ہو۔

دانیہ آفرین۔ کراچی

سب کے نام

السلام علیکم! میرے اپنو میرے پیارو سب کیسے ہو؟ دعا ہے یونہی شاد و آباد رہو، آمین۔ مجھے اپنے اہل خانہ اور خاندان سے پیار ہے۔ اللہ پاک ان کو اتحاد نصیب کرے۔ میری پیاری ماں جی، پاپا جی، بہن بھائیو، بھابیو آئی لو یو۔ میری ذات آپ کے بغیر ادھوری ہے۔ بھائی سید وقاص احمد آئی مس یو۔ نگاہ فاطمہ اور اذان علی شاہ حسین ڈھیر سارا پیار۔ ہماری

ننھی جانیں خدا انھیں سلامت رکھے نازک لبوں کی۔ ڈیئر زیبو آلویز آپ سے مخلص اور دعا گو ہوں۔ پیارے بھائی محمد شہباز قمر فریدی اللہ پاک آپ کو لازوال کامیابی عطا کرے، آمین۔ غصہ کم کیا کریں میں آپ کی بہن آپ کا بہت احترام کرتی ہوں اور ہمیشہ کروں گی اور بہت ہی نائس برادر محمد عثمان غنی قادری خدا آپ کو وہ سب عطا کرے جو آپ کی خواہش ہو، آمین۔ کیوٹ سی سمائل آپ کا مقدر ہو۔ ہمیشہ کے لیے آپ کی بہنا۔ آپ کا بہت شکریہ آپ نے بھائی ہونے کا مان رکھا۔ اور بن کر دکھایا۔ امید ہے دستِ شفقت ہمیشہ میرے سر پر رہے گا۔ اچھے بھائی قاری شجاعت یو آر ویری ڈیئر ٹو می اللہ پاک آپ کی مشکلیں آسان کرے اور جو بہنیں میری تحاریر پسند کرتی ہیں ان کا بہت شکریہ اور جس کو پسند نہیں آتیں ان کا بے حد شکریہ۔ صبا عبدالغنی دیر سے جواب دے رہی ہوں معاف کیجیے گا۔ بس کاروبار زندگی میں بری طرح مصروف رہی۔ مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ ملالہ اسلم مجھے دوستی کے قابل جاننا بہت شکریہ۔ قبول ہے آپ کا خلوص اور دوستی۔ اللہ پاک آپ دونوں کو خوش رکھے، آمین۔ آخر میں سب ریڈرز، رائٹرز کو سلام۔

مون شاہ۔ سرگودھا

میری پسندیدہ شخصیات کے نام پیغام

کہتے ہیں ہر وہ انسان معلم ہے جو علم کا ایک جملہ بھی سکھائے اور ان الفاظوں کی گہرائی سننے اور پڑھنے والے کے دل تک پہنچ کر ان کے علم میں اضافہ کرے۔ نازک سے آئی گلاسز لگائے، سمپل اینڈ ڈیسنٹ پرسنالٹی کی ہماری کنیز فاطمہ باجی جنہوں نے مجھے قرآن شریف پڑھایا بلکہ زندگی اور آخرت کے متعلق باتیں بھی سمجھائیں۔ آٹھ سال پہلے ان سے آخری ملاقات ہوئی تھی جب وہ اپنی شادی کے بعد سیالکوٹ جارہی تھیں۔ سمپل، سوفٹ نیچر، اسٹائلش اینڈ لائٹ کلرز ڈریسز پہنے، گھنگھریالے بالوں کی پونی ٹیل بنائے گڑیا کی مانند لگتیں۔ میری میٹرک کی فیورٹ کلاس ٹیچر مس گل ناز جو کہ سب ٹیچرز میں مجھے بے حد پسند تھیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ فرسٹ ایئر کے آخری رابطے کے بعد آج اچانک 14 نومبر 2014ء کو ریلوے اسٹیشن پر ان سے مختصر سی ملاقات ہوئی۔ میں نے لکھنا اسٹارٹ کیا اور پہلی بار اپنی فیورٹ رائٹر صالحہ آپی جی سے بات ہوئی۔ ان کی شفقت بھری آواز، انداز و لہجہ دل میں گھر کر گیا۔ وہ قیمتی لمحے میری زندگی کے بے حد انمول لمحوں میں شامل ہو گئے۔ ان سے ملنے کی خواہش ہے جو کہ ان شاء اللہ ضرور پوری ہوگی۔ یہ وہ تین پسندیدہ شخصیات ہیں جن سے زندگی میں بہت کچھ سیکھا اور اب بھی سیکھ رہی ہوں۔

مدیحہ اعجاز۔ کراچی

پیارے قارئین ردا کے نام

سویٹ آپی اینڈ سویٹ فرینڈز! کیا آپ کی محفل میں آنے کی جسارت کر سکتی ہوں۔ پیاری صالحہ آپی کی انگلی پکڑ کر سہم سہم کر آپ سے تعارف حاصل کر رہی ہوں۔ سچ بہت رشتے ہیں آس پاس مگر دل کے رشتے بہت کم ہیں۔ مجھے آپ سے دل کا اور خلوص کا رشتہ جوڑنا ہے۔ آپ میرے خلوص اور اخلاص کو قبول کریں گے نا۔ سپنوں کے ننھے ننھے جگنو لے کر اور تنہائی کی تاریکی سے گھبرا کر اس کے دیپ جلائے آپ کی منتظر ہوں۔ میں نے ہاتھ بڑھا دیا ہے۔ اب ملاؤ یا ٹھکراؤ، آپ کے پیار بھرے خلوص اور محفل میں مستقل شامل ہونے کی خواہش مند۔

شہلا گل سحر۔ کوہاٹ کینٹ

میرے اپنوں کے نام

میری تمام دوستوں کو ملالہ کی جانب سے خلوص بھرا سلام قبول ہو۔ عظیم بھائی اینڈ انوسینٹ نوری کو منگنی کی مبارک باد۔ جب سے کیوٹ برادر عظیم

بھائی کی منگنی کا پتہ چلا تو میرے مائنڈ میں فوراً تمہارا نام آیا۔ میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ بائے گاڈ مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔ آپ تو شاید بھول گئی ہوں گی بٹ میں تمہارے ساتھ گزرے وہ چند لمحے کبھی نہیں بھولی۔ تمہارا خلوص اور اخلاق اتنا زبردست تھا۔ میرے لیے تو عظیم بھائی بہت لکی ہیں جنہیں تم جیسی شریکِ حیات ملی ہے۔ آپ دونوں کو بہت بہت مبارک ہو۔ حنا کنول شادی کی بہت مبارک ہو۔ دعا ہے اپنے رب العزت سے کہ آپ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے، آمین۔ ثناء کنول اللہ دتہ آپ نے مجھے دوست سمجھا یہ تو آپ کی محبت ہے۔ رابعہ افضال خان مجھے بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ میری وجہ سے بچی کا دل خوش ہو گیا مگر وہیں افسوس بھی ہوا، یار اپنوں کو تھینکس نہیں بولتے ایم آئی رائٹ نا؟ افشاں علی یار کیا بات ہے تمہاری۔ سیدہ فرزانہ حبیب مجھے تمہاری تحریر بہت اچھی لگی ہے۔ پلیز لکھتی رہنا اینڈ مجھے تمہاری اگلی کاوش کا شدت سے انتظار رہے گا۔ سویٹ ڈول عافیہ نیازی آپ بھی ردا میں انٹری دیتی رہا کرو، اچھا لگتا ہے۔ ریسل آرزو یار چھا گئی ہو بس اب گم نہ ہو جانا۔ فرزانہ شوکت اینڈ دھنک ناز کہو جاتی ہو اب تو کمی فیل ہوتی رہتی ہے۔ عائشہ خان، سحرش فاطمہ، دانیہ آفرین، نور بانو، عائشہ ذوالفقار، سباس گل، نوشین مرزا اینڈ نائلہ طارق آپ سب میری زندگی کا اثاثہ ہو جہاں رہو خوش رہو۔ اینڈ مجھ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

ملالا اسلم۔ خانیوال

صبا عبدالغنی کے نام

فرسٹ آف آل سو سوری صبا جی! میں آپ کے پیغام کا جواب جلدی نہیں دے سکی۔ سوری یار میں نے آپ کا پیغام پڑھا ہی لیٹ تھا اور پڑھتے ہی جواب لکھنے بیٹھ گئی۔ جی آپ کی دوستی تو جی جان سے قبول ہے۔ مجھے آپ کی شکل میں ایک اور اچھا دوست ملنے کی ہمیشہ خوشی رہے گی۔ خدا آپ کو خوش رکھے، آمین!

سحر مبین۔ فیصل آباد

پیاری دوست نایاب کے نام

اس کی سالگرہ پر ایک خوبصورت نظم

خوشی کا دن مبارک ہو
صبح جس دم میں جاگی ہوں
عجب منظر یہ دیکھا ہے
خوشی کا رقص ہے ہر سو
ہواؤں میں بسی ہے خوشبو
درختوں کے ہرے پتے
خوشی سے لہلاتے ہیں
تو یوں محسوس ہوتا ہے
یہ سب تالی بجاتے ہیں
پرندے چہچہاتے ہیں
یا شاید گنگناتے ہیں
کوئی تو بات ہے ایسی
ہر شے پر ہے یوں مستی
میرے دل میں ہوئی ہلچل
مجھے کچھ یاد آیا ہے
کہ دن ہے یہ وہی شاید
چند سال پہلے جب
اسی دن کے کسی لمحے
جو تم دنیا میں آئی تھیں
یہ موسم اور ہوائیں سب
درختوں کے ہرے پتے
پرندے اور فضائیں سب
خوشی سے کہہ رہے ہیں یہ
تمہیں یہ دن مبارک ہو
خوشی کا دن مبارک ہو
سالگرہ مبارک ہو

شمائلہ حبیب۔ کراچی

گوشہ چشم

''گوشہ چشم'' کے سلسلے میں میری مخاطب وہ تمام رائٹرز ہیں جو ردا کا حصہ ہیں اور وہ قاری بہنیں بھی جو رائٹر بننا چاہتی ہیں آپ سے گزارش یہ ہے کہ کوئی بھی تحریر لکھتے ہوئے طوالت سے بچیں اس سے ایک تو آپ کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے وہیں اکثر طویل تحریر کی وجہ سے دوسری تحاریر کو جگہ نہیں مل پاتی اس لیے آپ مکمل ناول کے صفحات 50 سے 70 کے درمیان تک لکھا کریں۔ اکثر رائٹرز ایک ایک ناول 200 سے 300 صفحات پر مشتمل بھیج دیتی ہیں۔ اس لیے آئندہ آپ لوگ کوشش کریں کہ اگر ناول لکھیں تو اس کے صفحات 50 یا 70 سے زیادہ نہ ہوں اور نئی رائٹرز پہلے افسانہ لکھیں اور پھر ناول، ناولٹ وغیرہ امید ہے ردا سے جڑی تمام رائٹرز آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گی اور تحریر کو بے جا طوالت سے بچائیں گی۔

سدرہ شاہین..................خانیوال

سویٹ سدرہ شاہین! آپ کا سندیسہ اور افسانہ مل گیا ہے' انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگا۔ آپ ردا کے لیے جب بھی کچھ لکھیں اس کا موضوع معاشرتی اور اصلاحی رکھیں تاکہ پڑھنے والے اس سے کچھ سیکھیں بھی اور آپ کی تحریر قارئین کے لیے مشعل راہ بھی ہو۔ خودکشی، بم دھماکے اس طرح کے موضوع انسانی ذہنوں کو مزید الجھا دیتے ہیں اور افسردگی کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے آپ ہماری بات سمجھ گئی ہوں گی خوش رہیے اور اپنا خیال رکھیے۔

حنا کنول..................کراچی

پیاری حنا کنول! خوش رہو اور بہت بہت مبارک ہو تمہیں خدا کی نعمت ملنے پر یعنی بیٹے کی اور بہت پیارا نام رکھا ہے تم نے ابراہیم۔ دعا ہے کہ ابراہیم کو خدا لمبی زندگی صحت بہت کامیابی نصیب کرے اور خدا تمہیں اپنوں کے سنگ خوش آباد رکھے، آمین۔

سحرش رانی..................لاہور

سویٹ سحرش رانی! آپ کو ہم ردا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کا افسانہ موصول ہو گیا ہے مگر اوریجنل نہیں فوٹو کاپی۔ جب کہ اوریجنل مسودہ ہی قابل قبول ہوتا ہے۔ فوٹو اسٹیٹ رائٹرز اپنے پاس رکھتی ہیں امید ہے کہ آپ ہماری بات کو سمجھ گئی ہوں گی۔

رابعہ افضال خان..................کراچی

پیاری ڈول رابعہ! آپ ہمیں بے حد عزیز ہیں خوش رہیں اور یونہی ردا سے جڑی رہیں۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے آپ کا افسانہ مل گیا ہے۔

قریبی اشاعت میں شامل ہوگا۔ آپ کا سندیسہ اور پیغام اس ماہ شامل ہیں۔

مہوش مبین .... کراچی

ڈیئر مہوش! خوش رہیں آپ کا افسانہ مل گیا ہے اس کے بارے میں جواب جاننے کے لیے آپ ردا کے آفس فون کریں۔

ہاجرہ امین .... کراچی

پیاری ہاجرہ! آپ سے فون پر بات کر کے ہمیں بے حد اچھا لگا اور ہم اپنی تمام قارئین اور رائٹرز کو ہر دلعزیز رکھتے ہیں۔ آپ ردا کے مستقل سلسلوں میں شامل ہو سکتی ہیں اور اپنے اشعار نظمیں ارسال کر سکتی ہیں۔ خوش رہیں اور ردا سے جڑی رہیے۔

ساتھی زبیر .... میر پور خاص

زبیر بھائی! خوش رہیے آپ کا محبتوں اور دعاؤں سے بھرا سندیسہ ملا۔ بہت شکریہ اتنی محبت اور دعاؤں کا۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے اور آپ اس کے مستقل سلسلوں میں شامل ہو سکتے ہیں اس ماہ بھی آپ کی شاعری شامل اشاعت ہے ہمیں یقین ہے کہ آپ ردا سے جڑے رہیں گے۔ خوش رہیے۔

اسویرہ علی .... کراچی

سویٹ اسویرہ! آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں آپ کی تحریر مل گئی ہے۔ قریبی اشاعت میں شامل ہوگی۔ آپ نے گلہ کیا کہ آپ کی نظم مختصر شامل کی گئی۔ تحریر کو طوالت سے بچانے کے لیے ایسا کیا گیا آپ سمیت تمام رائٹرز سے مجھے یہ کہنا ہے کہ اپنی تحاریر میں طویل شاعری شامل کرنے سے گریز کریں۔ امید ہے آپ ہماری بات کو سمجھ گئی ہوں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

روشنی فیصل .... کراچی

سویٹ روشنی! خوش رہو اور تمہاری کبھی کبھی کی آمد اب مستقل ہونی چاہیے، مانا کہ گھریلو مصروفیت میں فرصت نہیں ملتی مگر ردا آپ کا اپنا ہے اور عشرت کیسی ہے اسے ہمارا سلام کہنا۔ خوش رہو۔

زاہدہ ہاشمی .... کراچی

پیاری زاہدہ! ڈھیروں دعائیں خوش رہو اور رب تعالیٰ تمہیں صحت کاملہ عطا کرے، آمین۔ ردا تمہیں بھیجا تو جا رہا تھا مگر ایڈریس کی غلطی کی وجہ سے واپس آ رہا ہے۔ پھر سندیسہ لکھو تو اپنا درست پتہ لکھنا۔ اپنا بے حد خیال رکھنا۔

ریمل آرزو .... اوکاڑہ

لولی ریمل! آپ سدا مسکراتی رہیں اور ردا سے جڑی رہیں۔ ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ردا کے حصول میں جو آپ کو پریشانی اٹھانی پڑتی ہے وہ آگے نہ ہو اور آپ کو بروقت ردا مل جائے۔ خوش رہیے۔

عانیہ نیازی .... ربوہ

پیاری عانیہ! تم سے بات کر کے بہت اچھا لگا اور یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اب آپ کی امی کی طبیعت ٹھیک ہے۔ ہمارا سلام کہیے گا اور اپنا اور ان کا بے حد خیال رکھیے گا۔

.......☆.......

باتیں صحت کی

بیر کے فوائد

بیر دماغی امراض میں بھی مفید ہیں۔ ایسے ذہنی مریض جن کا دماغ بہت سست ہو، ان کے علاج کے لیے مٹھی بھر خشک بیر آدھ لیٹر پانی میں اس وقت تک ابالے جائیں جب پانی آدھا رہ جائے۔ پھر اس آمیزے میں شہد یا چینی ملا کر روزانہ رات سونے سے قبل مریض کو کھلایا جائے۔ یہ علاج دماغ کی کارکردگی بڑھا کر مریض کو فعال بنا دے گا۔ منہ کے امراض میں بیری کے تازہ پتوں کا جوشاندہ نمک ملا کر غراروں کے لیے استعمال کرنا، گلے کی خراش، منہ کی سوزش، مسوڑھوں سے خون بہنے اور زبان پھٹنے کے امراض میں شافی ہے۔ آشوب چشم میں دکھتی آنکھوں کے لیے بیری کے پتے بہت مفید ہیں۔ پتوں کا جوشاندہ آنکھوں میں ڈالنے والی دوا کی طرح استعمال کرنا صحت دیتا ہے۔

جلد کی بیماریوں میں بیری کی ٹہنیوں اور پتوں کا لیپ پھوڑوں، پھنسیوں وغیرہ پر لگانے سے آرام آتا ہے۔ بیری کے پلٹس کا ایک چھوٹا چمچ لیموں کے رس میں ملا کر بچھو کے ڈنک پر لگانے سے تسکین ملتی ہے۔ زخم اور ناسور دھونے کے لیے بھی بیری کے پتوں کا جوشاندہ بہترین ہے۔ بھوک کی کمی، کھانا صحیح طرح ہضم نہ ہونا، غذا کی نالی میں جلن اور گیس کی شکایت بہت عام ہے۔ جن مریضوں کو یہ شکایت رہتی ہو وہ صبح ناشتہ کرنے کے بجائے 135 گرام سے آدھ کلو تک حسب خواہش بیر کھایا کریں۔ بھوک خوب کھل کر لگے گی۔ اس ناشتے سے آنتوں کے کیڑے بھی ہلاک ہو کر خارج ہو جاتے ہیں۔

جن مریضوں کو شدید مروڑ ہوتی ہو اور پیچش کی شکایت بھی لاحق ہو وہ سوکھے بیر کی گٹھلی نکال کر صرف چھلکے کو باریک پیس لیں۔ اس کے بعد تقریباً 125 گرام پانی میں حسب ذائقہ شکر ملا کر پی جائیں صبح و شام اس ترکیب پر عمل کرنے سے چند روز میں دست بند ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ جھڑبیری یعنی جنگلی بیری کی جڑ بھی اس مقصد کے لئے مفید ہے۔ جھڑبیری کی جڑ 12 گرام اور کالی مرچ سات عدد پانی میں گھوٹ کر دن میں 3 بار پینے سے پیچش کی شکایت ختم ہو جاتی ہے۔

اگر غذا بالکل ہضم نہ ہوتی ہو تو خشک کر کے پیسے ہوئے بیروں کا سفوف 20 گرام، ایک بڑی الائچی اور چھ گرام سفید زیرہ ہلکی آگ پر بھون کر سب چیزوں کو اچھی طرح ملا لیں۔ دن میں دو یا تین بار ایک چمچ سفوف پانی میں حل کر کے شکر ملا کر پئیں۔ اس کے استعمال سے آنتیں غذا کو اچھی طرح ہضم کرنے لگتی ہے۔ جن مریضوں میں قبض کی شکایت بہت عرصے سے ہو انہیں دائمی قبض کا مریض کہا جاتا ہے قبض کی وجہ سے آنتوں میں خشکی اور تیزابیت پیدا ہو جاتی ہے اسے ختم کرنے کے لئے بڑے سائز کے میٹھے بیروں کا گودا اور چھلکا معمولی طور پر پیس کر پانی یا دہی کی پتلی لسی کے ساتھ پندرہ سے پچاس گرام تک صبح ناشتے سے قبل استعمال کریں۔ اس سے تیزابیت کم ہو جائے گی اور قبض ختم ہو جائے گا۔☆



کھٹی مصالحے دار مرغی

اجزاء

مرغی کے ٹکڑے : ڈیڑھ کلو
پیاز : دو عدد درمیانی
ادرک : ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوے : دس عدد
دہی پھینٹا ہوا : ایک پاؤ
لال مرچ پسی ہوئی : دو چائے کے چمچ
دھنیا پسا ہوا : ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ پسا ہوا : ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا : ایک کھانے کا چمچ
کاجو یا مونگ پھلی پسی ہوئی : دو کھانے کے چمچے
مکھن : دو کھانے کے چمچے
لیموں : دو عدد
ٹماٹر گولائی میں کٹے ہوئے درمیانے : دو عدد
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی : دو عدد
ہرا دھنیا کٹا ہوا : مٹھی بھر
نمک : حسب ذائقہ
تیل : حسب ضرورت

ترکیب: پیاز، ادرک اور لہسن کے ساتھ پیس کر دہی میں نمک، مرچ، کاجو آدھا کھانے کا چمچ دھنیا، زیرہ اور گرم مصالحہ کے ساتھ ملالیں۔ اس آمیزے کو مرغی کے ٹکڑوں میں لگا کر چھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد مرغی کو بھاری پیندے کی پتیلی میں ڈال کر پکائیں۔ جب مرغی گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو ایک الگ برتن میں تیل اور مکھن کو بہت تیز گرم کرلیں اور اسے مرغی کے اوپر ڈال دیں۔ اسی تیل میں مرغی کو تل کر سنہرا کرلیں۔ مرغی کو کسی برتن میں نکال کر اس پر دونوں لیموں کا رس چھڑکیں اور بچا ہوا مصالحہ بھی اوپر سے چھڑک دیں۔ ٹماٹر کے قتلوں، پیاز کے لچھوں، ہرا دھنیا اور ہری مرچ سے سجا کر پیش کریں۔

کڑھائی کوفتے

اجزاء

قیمہ : آدھا کلو (باریک پسا ہوا)
پیاز : ایک عدد
دہی : آدھا کپ
انڈہ : ایک عدد
ہری مرچیں : دو عدد
ہرا دھنیا : آدھی گڈی
گرم مصالحہ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
کارن فلور : ایک چائے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : حسب ضرورت

(تمام اجزا مکس کرلیں اور کوفتے بنا کر فرائی کرلیں)

مصالحے کے لیے:

ادرک لہسن کا پیسٹ	:	دو چائے کے چمچ
ٹماٹر پیسٹ	:	ایک کپ
پیاز کا پیسٹ	:	آدھا کپ
ہری مرچیں	:	پانچ چھ عدد
قصوری میتھی	:	ایک چائے کا چمچ
ادرک (لمبائی میں کاٹ لیں)	:	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچ
کٹی لال مرچ	:	ایک چائے کا چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ
تیل	:	حسب ضرورت

ترکیب: تیل میں پیاز ڈال کر خوب بھون لیں پھر ادرک لہسن ڈال کر مزید بھونیں۔ دو منٹ بعد ٹماٹر پیسٹ ڈال کر بھونیں، فرائی کوفتہ شامل کریں اس کے بعد باقی کی تمام چیزیں ڈال کر دو منٹ مزید دم پر رکھ دیں۔ ڈش میں نکال کر نان کے ساتھ پیش کریں۔

چائنیز کولی فلاور

اجزا

پھول گوبھی	:	آدھا کلو
اجوائن	:	آدھا چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	:	دس عدد (چورا کرلیں)
چینی	:	آدھا کپ
کلونجی	:	پون چائے کا چمچ
ثابت کالی مرچ	:	چار عدد
کڑی پتہ	:	ایک عدد
گھی	:	ڈھائی کھانے کے چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ
تیل	:	ڈیپ فرائی کے لیے

ترکیب: آدھے کپ پانی میں اجوائن اور لال مرچ مکس کر کے رکھ دیں۔ گوبھی کو بھی کاٹ کر دھو لیں۔ تیل گرم کر کے گوبھی فرائی کرلیں جب گولڈن براؤن ہو جائے تو نکال لیں۔ اس کے بعد ایک پین میں گھی گرم کریں اور اس میں کڑی پتہ، کالی مرچ اور کلونجی ڈال دیں جب کڑکڑانے لگے تو گوبھی ڈال دیں، اب اس پر اجوائن والا مکسچر، نمک اور چینی ڈال کر پانچ منٹ بھونیں پانی ڈال کر گلائیں اور دم لگا دیں۔ تیار ہونے پر فرنچ فرائز اور پراٹھوں کے ساتھ سرو کریں۔

انڈین فرائی سیم پھلی

اجزاء

سیم	:	ڈیڑھ پاؤ (آدھا انچ کے یکساں ٹکڑوں میں کاٹ لیں)
ہینگ پاؤڈر	:	پون چائے کا چمچ
رائی	:	ایک چائے کا چمچ
ثابت سوکھی مرچ	:	دو عدد
کڑی پتہ	:	آٹھ دس عدد
لیموں کا رس	:	ڈیڑھ چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچ
ارہر دال	:	آدھا چائے کا چمچ (سخت ابلی ہوئی)
نمک	:	حسب ذائقہ
تیل	:	دو کھانے کے چمچ

(مونگ پھلی، زیتون یا کارن آئل استعمال کر سکتے ہیں۔)

ترکیب: ایک پتیلی میں ساڑھے تین کپ پانی اور نمک ڈال کر سیم کو تقریباً چار منٹ ابال لیں۔ پانی نتھار کر ابلے ہوئے سیم پر سے ٹھنڈا پانی گزاریں اور اسے ایک طرف رکھ دیں۔ ایک ساس پین میں تیل درمیانی آنچ پر گرم کریں۔ رائی ڈال کر کڑکڑائیں پھر دال ڈال کر تیزی سے چمچ چلائیں اور جب دال کی رنگت لال ہو جائے تب اس میں کڑی پتہ، ہینگ،

ثابت سوکھی مرچ اور ابلی ہوئی سیم ڈالیں اور چولہا بند کردیں۔ لیموں کا رس، لال مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر مکس کریں۔

چکن چلی سبزیوں کے ساتھ

اجزاء

چکن بغیر ہڈی کے	: آدھا کلو (چھوٹی بوٹی کروالیں)
کشمیری مرچ	: چار عدد (درمیان سے بیج نکال کر لمبائی میں باریک کاٹ لیں)
لہسن	: چھ جوے (چھیل لیں)
شملہ مرچ	: دو عدد (کیوبز بنالیں)
ہری مرچ	: چار عدد (لمبی باریک کٹی ہوئی)
سویا ساس	: دو کھانے کے چمچ
چکن کیوب ملا ہوا میدہ	: ایک کھانے کا چمچ
پیاز	: دو عدد (پرت الگ کرلیں)
گاجر	: دو عدد (گول قتلے کاٹ لیں)
کارن فلور	: ایک کھانے کا چمچ
سفید سرکہ	: دو کھانے کے چمچ
سفید مرچ پسی ہوئی	: ایک چائے کا چمچ
چینی	: ایک چائے کا چمچ
نمک	: حسب ذائقہ
تیل	: چار کھانے کے چمچ

ترکیب: سب سے پہلے چکن بوٹی ایک جگہ لیں اور کسی بھاری چھری کے ساتھ ہلکا ہلکا کچل لیں پھر لہسن کے جوے، ایک چمچ سویا ساس، ایک چمچ سرکہ، آدھا چمچ سفید مرچ، چینی، نمک، آدھا میدہ اور آدھا کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ جب کھانے کے لیے پیش کرنا ہو تو ایک کڑاہی میں دو چمچ تیل ڈال کر گرم کریں پھر میرینیٹ کی ہوئی چکن ڈال دیں آنچ تیز کردیں اور چکن کو بیچ چلاتے ہوئے ہلکا سا بھون لیں پھر ایک پیالی پانی کارن فلور گھول کر چکن میں ڈال دیں بیچ چلاتے رہیں۔ گاڑھی ساس بن جائے تو چولہا بند کردیں۔ اب ساری سبزیاں ایک پیالے میں ڈال کر سویا ساس، سرکہ میدہ اور سفید مرچ ملائیں۔ ایک بڑے فرائی پین میں باقی تیل ڈال کر گرم کریں۔ میرینیٹ کی ہوئی سبزیاں ڈال کر تیز آنچ پر اسٹر فرائی کرلیں پھر چکن میں ڈال کر مکس کرلیں اور گرم گرم پیش کریں۔

فروٹی والنٹ کسٹرڈ

اجزاء

اسپنج کیک	: دو پونڈ کا (سلائس کاٹ لیں)
دودھ	: ایک لیٹر
چینی	: آدھا کپ
آڑو	: پون کپ
لیموں	: تین عدد
اسٹرابیری جیلی	: ایک پیکٹ
فریش کریم	: ایک پیکٹ
اخروٹ	: پون کپ (کٹے ہوئے)
کارن فلور یا کسٹرڈ پاؤڈر	: دو کھانے کے چمچ

ترکیب: دودھ، چینی اور کارن فلور کو ملا کر گاڑھا کسٹرڈ تیار کرلیں۔ اسٹرابیری جیلی کو پیکٹ پر دیے گئے طریقہ کار کے مطابق تیار کرلیں۔ ایک ڈش میں کسٹرڈ کی تہہ لگائیں پھر کیک کے سلائسز کی تہہ لگائیں اور پھر لیمن جوس ڈالیں۔ آخر میں جیلی کی تہہ لگائیں اس کے بعد بچا ہوا کسٹرڈ پھیلا کر ڈالیں اور پر سے فریش کریم ڈال دیں اور آڑو اور اخروٹ سے گارنش کریں۔ ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

......☆......

سنگھار

جلد

خوب صورتی اور جاذبیت کے لیے میک اپ کے ساتھ ساتھ آپ کی جلد کا تروتازہ اور صحت مند ہونا بھی ضروری ہے اور جلد کی حفاظت اسی طرح کی جانی چاہیے جس طرح کہ ہم اپنی خوب صورتی کے لیے چہرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیوں کہ خوب صورت جلد اس وقت تک اپنی خوب صورتی برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کی حفاظت نہ کی جائے کیوں کہ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ موسم صحت اور ڈائٹنگ ایسے عوامل ہیں جو جلد پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ڈائٹنگ سے جلد کا کھنچاؤ اور تازگی متاثر ہوتی ہے۔ اگر تو جوانی کے دور میں ہی جلد کی حفاظت کے لیے تدابیر اختیار کر لی جائیں تو بڑی عمر میں چہرے پر جھائیاں وغیرہ پڑنے سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ہماری جلد تین تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی تہہ وہ ہے جو ہمیں نظر آتی ہے۔ یعنی سب سے اوپر والی تہہ اور دوسری تیسری تہیں پہلی تہہ کے نیچے ہوتی ہیں۔ جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ پہلی تہہ بدلتی رہتی ہے اور اس کے مردہ خلیات کی جگہ نئے خلیات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جب کہ دوسری اور تیسری تہہ کا تعلق خون کی رگوں بالوں کی جڑوں اور غدود سے ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت انسان کی جلد کو مکمل جلد کہا جاتا ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد نشوونما پاتی رہتی ہے۔ جلد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

1۔ خشک جلد۔ 2۔ نارمل جلد۔ 3۔ چکنی جلد۔ 4۔ ملی جلی جلد۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی انسان کی جلد مکمل طور پر خشک، نارمل یا چکنی نہیں ہوتی بلکہ نوے فیصد افراد کی جلد ملی جلی کیفیات کی حامل ہوتی ہے۔ جلد کی اقسام پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

خشک جلد:

یہ جلد با آسانی پہچانی جاتی ہے۔ اس جلد کا اوپری حصہ باریک اور عموماً گلابی رنگت کا ہوتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اکثر خشکی کی تہہ صاف نظر آتی ہے۔ اس قسم کی جلد پر جھریاں جلد پڑ جاتی ہیں۔

حفاظت:

خشک جلد کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

رات سونے سے پہلے کسی ہلکے صابن اور پانی سے منہ دھوئیں۔ Deep Porecleancng کریم سے جلد کی صفائی کریں۔ چہرے اور گردن پر اچھی کریم Skin لگائیں اور بیس منٹ تک رہنے دیں۔ پھر ٹشو پیپر یا روئی سے صاف کریں۔ رات کو بھی ہلکا سا اسکن ٹانک لگائیں۔ زیادہ سے زیادہ پانی استعمال کر کے جسم کو موسچرائزر مہیا کریں۔

نارمل جلد:

نارمل جلد بہت صاف ستھری اور ملائم ہوتی ہے اور یہ جلد صنعتی ملکوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس پر جھریاں دیر تک نہیں پڑتیں۔ اس کا رنگ گلابی کے بجائے Creamy ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق

نارمل جلد صرف بچوں ہی کی ہوتی ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کی جلد یا تو خشک یا پھر چکنی ہوتی ہے۔ بہر حال بڑی عمر کے لوگوں میں نارمل جلد پائی جاتی ہے۔

حفاظت:

نارمل جلد رکھنے والے سوچتے ہیں کہ ان کی جلد بغیر حفاظت اور احتیاط کے بھی خوب صورت اور دلکش رہے گی۔ ایسا سوچنا غلط فہمی ہے۔ ایسے اشخاص کو چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

اپنا چہرہ عمدہ صابن اور تازہ پانی سے دھوئیں۔ کسی Clean کریم سے جلد صاف کریں۔ کوئی ہلکا سا اسکن ٹانک روئی کی مدد سے لگائیں۔ چہرے کو موسم کے اثرات سے بچانے کے لیے ممکنہ حد تک ڈھانپ کر رکھیں۔ خاص طور پر دھوپ سے بچائیں تاکہ جلد پر دھوپ کے اثرات نہ پڑ سکیں۔

چکنی جلد:

چکنی جلد بہت جلد میلی ہو جاتی ہے اور چہرے پر چکناہٹ صاف نظر آتی ہے۔ ناک کے نتھنے، گردن، آنکھوں کے نیچے اور ٹھوڑی پر چکناہٹ نظر آتی ہے۔ جن خواتین کی جلد چکنی ہوتی ہے اس پر چمک نمودار ہو جاتی ہے۔ ایسی جلد کے مسامات نارمل اور خشک جلد کی نسبت زیادہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ عام طور پر سیاہ تل اور مہاسے نکلتے رہتے ہیں۔ چکنی جلد والی خواتین اپنی جلد کو خشک جلد میں بھی تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تاکہ جلدی بیماریوں سے نجات مل سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چکنی جلد دوسری جلدوں کے مقابلے میں زیادہ توانا اور زیادہ عرصہ تک تروتازہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حفاظت:

چکنی جلد رکھنے والی خواتین کو درج ذیل باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ پورے چہرے پر Skin Tonic لگائیں۔ Deepore cleansing کریم کی مدد سے چہرہ صاف کریں اور ٹھوڑی پر خاص توجہ دیں۔ گردن اور چہرے پر کوئی اچھا سا لوشن لگائیں۔ سبزیاں اور سلاد اور روکھا گوشت اور مچھلی کھائیں اور پانی زیادہ پئیں اور مرغن غذاؤں سے اجتناب کریں۔ خشک میک اپ استعمال کریں۔ اپنی چکنی جلد کو بدلنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ یا غذا مت استعمال کریں جس سے جلد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ چکنی جلد ہی سب سے بہتر جلد سمجھی جاتی ہے۔

ملی جلی جلد:

ملی جلی جلد، چکنی اور خشک جلد کا مرکب ہوتی ہے۔ اس میں پیشانی اور ٹھوڑی تک چکناہٹ پھیلی ہوتی ہے۔ جب کہ باقی جگہ خشک ہوتی ہے۔

حفاظت:

سونے سے پہلے روزانہ ہلکے صابن اور پانی سے منہ دھوئیں۔ Cleansing cream سے صفائی کریں۔ خشک حصے اور گردن پر اسکن فول لگائیں۔ آنکھوں کے اردگرد کے حصے پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بیس منٹ کے بعد ٹشو پیپر یا روئی سے صاف کریں۔ پورے چہرے پر اسکن ٹانک لگائیں۔

انسانی جلد پچیس برس کی عمر تک صحت مند اور تازہ رہتی ہے اور عموماً اس عمر کے بعد تنزلی کا شکار ہونے لگتی ہے۔ انسان کو جلد کے متعلق کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جلد میں نمی کے تناسب کا کم ہونا جس سے جلد پر لکیریں وغیرہ ابھرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جلد کی ساخت کو تبدیل کرنے سے بھی یہ کئی طرح کے مسائل کا شکار ہو سکتی ہے۔ جلد کو کسی بھی لوشن یا موسچرائزر سے تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ واحد غذا ایسی چیز ہے جو ہماری جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ متوازن غذا کا اثر جلد پر بھی بہت اچھا پڑتا ہے۔ جب کہ ڈائٹنگ کرنے سے جلد مرجھا جاتی ہے اور پژمردہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

☆